پیام خیام

۷۸۶ ہو الباقی

بہ سلسلہ اسلامیہ دار الاشاعت دہلی

پیام خیام

سیرت حکیم عمر خیام

از

مسٹر ظفر قریشی بی۔ اے دہلوی

شرح رباعیات

از

علامہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ایم بی ایس ایڈیٹر رسالہ سعید

باخذ حقوق اشاعت دائمی

جناب پیرزادہ حسن انیس صاحب بقائی دہلوی نے

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں طبع کرایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

آج مغرب کی تہذیب، ترقی اور علوم و فنون کے متعلق اس کے عجیب و غریب اکتشافات اس میں شک نہیں کہ خستہ و درماندہ مشرق کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن مشرق ہمیشہ یہی مشرق نہ تھا جو آج ہے۔ یہی میٹھی نیندیں سونے والے اور یہی بادۂ جہالت کے متوالے مدت ہا مدت تک ادب آموز عالم رہ چکے ہیں اور آج مغرب کا سر بفلک کشیدہ قصرِ علوم جن بنیادوں پر کھڑا ہے وہ بھی انہی مشرقی معماروں کے ہاتھوں کی رکھی ہوئی ہیں جن کے پاس آج گنیا ہے نہ پرکار اور نہ نقشہ ہے نہ کتاب اور جو دربدر اور خاک بسر حیران و پریشان مارے مارے پھر رہے ہیں

تصوف، فلسفہ اور اخلاق کا درخت فی الاصل مشرقی نژاد ہے اور گو اہل مغرب نے اس کا بیج مشرق سے لیجا کر ہزار دقت و خرابی اسے اپنے ہاں لگا لیا ہو اور اس میں طرح طرح کے مادی اور دنیاوی علوم کے قلم اور پیوند لگا کر اس کے پھل کا ذائقہ بدل دیا ہو لیکن اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ درخت "خالصتہً" مشرقی ہے۔ اور اسے اگر کوئی زمین پورے طور پر راس آتی ہے تو وہ ارض مشرق ہی ہے

داؤدؑ و سلیمانؑ، ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، یعقوبؑ و یوسفؑ، عیسیٰؑ و موسیٰؑ، گوتمؑ و کرشنؑ، کنفیوششؑ و زرتشتؑ، اور ان سب کے بعد خاتم النبیین محمد رسول اللہ سب کے سب اسی خاک سے پیدا ہوئے کہ جو ماہد مشرق کے نام سے مشہور ہے اور کون نہیں جانتا کہ دنیا میں تصوف و اخلاق کی جو روشنی جہاں کہیں بھی نظر آتی ہے وہ رشد و ہدایت کی انہی شمعوں سے نکل نکل کر پھیلی ہے۔ انہی برگزیدہ ہستیوں کی تعلیم نے اقصائے عالم میں صدہا اور ہزارہا ایسے انسان پیدا کئے کہ جنہوں نے اپنی پوری پوری عمریں غور و فکر میں صرف کر دیں اور اس سمندر میں غوطے لگا لگا کر انسان کی

سے بڑے بڑے آبدار اور شاہوار موتی نکالے اور دنیا کے سامنے انہیں بکھیر دیا۔ انہی ماہر فن غواصوں میں سے سرزمین ایران کا وہ فلسفی شاعر بھی تھا جسے دنیا نے مدتوں دسر گمنامی میں ڈالے رکھا اور جس کے بکھرے ہوئے موتیوں کی قدر ہم نے اب جانی ہے کہ جب جوہریان مغرب نے ان کا ہار بنا کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

ایک عرصہ دراز سے میرے دل میں یہ خواہش جاں گزیں تھی کہ جس طرح اہل مغرب نے عمر خیام کی قدر کی ہے اور اس کی رباعیات کے بیسیوں مختلف اڈیشن طرح طرح کی گلکاریوں اور گوناگوں تفسیروں کے ساتھ شائع کئے ہیں اسی طرح اگر ممکن ہو تو میں بھی اس نادر زمانہ مجموعۂ رباعیات کو نہایت خوشنما اور خوبصورت طریقہ پر چھاپ کر اسی صورت میں اس ایرانی فلاسفر کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کر دوں۔

میری راہ میں دو دشواریاں حائل تھیں اول تو عدیم الفرصتی کے باعث عمر خیام کے مفصل اور قابل اعتبار حالات کو مختلف کتابوں سے اخذ کر کے یکجا کرنا مشکل تھا۔ اور دوسرے رباعیات کی عام فہم اور سلیس زبان میں تفسیر لکھنی اس سے بھی زیادہ فرصت طلب کام نظر آتا تھا۔

مدتیں گذر گئیں پھر بھی یہ ارادہ عملی صورت نہ اختیار کر سکا لیکن مشیت ایزدی میرے اس نیک ارادے کی تکمیل کی فکر میں تھی۔ اس نے میرا تعارف ایسی دو ہستیوں سے کرا دیا کہ جن کی مساعی جمیلہ سے میری دونوں دشواریاں آسان ہو گئیں۔ علامہ محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی مادر ہند کے ان سپوتوں میں سے ہیں کہ جن پر ملک اور قوم جس قدر فخر کرے بجا ہے۔ ایک لائق اور حاذق طبیب ہونے کے علاوہ آپ ایک متبحر عالم، ایک جلیل القدر شاعر، اور ایک بلند پایہ ادیب بھی ہیں۔ اور آپ کے ذوق ادب ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ طب کی مصروفیتوں کے باوجود آپ مدتوں سے برابر مختلف طریقوں پر زبان و ادب کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ زبان کی سلاست اور بیان کی شگفتگی و روانی آپ کے طرز تحریر کی ایسی خصوصیات ہیں جو ہر جگہ دیکھنے کو ملتی ہیں اور ان چیزوں کے ساتھ جب خیالات کی بلندی شامل ہو جاتی ہے تو مضمون میں جان سی پڑ جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی انہی خصوصیتوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان سے درخواست کروں

کہ وہ مشرق کے نامور حکیم اور صوفی مشرب شاعر خیام کی رباعیات کی تفسیر رسالہ پیشوا کے لئے تحریر فرما دیا کریں۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اُن کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں کہ اُنہوں نے میری درخواست کو منظور فرما کر مجھے موقع دیدیا کہ مدتوں کی دبی ہوئی آرزو کو پورا کروں۔ پیشوا میں ہر مہینے ڈاکٹر صاحب کی تفسیر رباعیات کے دو صفحے بالالتزام چھپتے رہتے ہیں اور ارباب علم و ذوق کے اُن صدہا خطوط نے کہ جو اس تفسیر کی تعریف میں میرے پاس آئے مجھے یقین دلا دیا کہ میری نگاہ انتخاب نے غلطی نہیں کی تھی اور اس کام کے لئے میں نے فی الحقیقت ایک موزوں ترین ہستی کا انتخاب کیا تھا۔

خیام کی سوانح عمری مرتب کرانے کے لئے میں نے دہلی کے ایک بہت ہی قابل نوجوان گریجوایٹ کو چھانٹا جن کے نام نامی سے دنیائے ادب بہت اچھی طرح آشنا ہے۔ مسٹر ظفر قریشی کے مضامین اور انگریزی سے ترجمہ کئے ہوئے افسانے آج کل قریب قریب ہر ادبی رسالے کی زینت اوراق کا کام دیا کرتے ہیں اور ان رسائل کے پڑھنے والے آپ کی خداداد قابلیت سے اچھی واقف ہیں۔ آپ ایک ہونہار نوجوان ہیں اور آپکے ذوق سلیم اور ادبی انہماک کو دیکھکر آپکے درخشاں مستقبل کی پیشین گوئی بآسانی کی جاسکتی ہے۔ میں مسٹر قریشی کا بھی سچے دل سے ممنون ہوں کہ اُنہوں نے بہت کافی سعی محنت سے خیام کے صحیح حالات زندگی مختلف کتابوں اور سوانح عمریوں سے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر یکجا کئے ہیں اور اس طرح اس نسخہ کو ایک مستند اور قابل قدر کتاب بنا دیا۔

جہانتک مجھے معلوم ہے اردو زبان میں اس وقت تک خیام کی رباعیات کا کوئی نسخہ اتنی اچھی تفسیر اور اس قدر صحیح حالات زندگی کے ساتھ شائع نہیں ہوا ہے اور خیام کے ایک ادنٰے معتقد کے لئے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے کہ سب سے پہلے اسی کو یہ موقعہ ملا ہے کہ ایک ایسی نادر الوجود کتاب شائع کرے۔

اس نسخہ کی کتابت و طباعت پر جو کچھ صرف ہوا ہے وہ فی الحقیقت میری حیثیت سے زیادہ اور میری استعداد سے بالاتر ہے۔ لیکن میرا جوش عقیدتمندی مجھے مجبور کر رہا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اس یکتائے زمانہ حکیم کی یادگار اردو میں قائم کرتے وقت بخل اور کفایت شعاری سے کام نہ لیا جائے۔

آخر میں علامہ ڈاکٹر سعید بریلوی، اور مسٹر ظفر قریشی بی اے دہلوی کا اس عنایت کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اُنہوں نے میری درخواست پر اس کتاب کو مکمل کر کے دائمی حق اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

عزیز حسن بقائی

مالک و اڈیٹر رسالہ پیشوا دہلی
یکم رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق یکم نومبر سنہ ۱۹۳۲ء

۷۸۶

حکیم عمر خیام اور اس کا عصر

فہرست مطالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم عمر خیام اور اسکا عصر

آغاز

حکیم عمر خیام کی رباعیات سے مشرق و مغرب میں جو عام دلچسپی اور محبت پیدا ہو گئی ہے اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ علوم پرست یورپ میں تو سینکڑوں اڈیشن اس کی رباعیات کے تراجم کے نکل چکے ہیں اور آئے دن مصور و غیر مصور ڈی لکس، اڈیشن برابر نکل رہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس وقت تک متعدد اڈیشن اس کی رباعیات کے نکل چکے ہیں لیکن اس قدر صحیح اور عمدہ و منظم و مرتب نسخہ شائع نہیں ہوا جیسا کہ محترمی جناب سید عزیز حسن صاحب بقائی کی علم دوستی سے مشرق کے نامور فلاسفر حکیم عمر خیام کی رباعیات کا یہ مصور، مترجم و متشرح اڈیشن اردو میں پہلی بار اس قدر شان کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ خیام اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اردو میں کوئی بہت زیادہ جامع تبصرہ کتابی صورت میں اس قسم کا نظروں سے نہیں گذرا کہ جسے ایک نشست میں پڑھ کر جملہ واقفیتیں پیدا کی جا سکیں اور جو بہت ہی مختصر ہو اس لئے سخت ضرورت محسوس کی گئی کہ رباعیات خیام کے اس مصور و متشرح اڈیشن کے ساتھ عمر خیام کی زندگی اس کے زمانہ اور رباعیات اور اس کے فلسفۂ حیات پر ایک مجمل مگر نہایت سیر حاصل نظر ڈالی جائے۔

مشرق میں حکیم عمر خیام کی زندگی کے متعلق معلومات اسقدر بکھری ہوئی ہیں کہ ان کا یکجا کرنا اور کسی مبسوط کڑی میں منسلک کرنا نہایت دشوار اور بہت ہی محنت منا قہ کا کام ہے۔ انگریزی میں البتہ عمر خیام کی حیات اور اس کے

عصر کے متعلق متعدد نسخہ جات نظر سے گذرتے ہیں، بہر نوع ذیل کا تبصرہ صدہا انگریزی اور فارسی و اردو تصنیفات، اور متفرق مضامین و مقالات وغیرہ کی مسلسل چھان بین کے بعد ایک مبسوط و مربوط صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اردو داں طبقہ کے ذہن میں وہ تمام امور و کیفیات آجاتی ہیں جنکا جاننا ایک شریف علم دوست انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔

حکیم عمر خیام کی حیات کو اس جگہ بیان کرتے ہوئے جن امور پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے اُن کی تفصیل تو آگے نظر آئیگی۔ لیکن جزواً یہاں بیان کردیجاتی ہے۔ (۱) خیام کی پیدائش سے قبل ایران کی سیاسی حالت (۲) خیام اور اسکا خاندان (۳) پیدائش اور صغرسنی۔ خیام کی زندگی کے اہم مراحل تعلیم۔ سفر۔ روزانہ زندگی۔ خانگی معاملات، وطن وغیرہ (۴) خیام کی تصنیفات (۵) خیام کا کردار (۶) خیام اور اس کا عصر۔ (۷) خیام بحیثیت ایک فلسفی کے۔ (۸) خیام بحیثیت منجم و ریاضی داں کے (۹) عمر خیام انسان ہونے کی حیثیت سے (۱۰) معلم اخلاق ہونے کی حیثیت سے (۱۱) سیاست فہم ہونے کی حیثیت سے (۱۲) بحیثیت ایک صوفی کے (۱۳) قوم پرست و وطن پرور کی حیثیت سے (۱۴) حکیم عمر خیام کی زندگی کا مغرب پر اثر۔ یورپین مصنفین اور شعراء نے خیام کے متعلق کیا تاثرات قبول کئے (۱۵) خیام کا آرٹ اور اس پر ایک سیر حاصل نظر وغیرہ۔

حکیم خیام کی زندگی اس کے عصر اور معاشرتی و سیاسی اور تمدنی حالت کا کوئی ممکن پہلو ایسا نہیں ہے جسے تشنہ چھوڑا گیا ہو۔ امید ہے کہ رباعیات خیام کی قابل قدر شرح اور حکیم عمر خیام کی حیات اور اس کے عصر کا یہ بیش قیمت مصور اڈیشن اردو میں اسی طرح مقبول و ہر دلعزیز ہوگا جس طرح یورپ میں رباعیات کے انگریزی مترجم فٹز جیرلڈ اور اس کے بہترین مصور ران جونز کے ترجمہ اور نقوش کو ہر دلعزیزی اور شہرت دوام حاصل ہوئی۔

--



Calcutta Art Press Delhi.

تاریخی حالات کا خلاصہ

خیام کے سیرت نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکیم عمر خیام کی پیدائش اور اس کے بعد کے تاریخی اور سیاسی حالات لکھے، تاکہ خیام کی سوانح عمری پڑھنے والے ان حالات سے واقف ہوں جن میں مشرق کا یہ نامور فلاسفر پیدا ہوا اور اپنی علمی زندگی کے دن گزارے۔ اس لئے مختصراً واقعات لکھے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

گیارہویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا کی سلطنتوں میں ایک سیاسی ہیجان برپا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کا سنہ ۱۰۳۰ء میں انتقال ہو گیا تھا اور اُن کا لڑکا مسعود تخت پر جلوہ افروز ہو چکا تھا۔ تخت نشینی کے چار ہی سال بعد سلجوقی ترکوں کے ایک خاندان نے دو بھائیوں طغرل و شاکر کی سرکردگی میں اس شہزادہ یا بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس واقعہ کے بیس سال بعد کی تاریخ سلجوقی افواج کی ترکتازیوں اور مسلسل جنگوں کی ایک تاریخ کے سوا کچھ نہیں ۱۰۳۶ء میں شہر مرو شاکر کے قبضہ میں آگیا اور ایک ہی سال میں خراسان کے دار الحکومت نیشاپور پر بہادر طغرل قابض ہو گیا۔

جواں بخت طغرل نے تین سال بعد آل شیروان نامی ایک ایرانی سردار کو زیر کر کے اپنا لوہا منوا لیا ۱۰۵۵ء میں یہ نامور فاتح لشکر جرار لیکر بغداد کے دروازوں پر طوفان کی طرح پہنچا اور آناً فاناً میں شہر پر قابض ہو گیا۔ خلیفہ کو۔ فارس شام فلسطین اور ایشیائے کوچک کا سلطان بنا دیا گیا۔ محمود غزنوی کے پس ماندگان کے ساتھ اس نے اچھا سلوک کیا اور ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے اُسے بلخ۔ خراسان ہرات اور سیستان مل گیا۔

بادشاہ نے خلافت و پادشاہت کا اعلان کر دیا اور سابق بادشاہ کی لڑکی سے نکاح بھی کر لیا۔

شاکر کا سنہ ۱۰۶۰ء میں انتقال ہو گیا اور مشہور جرنیل الپ ارسلان شرقی ممالک کا گورنر مقرر کیا گیا اور ۱۰۶۳ء میں بالآخر وہ طغرل کی جگہ دولت متحدہ

کا سلطان بن گیا۔
سنہ ایمن "روما نوس ڈائیو جنیس" نامی ایک مشہور بہادر رومی سردار جو بازنطینی سلطنت کی بقیہ افواج کی کمان کر رہا تھا الپ ارسلان کی ترکی فوج سے شکست کھا گیا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد فاتح الپ ارسلان کو ایک خفیہ سیاسی جماعت کے ایک ایجنٹ نے خنجر سے قتل کر دیا اور اس کی جگہ ملک شاہ تخت پر بیٹھا جس کے عہد میں مشرق کا نامور فلاسفر حکیم عمر خیام پیدا ہوا۔

ملک شاہ ایک نیک نام حکمران تھا جس کا دانا وزیر نظام الملک طوسی تھا جو الپ ارسلان کے عہد میں بھی وزارت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے چکا تھا۔ ملک شاہ بڑا علم دوست اور فن کا قدردان بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں تعلیمی ترقی اور علم پروری کے لئے نہایت بیش بہا خدمات انجام دیں۔

وزیر باتدبیر نظام الملک طوسی ۱۰۹۲ء میں قتل کیا گیا۔ اور اسی سال ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ملک شاہ کے انتقال کے بعد بیس سال تک مسلسل خانہ جنگیاں اور سیاسی شورشیں ہی تمام سلطنت پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے۔ اسی عہد میں صلیبی جنگیں شروع ہوئیں اور پہلی جنگ نے اس کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

۱۰۶۶ء میں انگلستان کی مشہور جنگ ہسٹنگز کے مقام پر ہوئی۔ یہ واقعہ انگلستان کی تاریخ میں ایک نقطۂ زریں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے کہ انگلستان کی حکومت شمالی یورپ کے وحشی قبائل کے ہاتھوں سے نکل کر ایک باقاعدہ بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئی۔

یورپ کی حالت بدستور تاریک تھی۔ لوگ جاہل لاپروا اور لاابالی تھے۔ رومیا کا رپا دریوں، سیاہ کار مذہبی پیشواؤں اور بیرحم نوابوں کے نظام نے سوسائٹی کو خستہ کر دیا تھا۔ ہر شخص کی عزت و ناموس دولت و زندگی خطرے میں تھی۔ سلطنت روما بازنطین پر اب بھی حکومت کر رہی تھی اور تقریباً ایک صدی سے وہاں علم و تمدن کی روشنی بھی نمودار ہو چکی تھی۔ تیانہ ڈاکٹر

راتھ فلیڈ لکھتے ہیں کہ

"شہریوں نے اس قدر تہذیب اختیار کر لی تھی کہ وہ غسل اور پاکی کے لئے پانی کا استعمال سیکھ گئے تھے۔"

یہ تھی تہذیب تمدن کی ابتدا جو یورپ میں ابھی پیدا ہو رہی تھی مگر جہاں تک حقیقی تمدن کا تعلق ہے اس کے متعلق ڈاکٹر رتھ فلیڈ لکھتے ہیں کہ

"اسلامی مشرقی ممالک کے علاوہ کسی جگہ بھی تہذیب کے نام سے لوگ آشنا نہ تھے۔"

حکیم عمر خیام کا خاندان

یہ تھا وہ عہد جس میں مشرق کا یہ مایۂ ناز ریاضی داں شہرۂ آفاق فلسفی شاعر اور منجم و ہئیت داں پیدا ہوا۔

یہاں ہم عمر خیام کے کچھ خاندانی حالات بیان کر کے بہت جلد اس کی اصل زندگی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

عمر خیام کا پورا نام "غیاث الدین ابو الفتح عمر بن ابراہیم الخیامی النیشاپوری" ہے روزمرہ کے استعمال کے لئے اس طویل نام کو "عمر خیام"، کے مختصر رومانی نام میں تبدیل کر لیا۔ اور وہ اسی نام سے مشرق و مغرب میں مشہور ہو گیا۔

قیاس کہتا ہے کہ خیام کا باپ (یا وہ خود بھی) پیشہ کے اعتبار سے "خیامی" یعنی خیمہ ساز اور خیمہ فروشی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ کنیت مشہور ہوئی لفظ خیام خود عمر خیام نے اپنی رباعیات میں بطور تخلص استعمال کیا ہے اسی لئے ہم اسے "عمر خیام"، ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کہیں خیام یا خیامی کے نام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ محض ایک کنیت ہے۔ اور یہ کہ وہ پیشہ کے اعتبار سے خیمہ دوز یا خیمہ ساز نہ تھا۔ بلکہ اس کا باپ اور خاندان ایک خوشحال اور اچھی پوزیشن کا تھا۔ اور یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ایک غریب خیمہ ساز کا لڑکا نہایت عمدہ عہد طفلی گذارے نہایت اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اس کے ساتھی اور ہمجلیس و رفیق اچھی پوزیشن کے بڑے لوگ ہوں سے فلسفہ طبیعات اور اعلیٰ ریاضی و ہئیت میں اسقدر ید طولیٰ حاصل ہو اور اپنے عہد میں نجوم۔ فلکیات اور شعر و فلسفہ میں اسقدر حیرت انگیز شہرت حاصل کر لی ہو۔ اگر وہ ایک معمولی گھرانے کا آدمی ہوتا تو اسے ایسی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر نہیں آسکتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی الحقیقت خود خیمہ ساز نہ تھا نہ اس کا باپ ہی ہوگا بلکہ وہ ایک خوشحال اور اچھا کھاتا پیتا خاندان معلوم ہوتا ہے ممکن ہے

اس کے اجداد میں کبھی یہ کام ہوا ہو اور اس کی وجہ سے یہ کنیت مشہور ہو گئی ہو مثلاً سینکڑوں انگریزوں کے خاندانی نام "بیکر" (نان فروش) ہوتے ہیں اس سے یہ مطلب نکالنا کہ یہ سب نان بائی ہیں قطعی غلط ہو گا۔ صرف خاندان کے نام سے ہم فوراً یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ اس کا اب بھی اس پیشہ سے تعلق ہے۔ ناموں کے متعلق اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔ جو بحث سے غیر متعلق ہیں۔ اس لئے سرسری اشارہ کے بعد ہم حکیم عمر خیام کی زندگی کے اور اہم واقعہ کی جانب اس کتاب کے پڑھنے والوں کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

ایک بے بنیاد روایت

بقول مولینا شبلی "جو واقعات جس قدر زیادہ مشہور ہوتے ہیں ان کی صحت اور تاریخی و منطقی وجوہ سے اتنا ہی زیادہ تحقیق طلب ہو جاتا ہے" کیونکہ سینکڑوں واقعات محض زیب داستان کے لئے تصنیف کر لئے جاتے ہیں اور وہ عوام میں نہایت آسانی کے ساتھ شہرت پکڑ جاتے ہیں۔

مثلاً ایک بالکل بے بنیاد اور قطعی غیر منطقی واقعہ یہ مشہور رہے کہ حکیم عمر خیام۔ نظام الملک طوسی (وزیر اعظم ملک شاہ) اور حسن بن صباح فرقہ باطنیہ کا مشہور پر اسرار آرگنائزر بیک وقت ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے اور آپس میں بہت ہی دوست تھے۔ اُنہوں نے عہد طفلی میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ان میں سے جو شخص بادشاہ کا وزیر ہو جائے گا وہ دوسرے دوستوں کا ضرور خیال رکھیگا اور ان کے لئے بہترین سے بہترین عہدے محفوظ کر دیگا۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی وزیر بن گیا تو اس نے حسن بن صباح کو جو اس کا بچپن کا دوست تھا بادشاہ کے حضور میں پیش کیا اور اس کے لئے وزارت حربیہ کا عہدہ حاصل کر لیا۔ عمر خیام چونکہ باقاعدہ دربارداری سے گریز کرتا تھا اس لئے اُسے شاہی ہیئت داں کا عہدہ جلیلہ دیکر اس کے لئے ایک نہایت عالیشان رصد گاہ شاہی مصارف پر تیار کرا کے اسے نہایت خطیر رقوم فلکیات اور ریاضی

کی ریسرچ کے لئے خزانۂ عامرہ سے دلواتا رہا وغیرہ وغیرہ
نظام الملک طوسی اور عمر خیام کا عہد طفلی میں ایک مکتب میں پڑھنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ نظام الملک طوسی الپ ارسلان کے عہد میں وزیر ہو چکا تھا اور ملک شاہ کے زمانہ میں بھی وزیر رہا اور خیام ۱۰۱۵ء یا ۱۰۲۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۱۲۳ء میں انتقال کر گیا۔ نظام الملک طوسی خیام کی وفات سے تیس سال قبل قتل کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیام سے کہیں زیادہ بڑا تھا اور خیام کے ساتھ مکتب میں کسی طرح ہم سبق نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ ممکن ہے کہ عمر خیام وزیر اعظم نظام الملک سے واقف ہو کیونکہ وہ نیشاپور کی یونیورسٹی میں ریاضی و ہیئت کا زبردست استاد و امام تھا اور نظام الملک جو تعلیم و تعلم کا بڑا دلدادہ تھا ایسے زبردست عالم و اہل فن سے ضرور ملا کرتا ہوگا لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی صورت سے نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ نیشاپوری یونیورسٹی میں حکیم عمر خیام کے ساتھ ہم سبق ہوگا۔ ورنہ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی عمریں بہت طویل ہو گئی تھیں اور ایسے واقعات پیدا ہو گئے تھے کہ جن کو سوائے معجزہ کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

عمر خیام کا حسن بن صباح کے ساتھ ہم مکتب ہونا بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے مگر اس کی تصدیق صحیح تاریخی شواہد سے نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ایک مشہور واقعہ ضرور ہے جس سے ہمارا اطمینان نہیں ہوتا۔

ہو سکتا ہے کہ حسن بن صباح کی زندگی کے تمام پراسرار واقعات عمر خیام کے عہد میں گزرے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی زندگی کے تیس سال فرقہ باطنیہ کی سرگرمیوں کے زمانہ میں ضرور گذرے ہوں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ حسن بن صباح، نظام الملک طوسی اور حکیم عمر خیام ہم سبق اور ہم عمر بھی ہوں۔

حسن بن صباح ایک پُراسرار شخصیت تھی جس نے کوہ الموت پر اپنی بہشت طیار کر رکھی تھی اس کے فرقہ کا نام باطنیہ تھا اور یہ لوگ مذہبی جوش و جنون میں حد درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ تمام مذہبی و سیاسی خانہ جنگیاں، سیاسی قتل، نقض امن اسی فرقہ کے خنجر بکف "فدائی" کیا کرتے تھے اور انہیں لوگوں نے صلیبی جنگوں

کو ترقی دینے میں سر توڑ کوششیں کیں۔ ان لوگوں نے کچھ عرصہ تک اصفہان پر اپنی دہشت انگیزی قائم رکھی۔ ان ہی لوگوں نے نظام الملک کو قتل کر کے اپنی راہ سے کانٹا صاف کر دیا۔ ممکن ہے عمر خیام سے استفادہ کرنے اور اسے اپنے فرقہ میں لانے کے لئے حسن بن صباح اسی لئے نیشاپور کی یونیورسٹیوں میں آیا جایا کرتا ہو۔ لیکن اس سے زیادہ بس اور کچھ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

حکیم عمر خیام کی تاریخ پیدائش و وفات

عمر خیام کی تاریخ پیدائش کا تعین ممکن نہیں کوئی سن ایسا نہیں ہے جس پر تمام سوانح نویسوں کا اتفاق ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سنہ ۱۰۱۵ء سے سنہ ۱۰۲۲ء کے کسی سال میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن خیام کی وفات کی تاریخ تیقن کے ساتھ معلوم ہے۔ عمر خیام کا نیشاپور میں سنہ ۱۱۲۳ء میں انتقال ہوا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی عمر کم و بیش سو سال کی ہوئی۔ لیکن اس کے قویٰ آخر وقت تک نہایت اچھے رہے۔ یہ مشرق کا چست اور مستعد حکیم اور باہمت عالم ہمیشہ ہمیشہ جوان رہا۔

لیکن ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر معمر نہ تھا ورنہ "تین دوستوں" کی روایت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ نظام الملک اور خیام ہم عمر و ہم سبق تھے۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ وہ سنہ ۱۰۴۰ء سے پہلے پیدا ہوا تھا لیکن اس تاریخ کے ماننے سے بھی اس کی عمر اسّی سال کی ہو جاتی ہے۔ جو کافی اچھی عمر ہے۔ عمر خیام زندگی میں بھی ایک زبردست فلسفی ایک قابل قدر مفکر ایک بے پناہ عالم ہیئت و ماہر نجوم و فلکیات تھا۔ چنانچہ تقویم کو درست کرنے کے لئے اس عہد کے سب سے بڑے اور فاضل اہل ہیئت داں کو بادشاہ نے بلایا تھا اور حکیم عمر خیام نے ملک شاہ کا زائچہ بھی تیار کیا تھا جس سے اس کی لیاقت علمی اور فن کا شہرہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت حکیم عمر خیام کا انتقال ہوا ہے تو ہر طرف ماتم کا اظہار کیا گیا۔

حکیم عمر خیام کی سیر و سیاحت

عمر خیام نے اپنی طویل العمری سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس وقت تک جس قدر متمدن دنیا کا علم ہو چکا تھا۔ عمر خیام نے اس کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا اور سیر و سیاحت کا حق ادا کر دیا۔

ایک غیر موثق راوی کا بیان ہے کہ حکیم عمر خیام ہندوستان بھی آیا تھا لیکن یہ روایت بھی شیخ سعدیؒ کے ہندوستان آنے کی روایت کی طرح غیر مصدقہ معلوم معلوم ہوتی ہے۔ گو خیام نے سفر ہر جگہ کا کیا لیکن اس وقت تک کوئی قابل قبول

دلیل و ثبوت ہمارے سامنے ایسا نہیں آیا ہے جس سے خیام کے ہندوستان آنے کے دعوے کی تائید ہو سکے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم عمر خیام نے حج بھی کیا تھا اور کئی سال تک مکہ مکرمہ میں اقامت کی۔ سلاطین سلجوق کے دارالسلطنت مرو میں بھی مقیم رہا۔ وہ بلخ و بخارا بھی گیا۔ نیز اس کا بغداد جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔

قدیم جغرافیہ

ہمیں اس سلسلے میں یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ عمر خیام کا ملک ایران جس معنی میں ہم آج کل اس ملک کو سمجھتے ہیں نہ تھا بلکہ اصل میں موجودہ ایران اور تمام وسط ایشیا کے ممالک تھے۔ ایران کے دور دراز مقامات پر عرصے سے طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کی لعنت مسلط تھی۔ جگہ جگہ سردار اور قبائلی شہزادے حاکم بن بیٹھے تھے بغداد بے بس تھا۔ سلطنت ایران جو فی الحقیقت زبان و تمدن کے لحاظ سے ایک مکمل سلطنت کہی جا سکتی تھی۔ غزنی ہرات افغانستان اور بلخ تک پھیلی ہوئی تھی جسے آج کل ترکستان کہا جاتا ہے۔ سطح مرتفع اور کوہستانی علاقے سیستان کے گرم میدان اور خراسان کا مشہور زرخیز خطہ یہ تھی وہ کائنات جس کو حکیم عمر خیام کا وطن کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سے جغرافیہ بدل گیا ہے۔

سلطنت

شمال کے کوہستانی مقامات پر سلطان محمود غزنوی کی حکمرانی تھی جو صحیح معنی میں سلطنت کی امپریل طاقت کا مرکز تھا۔ نادر، کالیقہ، حصہ شام فلسطین اور ایشیائے کوچک ایک جدید بڑھتی ہوئی طاقت کے زیر نگیں آ رہے تھے۔

حکیم عمر خیام نے ان علاقوں کی بھی سیاحت کی اور ایک دارالسلطنت سے دوسرے دارالسلطنت میں پہنچا اور پھر ہر جگہ کے تمدن۔ زبان اور علوم و فنون کا گہری اور عالمانہ نظر سے مطالعہ کیا ہر گاؤں اور موضع کے باکمالوں اور اہل حرفہ و علما سے ملے بغیر آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عمر خیام کا علم کس قدر پختہ، رائے کیسی صائب ہے اور اس کی تعلیمات، تاثرات و مشاہدات جس کا مرقع یہ رباعیات ہیں کیسا زبردست مجتہدانہ پندار و وقار اپنے میں لئے ہوئے

ہے۔

حکیم عمر خیام کا مولد و مسکن

عمر خیام کی پیدائش نیشاپور میں ہوئی۔ یہی اس کا وطن مالوف تھا۔ جس کو غیرفانی شہرت خیام کے طفیل نصیب ہوئی۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ نیشاپور کی گلیوں میں گذرا۔ اب اس شہر کو ایک اجڑا دیار کہنا چاہیئے۔ وہ شان و رونق کہاں صرف ۴۰ ہزار کی ایک معمولی انسانی آبادی ہے۔ ابھی تک یہ تجارت کا مرکز ہے لیکن گیارہویں صدی عیسوی میں یہ ایک بڑھتی ہوئی سلطنت کا پایۂ تخت و مرکز تھا۔ دولت و حشمت، علوم و فنون اور رونق و شان کے جلوے و مظاہرے جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ نیشاپور اس زمانہ میں نہ صرف تجارت کا مرکز تھا بلکہ پہاڑی پیداوار اور فصلوں بالخصوص روئی کی پیداوار کی وجہ سے بھی مشہور تھا۔ اسکا خطہ نہایت شاداب و دلفریب تھا اردگرد کے میدانوں کے خوبصورت سبزہ پوش پہاڑوں کے حلقے دور دور تک چلے گئے تھے۔ اور مناظر نہایت درجہ خوبصورت و دلنواز تھے۔ نیشاپور کے گھر گھر میں خوشحالی اور فراوانی تھی۔ بالعموم گھر کا بنا ہوا کپڑا شالیں اور کمبل وغیرہ استعمال میں آتے تھے۔ قالینیں گھروں میں ہر جگہ بنے جاتے تھے۔ غرض نیشاپور تمام فارس میں سب سے زیادہ خوبصورت شہر تھا۔ شہر میں اونچی اونچی عمارتیں، عالیشان محلات۔ سرکاری دفاتر۔ خود عمر خیام کی تجربہ گاہ اس کا ذاتی کالج اور سینکڑوں مساجد و مقابر و مدارس تھے۔ ایک عظیم الشان یونیورسٹی بھی تھی جس میں فلسفہ۔ ہیئت، ادب، دینیات، طبیعات وغیرہ کے شعبوں میں اعلیٰ اُستاد تعلیم دیتے تھے۔

نظام الملک نے ایک بڑی زبردست رصدگاہ بھی بنا دی تھی جس میں عمر خیام بیٹھا ہوا ہیئت کا ریسرچ کرتا رہتا تھا۔

عمر خیام کی علمیت

عمر خیام جوں جوں اپنی زندگی کے مدارج طے کرتا رہا، شہرت، عزت، توقیر، اور علمی وصف ترقی کرتے چلے گئے۔ اس کے معاصرین نے بالآخر یہ محسوس کرلیا کہ عمر خیام کی اتنی عزت و وقعت شہرت و ناموری اور ہر دلعزیزی محض اسکی

ذاتی قابلیت، خداداد ذہانت، علمیت اور فنی خوش نصیبی سے ہی عمر خیام نے فلسفہ کا بڑا عمیق مطالعہ کیا۔ منطق اور اصول فلسفہ کو خوب پڑھا، دینیات کا گہرا مطالعہ کیا، اور اس کے بعد وہ خالص سائنٹیفک ریسرچ میں لگ گیا۔ ہیئت سے چونکہ اسے دلی لگاؤ تھا۔ ریاضی اس کے دل کی کوہتی اس لئے آخر وقت تک وہ ان محبوب مشاغل سے جدا نہ ہوسکا اسکی انتھک علمی تحقیق و تدقیق اور ریاضی و ہیئت کی اس لاجواب و بےمثل ریسرچ کی وجہ تھی کہ وہ اس زمانہ میں ناموری اور علمی اعزاز کے معراج پر پہنچ گیا۔

عمر خیام کا سب سے بڑا کارنامہ یونانی کلینڈر کی درستی ہے۔ الجبرا و دیگر فنون ہندسہ میں بھی اس نے وہ تحقیق کی کہ اسے ان علوم کا بجا طور پر امام سمجھا جاتا ہے اور بلاریب وہ اس کا مستحق بھی ہے۔

کلینڈر کی درستی

سلطان ملک شاہ کو تقویم جاریہ سے اطمینان نہ تھا اسے کاروبار سلطنت میں بڑی دقتیں پیش آتی تھیں۔ اس لئے اسنے اپنے عہد کے سب سے بڑے ہیئت داں کو اپنے پاس بلا لیا اور اس سے کلنڈر کی درستی کے لئے درخواست کی چنانچہ خیام نے جو جلالی تقویم" تیار کی تھی وہ اس وقت دنیا کی بہترین تقویم مانی گئی تھی اور اس وقت بھی اس کے اصول کو قدیم ہیئت کے معجزہ کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔ عمر خیام کی ہیئت دانی کا لوہا اس کے مشہور نکتہ چیں ابن القطفی نے بھی مانا ہے چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے کہ "دنیا نے ایسا ریاضی و ہیئت کا ماہر پیدا نہیں کیا،، (تفصیلات آگے ملاحظہ کیجئے)

عمر خیام کی تصنیفات

عمر خیام کی تمام زندگی ہیئت، ریاضی اور شعر گوئی میں ختم ہوگئی۔ معلوم ہوا ہے کہ عمر خیام نے دس کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں تین کتابیں علوم طبیعات سے متعلق ہیں۔ چار ریاضی کے شعبوں کے متعلق ہیں اور دو فلسفہ پر ہیں۔ اور ایک کتاب اشعار کی ایک نہایت لطیف و منزہ بیاض یا رسالہ کی شکل میں تھی۔ ان تمام تحریروں میں سے صرف تین کتابیں ہمارے زمانہ تک پہنچی ہیں۔ ایک چیز تو اس کا دستی مسودہ ہے جو اقلیدس کے مشکل مقامات کی

تشریح پر اُس نے تحریر کیا تھا۔ دوسری کتاب الجبرا پر ہے۔
یہ عمر خیام ہی تھا جس نے الجبرا میں ایک نہایت زبردست اجتہاد کیا تھا یعنی "مساوی رقوم اربعہ" کا استعمال۔
تیسری تصنیف اُن رباعیات کا مجموعہ ہے جس پر موجودہ عہد میں اس کی شہرت وناموری کا فلک بوس محل تعمیر ہوا ہے۔
اس عہد میں عمر خیام کی رباعیات کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جو اس کے ریاضی کے مسائل اور ہیئت دانی کو ہوئی۔ اس وقت لوگ عمر خیام کے نام کو رباعیات کی وابستگی سے نہیں بلکہ ایک عالم فلسفی ایک بےمثل ہیئت داں اور لاجواب ریاضی داں کی حیثیت سے جانتے تھے۔ امتداد زمانہ سے سائنس کی گراں مایہ تصانیف اس کی لطیف عقدہ کُش اور شارحِ حیات رباعیات کی شہرت کے نیچے دب گئی ہیں۔

عمر خیام کا کردار

حکیم عمر خیام ایک سائنسداں ہی نہ تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ وہ صاحب دل اور اہل ذوق بھی تھا۔ شعریت سینہ میں لیئے پھرتا تھا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس شعریت سے مزا لیتا تھا۔

عمر خیام کے کردار پر حکیم ابن سینا کا بڑا اثر ہے۔ حکیم اعظم ایک زبردست فلسفی اور سائنس داں تھا۔ جس کی ریسرچ اور علمی کاوشوں کا آج بھی دنیا لوہا مان رہی ہے۔ حکیم عمر خیام کی زندگی پر اثر انداز ہونے والی اگر کوئی شے تھی تو وہ حکیم ابن سینا کی لائف تھی۔ حکیم ابن سینا حکیم عمر خیام کی عمر کے لگ بھگ بھی تھا۔ وہ ۹۸۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ گو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ خالص علمی کاموں اور فلسفہ و طب کی بال کی کھال نکالنے میں صرف کر دی۔ سیاسیات اور امور ملکی و دنیاوی ساز باز و معاملات میں بھی بڑا دخل دیتا اور درک رکھتا تھا۔ حکیم ابن سینا سائنس اور سیاست کی جس چیز سے محبت کرتا تھا وہ شراب اور عورت تھی۔ شعریت کے تمام لوازمات حاصل ہونے اور ایک حساس طبیعت کا مالک ہونے کی وجہ سے ان کے اشعار بھی ایک نہایت دلفریب تڑپ اپنے اندر ابھار رکھتے ہیں۔ جب خشک علمی مسائل کی تگ و دو سے تنگ آجاتا تھا تو شعر و شعریت میں ڈوب جاتا تھا۔

حکیم ابن سینا کی زندگی اور حکیم عمر خیام کی زندگی و کردار کی موزونیت ہم آہنگی و باہمی رابطہ نسیم کی کیفیات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے اشعار جو معیار و خیالات ہیں ہم آہنگ نظر آتے ہیں بلکہ حکیم عمر خیام کی بعض رباعیات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حکیم ابن سینا کی ہیں اور بعد میں مسودات کی نقل در نقل ہوتے ہوتے وہ اصل متن میں جگہ پا گئی ہیں۔ مگر دونوں کے نظریے کی مماثلت اور موزونیت و یکسانیت جذبات و حسیات داد خواہ ہیں۔

حکیم ابن سینا اور حکیم عمر خیام دونوں بڑے پکے عقل پرست اور آزاد خیال متفکر تھے کسی رسمی مذہب و مسلک سے وابستہ نہ تھے صوفی مشرب، شعریت مآب

مفکر و سائنس داں تھے۔ جنہیں دنیا کے تمام مذاہب سے الفت بھی تھی نفرت بھی تھی۔ حکیم ابن سینا کو انسان کی اخلاقی سطح و بلندی و عادات منزہ کا بڑا خیال رہتا تھا اور ان کا بڑا پابند تھا کہ اس اصول اخلاق کو خود عمر خیام بھی نہایت اچھی طرح جانتا تھا اور ان پر عامل تھا۔

الف لیلہ کے اولین مترجم ڈاکٹر برٹن ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ حکیم ابن سینا اور حکیم عمر خیام کی رباعیات کی ایک خصوصیت جو ان کے کردار پر ایک دلچسپ روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ عام رواج اور تمدن کے خلاف ان کی رباعیات میں محبت و الفت کا خطاب امرد کی بجائے عورت سے ہے۔ جیسا کہ تمام دنیا کی شاعری میں ہے۔ ایرانی امرد پرستی اور خطاب کا انداز گو لٹریری حیثیت سے ایک روایت اور رسم بن گئی مگر اس نے رفتہ رفتہ ایک مستقل قومی پندار و تمدن کی افسوسناک شکل اختیار کر لی شاعری کا قوموں کی حیات و نفسیات پر لازمی اثر مترتب ہوتا ہے وہ اس انداز خطاب سے بالآخر ایران میں پیدا کر دیا۔ اس کی تاویل و حمایت میں خواہ کیسا ہی انداز استدلال اختیار کیا جائے واقعہ یہ ہے کہ اس عجیب و غریب شاعری کا وجود بالکل نرالا ہے جس کا خطاب کسی بے ریش و بروو لڑکے سے ہو اور عورت سے نہ ہو۔

حکیم عمر خیام کا کردار اور اس کی رباعیات اس امرد پرستی اور امرد خطابی سے واقعی پاک ہیں اور وہ اس وادی پر خار میں علحدہ راہ رو نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیام کی رباعیات کے یورپین اپیل میں اس نے بڑی مدد دی۔ اگر امرد خطابی ہوتی تو یورپ اس قدر جلد اُسے لبیک نہ کہہ سکتا۔

حکیم عمر خیام کے کردار کا ایک نہایت اہم و قابل لحاظ پہلو جو اس کی رباعیات سے متشرح ہے یہ ہے کہ وہ ریاکار نہیں ہے اس لئے وہ جھوٹے خرقہ پوشوں اور مذہب کے مفروضہ ٹھیکہ داروں کے خلاف جس بیباکی اور رندانہ پرستی کے ساتھ کہہ جاتا ہے وہ اس کی والہانہ صوفی مشربی اور مجتہدانہ شان پر دال ہے۔ ریاکاری اور مے پرستی، رندی کے جواہر جابجا اس کی رباعیات میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اُسے ریاکارانہ زندگی خرقہ پوشوں اور جھوٹے مذہب پرستوں سے جو رندوں اور شرابیوں کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں۔ سخت نفرت ہے اور وہ اپنی پرجوش

رباعیات میں ان ریاکاروں کی خوب خبر لیتا ہے۔
ایک فرانسیسی پروفیسر کیا خوب بات کہتا ہے کہ ریاکاری دجل و فریب اور خودستائی وغیرہ کے خلاف اس کا یہ پندار غالباً ریاضی داں ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ریاضی کے سوا دنیا میں کوئی علم نہیں ہے جس میں ریاکاری و دجل فریب نہ ہو۔ ریاضی کے برابر کوئی سچا بے لاگ اور معین و ثابت فلسفہ و سائنس نہیں ہے۔ جو شخص ریاضی کی منطق و نفسیات کا حامل ہو وہ دنیا کی ہر شے میں ریاکاری اور دجل و فریب سے الگ رہیگا۔ چنانچہ حکیم عمر خیام میں دنیا کی ہر چیز کو ریاضی کے معین اصول کی طرح بے پرکھنے کی جو عادت پڑ گئی تھی اس سے اس کا نصب العین اور آئیڈیل نہایت صاف اور بیباک ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ہر شے کی ریاکارانہ نوعیتوں کو بے نقاب کر دیا۔ جو اس کی رباعیات میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

عمر خیام مذہبی نقطۂ نظر سے

مورخ اسلام جناب مولینا عبدالرزاق صاحب کانپوری شہرۂ آفاق مصنف ("البرامکہ") اس باب میں نہایت صائب رائے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نظام الملک طوسی حصہ دوم ذکر عمر خیام صفحہ ۲۸۳ :-

" خیام کی رباعیات سے اس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک وہ طبقۂ صوفیائے کرام میں داخل ہے اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے بہرحال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے اور محض ظاہری الفاظ کی بناء پر قطعی حکم دیدینا وضع الشئی فی غیر محلہٖ کا مصداق ہے۔

عموماً متصوفین اور شعراء ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں جنکو راز و نیاز کی باتیں کہنا چاہیئے۔ مگر علمائے شریعت انہی الفاظ کی بناء پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازیؒ مولانا رومیؒ مولانا عطارؒ وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں اور اگر محض ساقی، شراب کی صراحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہے تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں کیونکہ مشرقی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین مونگ کی اُبالی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے لقمۂ تر کی طرح خوشگوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر

کھاتے ہیں۔

شراب اور اس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں اور چونکہ عمر خیام بھی شاعر ہے لہٰذا اس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اوّل ذیل کی رباعیاں پڑھو پھر عمر خیام اور اس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے:۔

می میخورم و مخالفان از چپ و راست   گویند مخور با دا کہ دین را اعداست
چون دانستم کہ می عدوئے دین است   واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

فصل گل و طرف جوئبار و لب کشت   با یک دو سہ اہل و لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح بادہ نوشان صبوح   آسودہ ز مسجد و فارغ ز کنشت

مے گرچہ حرام است و لے تاکہ خورد   آنگاہ چہ مقدار و دگر با کہ خورد
ہر گاہ کہ این سہ شرط شد راست بگو   پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

اصل میں حکیم عمر خیام صوفی مذہب ہے۔ موحد ہے۔ رسالت کی تصدیق کرتا ہے حشر و نشر کا قائل ہے عذاب و ثواب کو جانتا ہے۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے خدائے معافی کا طالب ہے اور اس کو عالم الغیب جانتا ہے۔ احکام قضا و قدر کا قائل ہے اور یہی اصول مذہب کے اعضائے رئیسہ ہیں اور انہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہے۔ اور جب وہ ان سب کا قائل ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے!

حکیم عمر خیام کا فضل و کمال

صاحب نظام الملک طوسی کی رائے بالکل صائب ہے کہ فضل و کمال اور حکمت و فلسفہ کے ادراک و شعور میں حکیم بوعلی سینا اور ان کے ہم پلہ اگر کوئی شخص گذرا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے شیخ بوعلی سینا کو ایشیا و یورپ میں حکمت و فلسفہ کا بہترین استاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے سمجھا جا سکتا ہے کہ حکیم خیام کا پایہ علم و فلسفہ میں کسقدر بلند تصور کیا جاتا ہے۔

حکیم عمر خیام کی زندگی جامع کمالات تھی، زمانہ صدیوں کے انقلاب کے باوجود ایسی مکمل پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ حکیم عمر خیام کو علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑا درک تھا۔ فقہ۔ تفسیر۔ قرات۔ ادب۔ تاریخ۔ خاصکر نجوم اور ہیئت و فلکیات میں آپ کو امام وقت تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اس وقت بھی صاحب عقل و دانش اس رائے سے متفق نظر آتے ہیں۔

حکیم عمر خیام کی غیر معمولی ذہانت و طبیعت کی لطافت و ذوق تابی کی دو چار مثالیں اور فضل و حکمت کے ایک مشہور معیاری واقعہ کے اظہار سے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ حکیم عمر خیام کس قدر بڑا ادیب قابل فکر، بذلہ سنج فلسفی اور حکمت آموز ذہین و فطین انسان تھا۔

قرات

حکیم عمر خیام کی ذہانت و اعلیٰ دماغی جوہر کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا۔

ایکدفعہ شہاب الاسلام عبدالرزاق وزیر سلطان سنجر کے ہاں ایک صحبت علمیہ تھی۔ حضرت ابوالحسن غزالیؒ جو اس وقت فن قرأت کے امام تھے وہ بھی موجود تھے اتفاق سے خیام بھی آگئے۔ وزیر عبدالرزاق نے حکیم عمر خیام کو دیکھتے ہی ایک نہایت لطیف فقرہ کہا:۔ (الخبیر سقطنا)

(یعنی واقف کار آگیا اب فیصلہ اسی کے ہاتھ سے ہوگا)

موضوع بحث حکیم عمر خیام کے سامنے بھی پیش کیا گیا۔ قراتِ سبعہ اور شواذ پر حکیم نے جس قدر عالمانہ و واقف کارانہ تقریر کی محفل دنگ رہ گئی۔ حکیم عمر خیام سے دنیا فلسفی، ہیئت داں، شاعر، ادیب، مفکر اور حکیم کی حیثیت سے واقف تھی لیکن قرائت پر اس قدر مجتہدانہ آگاہی کا پہلو جب پہلی بار ماہرین فن کی ایک محفل میں ظاہر ہوا تو علامہ غزالی بھی پھڑک اٹھے، کہنے لگے کہ حکما تو کس گنتی میں ہیں! قرا کو بھی یہ علمی معلومات اور فن کارانہ آگاہی حاصل نہیں۔ (شہرزوری ماخوذ از شعر العجم شبلی)

تفسیر

علامہ شبلی مندرجہ بالا مقام میں تفسیر دانی پر بھی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں حکیم عمر خیام اور قاضی عبد الرشید کی ملاقات ہو گئی۔ قاضی صاحب نے "معوذتین" کے معنی اور تکرار لفظی کی وجہ دریافت کی۔ حکیم خیام نے اس کے جواب میں جو مدلل اور بیساختہ و برجستہ تقریر کی ہے اور دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال و دلائل و شواہد جس تفصیل اور وسعت کے ساتھ بیان کئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مفسّر کی حیثیت سے بھی حکیم کی نگاہ کس قدر بلند ہو چکی تھی۔

ذہانت و فطانت

روایت ہے کہ ایک دفعہ اصفہان میں ایک کتاب حکیم عمر خیام کی نظر سے گذری کتاب نہایت نایاب تھی اور اُس کے بلند پایہ مضامین سے حکیم عمر خیام مستفید ہونا چاہتے تھے۔ دستیابی کی کوئی شکل نہ تھی۔ سات مرتبہ پے در پے اس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور واپس آئے تو تمام کتاب اول سے آخر تک زبانی لکھوا دی۔ اصل کتاب سے جب مقابلہ کیا گیا تو فرق نہایت معمولی تھا!

فلسفہ

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا حکیم عمر خیام کو فلاسفہ اسلام میں ایک بلند جگہ دی گئی ہے۔ شیخ بو علی سینا اور ابو نصر فارابی کی برابر انہیں جگہ دینے کے لئے لوگ تیار ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی حکمت آموز رباعیات اور جامع علوم و کمال زندگی کو دیکھنے سے ہم اُن کی ہمہ دانی اور فلسفہ دانی کے قائل ہو جاتے ہیں۔ گو حکیم خیام کو فلسفہ کی وجہ سے خاص شہرت و ناموری حاصل نہ ہونے پائی۔ البتہ جہاں تک

اس میں درک رکھنے اور موثر معلومات و بلند پایہ درجہ حاصل ہونے کا تعلق ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ حکمت و فلسفہ میں بھی امام تھا۔

شہر زوری تاریخ العلماء میں لکھتے ہیں :۔

کان تلو ابی علی فی اجزاء علوم الحکمۃ ۔

ترجمہ :۔ علوم و حکمت میں شیخ الرئیس کے قدم بقدم تھے۔

حضرت امام غزالیؒ سے مناظرہ

حکیم عمر خیام کی آزاد خیالی، آزاد نگاری اور علماء و فقہا کے گروہ سے جدا روش اور مجتہدانہ شان کا حال بیان ہو چکا ہے حکیم ممدوح کی آزاد منشی کا یہ اثر ہوا کہ خالص مذہبی اور خشک دینی گروہ حکیم کی فلسفیت اور نجوم پرستی و رندمشربی سے بیزار ہو گیا۔ اور ان کے خلاف مذہبی طبقہ میں ایک عام مخالفت پیدا ہو گئی۔ حکیم خیام کے ہمعصروں میں علامہ امام غزالیؒ علماء ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ ایک دن آپ " خاطر احباب " کے لئے حکیم عمر خیام سے مناظرہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے آتے ہی ایک نہایت فکر انگیز سوال کیا کہ۔

" جب آسمان کے تمام اجزاء متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزاء قطبین قرار پائے۔ "

حکیم عمر خیام نے سوال سنکر اپنی عادت کے مطابق (کیونکہ حکیم کو فلسفہ کے مسائل پر لب کشائی کرنے میں از حد تکلف ہوا کرتا تھا) کچھ دیر تامل کر کے جواب دیا کہ :۔

"میں اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب " عرائس النفائس " میں لکھ چکا ہوں "

مگر یہ جواب ایک سائل کے لئے کافی نہ تھا۔ لہذا خیام نے ابتدائی مراطب بیان کر کے اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ " حرکت عقولہ سے ہے۔ " اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز ظہر کی اذان ہو گئی اور بحث ہنوز ناتمام تھی۔ لیکن حضرت امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہو گئے کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

(سچ کی آمد سے جھوٹ فرار ہو گیا۔ سچ آنے سے جھوٹ فرار ہو جاتا ہے)

"نظام الملک طوسی جلد دوم صفحہ ۹۸ "

تحصیل زبان یونانی

حکیم عمر خیام کو علمی زبانیں سیکھنے کا بھی ملکہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُسے یونانی زبان بہت اچھی آتی تھی اور جس نے حکمت یونان تراجم کی مدد سے پڑھی ہو ان پر حکیم کو تب بھی بہت فوقیت رہتی ہے کیونکہ اس طرح حکیم کو اوّل درجہ کی معلومات براہ راست ملی تھیں۔

حکیم عمر خیام بحیثیت منجم و ہیئت داں

اپنے وقت میں حکیم ممدوح کو سب سے زیادہ جس چیز نے عزت و شہرت دی وہ انکی ہیئت و ریاضی دانی تھی اور واقعہ بھی یہ ہے کہ نجوم اور ہیئت کا وہ اس وقت بھی بے مثل استاد سمجھا جاتا ہے اور گو اس علم میں جدید تحقیقات و انکشافات سے نئی نئی راہیں نکل آئی ہیں اور منجمین قدیم کے بہت سے نظریے رد ہو چکے ہیں مگر عمر خیام کی تحقیقات اور اس کے پیش کردہ اصول و ہیئت کو اب بھی بہت بڑا درجہ دیا جاتا ہے اور لوگ اب بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

حکیم عمر خیام کو اس باب میں جس قدر درک اور شہرت حاصل تھی اس کا حال علامہ جلال الدین قفطی کی زبان سے سنیئے فرماتے ہیں کہ

وَکَانَ عَدِیْمُ الْقَرِیْنِ فِیْ عِلْمِ النُّجُوْمِ وَالْحِکْمَۃِ بِہٖ یَضْرِبُ الْمَثَلُ فِیْ ھٰذِہٖ الْاَنْوَاعُ

(ترجمہ) عمر خیام علوم نجوم اور فلسفہ میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اور ان علوم میں ضرب المثل تھا۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"حکیم عمر خیام نیشاپوری بسیار فاضل بودہ و در نجوم و احکام سر آمد روزگار خواہد بودہ۔"

حضرت نظامی عروضی سمرقندی جو خود بہت نہایت بلند فکر شاعر اور حکیم تھے اور عمر خیام کے شاگرد تھے لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے ملک شاہ سلطان الوقت کے دربار خلافت سے طلبی کا حکم آیا۔ اس نے منجمین سے ساعت دریافت کی تھی لیکن کئی دفعہ باصرار دریافت کرنے کے باوجود حسب منشاء ساعت نہ نکل سکی۔ دربار خلافت سے اس کے نکالنے کے لئے بار بار اصرار صادر ہوئے مگر کوئی حکمت اس کے نکالنے کی نہ نکلی اس کا چرچا سلطنت میں عام ہوا۔ لکھتے ہیں کہ غزنی کا ایک فال گو جو بالکل گمنام و بے حال آدمی تھا اور معمولی فال گوئی اور تعویذ گنڈوں کے ذریعہ معاش پیدا کرتا تھا ایک درباری غلام کی وساطت سے خلیفہ کی خدمت میں باریاب ہوا اور ساعت

بتا دینے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ اگر میں ساعت نہ بتا سکوں تو میری گردن اُڑا دی جائے۔ چنانچہ اس غزنوی فال گو نے ساعت نکالی اور ملک شاہ کو دیدی ملک شاہ نے اسی ساعت سفر کیا اور جب کامیاب واپس آیا تو منجمین کو بلا کر سخت باز پرس کی کہ ان کی بتائی ہوئی اور ایک معمولی فال گو کی بتائی ہوئی ساعت میں کیوں اشتباہ و افتراق پڑا اور وہ صحیح ساعت بتانے سے کیوں قاصر رہے وغیرہ۔ منجمین نے دست بستہ عرض کیا کہ یوں تو آپ ہر طرح مالک و مختار ہیں لیکن ہمارا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم نے جو تاریخ و ساعت نکالی تھی وہ قطعی درست تھی اور غزنوی فال گو کی نکالی ہوئی ساعت بالکل غلط تھی اور بددیانتی سے نکالی گئی تھی۔ اس ساعت سے کوئی منجم اتفاق نہیں کرتا۔ اگر رائے عالی ہو تو تمام کیفیت لکھکر خواجہ امام عمر خیام سے بھی دریافت فرما لیا جائے۔ چنانچہ ملک شاہ نے اس بات کا یقین کر لیا اور تحقیقات کرائی گئی تو یہ بات صحیح نکلی۔ غزنوی کو معقول سزا دی گئی اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت حکیم عمر خیام کو اس فن کا یکتائے روزگار سمجھا جاتا تھا یا نہیں۔ (چہار مقالہ نظامی ذکر منجم)

ایک مرتبہ بادشاہ نے شکار کو جانے کا قصد ظاہر کیا۔ سردی کا موسم تھا برف باری کا خدشہ تھا۔ بادشاہ نے امام صدرالدین محمد کے پاس مرد آدمی بھیجا کہ خیام سے بذریعہ نجوم کوئی ایسا دن متعین کرائیں جس میں برف و بارش کا خطرہ نہ ہو۔ حکیم عمر خیام نے تاریخ نکالی اور خود دربار میں حاضر ہو کر تاریخ مقرر کر دی۔ بادشاہ اس مقررہ تاریخ کو سیر و شکار کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ حکیم عمر خیام کو بھی جلو میں لے لیا اتفاق کی بات ہے کہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ ابر اُٹھا اور سخت بارش اور ساتھ ہی ساتھ برف باری ہونے لگی۔ سب لوگ عمر خیام کے غلط اندازے اور اس کی قابلیت پر حرف گیر ہوئے اور حکیم کی ہنسی اُڑائی گئی۔ بادشاہ نے واپس لوٹ آنیکا قصد کیا مگر حکیم عمر خیام نے باصرار کہا کہ توقف فرما کر ملاحظہ کیجئے۔ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ چنانچہ سب نے دیکھا کہ بارش جس طرح یکایک برسی تھی اسی طرح فوری طور پر بند ہو گئی۔ برف ختم ہو گئی اور پانچ یوم تک زمین پر ایک قطرہ تک بھی نہیں گرا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ احکام نجوم بتانے میں حکیم کا

اندازہ قوت استنباط کمال درجہ پہنچ گئی تھی۔

حکیم خیام اور اصلاح تقویم

حکیم عمر خیام کی ہیئت دانی اور اس کی زندگی کا ایک معرکۃ الآرا واقعہ اصلاح تقویم ہے۔ ایران میں اس سے قبل یزدگیری شمسی سنہ مروج تھا جس کے بارہ مہینوں کے نام جو چار موسموں پر تقسیم کئے جاتے تھے یہ ہیں:۔

(۱) فروردی فروردین
(۲) اُردی بہشت } بہار
(۳) خُرداد

(۴) تیر
(۵) امرداد } وسطی
(۶) شہریور

(۷) مہر
(۸) آبان } برگ ریز
(۹) آذر

(۱۰) دے
۱۱ بہمن } خزاں
۱۲ اسفندیار، اسفندارند

یہ سنہ فارسی قدیم زمانہ سے مروج تھا لیکن اس میں کئی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں یعنی سال اپنی فصلوں سے ہٹنے لگا تھا اور لوگوں کی شکایات بہت بڑھ گئی تھیں تقویم کی اصلاح کی ہر بادشاہ نے ضرورت محسوس کی تھی مگر ملک شاہ سلجوق کے علاوہ کسی نے اس طرف عملی قدم نہیں اُٹھایا۔ ۴۶۷ھ و ۱۰۷۴ء میں ملک شاہ نے تمام سلطنت کے بہترین منجم و ہیئت داں طلب کئے اور ایک کمیشن



دانی کہ چہ مدتیسب اے دلبرما۔ با ایں جہتے نر فتہ از برما
خود کس نفرستی و نپرسی ھرگز ۔ توبے تو چھا میگزرد بر سرما

Calcutta Art Press Delhi.

مقرر کر کے اصلاح تقویم پارسی کا کام سپرد کر دیا۔ اس تحقیقاتی کمیشن نے غور کیا کہ بہت سے برجوں کی تقسیم میں کسریں نکل آتی ہیں جو سال کی گردش میں فرق پیدا کرتی رہتی ہیں اور تقویم ناقص ہو جاتی ہے۔

شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ دقیقہ اور ۴۹،۶۲ ثانیہ کا ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ ان پر کسرات کا اضافہ نہ کیا جائے۔ حکیم عمر خیام کو بھی اس اصلاح میں شریک کیا گیا اور خیام کے نکتہ سنج دماغ نے اس ساری گڑبڑ کو دور کر دیا اور یہ ترکیب نکالی کہ سات مرتبہ ہر چوتھے سال اور آٹھویں مرتبہ پانچویں سال اسفندارمذ پر ایک ۳۶ ویں دن کا اور اضافہ کر دیا جایا کرے۔ چنانچہ اس رائے سے اتفاق کیا گیا اور اور ۱۰ مارچ ۱۰۷۹ء سے اس پر عملدرآمد شروع کر دیا گیا۔ اس سنہ کا نام جو اب تک سن یزدگردی تھا سنہ جلالی رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس سن جلالی کو اکبر اعظم کے وقت میں سنہ الٰہی کے نام سے چلایا گیا۔ اور اب بھی سلطنت آصفیہ میں اب تک خیام کی ہی تقویم جاری ہے۔ روضۃ الصفا سے پتہ چلتا ہے کہ ملک شاہ سلجوق کا لقب چونکہ جلال الدین معز الدین تھا اس لئے یہ سن اس عنوان سے مشہور و معلوم ہو گیا۔ یہ نام خود عمر خیام نے رکھا تھا اور اس کا نام "زیچ ملکشاہی" قرار دیا تھا۔

زیچ

زیچ کے متعلق صاحب "تتمام الماک طوسی"، صفحہ ۴۶۹ پر فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"زیچ معرب زیگ، رشتہ معماران کہ درستی و نادرستی عمارت بداں معلوم نمائند تختہ کہ منجمین طالع کسے از جداول آں معلوم نمائند۔ خفاجی میگوید کہ معرب زہ است (سیاد السبیل)"

زیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جن سے اوضاع کواکب، خطوط طول و عرض اور عقاید و حرکات مرکز کو ایک کا حال معلوم ہوتا ہے اور انہیں جدولوں سے اوج حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم (کیلنڈر) ہمیشہ زیچ کی مدد سے طیار ہوتی ہے چنانچہ زیچ ملک شاہی اسی قسم کی کتاب ہے اور اس کا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہے اور اس سے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد زیچ لکھے ہیں

جن میں مشہور تر یہ ہیں۔ اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔
زیچ۔ ابراہیم ابن حبیب الفزاری۔ زیچ۔ ابن حماد اندلسی، زیچ ابن اسمح ابوالقاسم اصبغ بن محمد غرناطی۔ زیچ۔ ابن الشاطر القاری دمشقی فلکی متوفی ۷۷۷ھ، زیچ ابن یونس ابوالحسن علی بن ابوسعید منجم متوفی ۳۹۹ھ۔ وغیرہ وغیرہ صدہا نام ہیں۔ پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہے اور جس کو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں اصل میں حکیم عمر خیام کا ٹھیک کیا ہوا کلنڈر ہے۔ خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہیئت کا اس وقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب ہم اس سنہ جلالی کا مقابلہ دنیا کے مشہور کلنڈر "گری گورین اول" سے مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ انگریزی سال میں ۵ کسر چار صدیوں میں نکلتی ہے وہ خیام نے ۳۳ برس میں نکال دی تھی اور برائے نام ہر روز میں ایک منٹ سے کچھ یوں ہی کم فرق پڑتا تھا اور اگر خیام آیندہ دورہ تک زندہ رہتا تو اس کسر کو بھی کسی نکتہ سے نکال دیتا۔ علمائے مشرق و مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ حکیم عمر خیام نے جو نظام مرتب کیا تھا بہ حیثیت انتظام اور صحت و تطبیق ہیئت کے پچھلے تمام سنوں کے حساب پر فائق ہے۔
یہ سنہ صرف چودہ برس ملک شاہ کی زندگی تک چلتا رہا۔
عمر خیام کو اس زبردست کارنامہ کے صلہ میں دربار ملک شاہی سے جس قدر انعام و اکرام ملا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔
کہا جاتا ہے کہ اسی سنہ (۴۶۷ھ) میں ملک شاہ نے ایک عظیم الشان رصدگاہ بھی لاکھوں روپے کے صرفہ سے تیار کرا کر حکیم عمر خیام کی سرکردگی میں چھوڑ دی تھی اور وہ دن رات اپنے فن کی ریسرچ میں وہاں لگا رہتا تھا۔

گری گورین اول

چونکہ پچھلی سطروں میں حکیم عمر خیام کی ہیئت دانی کے سلسلہ میں گری گورین اول کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق بھی چند سطریں لکھنی ضروری ہیں تاکہ صحیح اندازہ لگانے میں آسانی ہو۔
گری گوری نام تھا روما کے تیرہویں پوپ کا جس نے ۱۵۸۲ء میں

سب سے آخر سنہ میں انگریزی جنتری کی اصلاح کی گئی ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک بادشاہ کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثنائے روس اور یونان اب بھی تمام یورپ میں جاری ہے۔ اس سے قبل جو تقویم جاری تھی اس کو روم کے قیصر جولیس سیزر نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے چھیالیس برس پہلے منسوخ کرکے اپنی تقویم جاری کرائی تھی جس کا انگریزی میں نام جولین کلنڈر ہے۔

بعض علما کی رائے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے استفادہ کرکے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہے۔ رول یعنی قاعدہ۔ فارمولا۔

عمر خیام کی قدر و منزلت

حکیم عمر خیام ترمیم سنہ فارسی اور تکمیل رصدگاہ کے بعد بادشاہ نے بڑی قدر افزائی کی۔ جاگیردار بنائے جانے کے علاوہ ملک شاہ نے ندیموں کا درجہ دیا۔ سنجر اس کے لڑکے نے بھی حکیم عمر خیام کی عزت افزائی اور درباری اعزاز کو برقرار رکھا۔ ایک اور بادشاہ شمس الملوک خاقان بخارا بھی خیام کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتا تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ اور فاضل اجل بزرگ بھی رشک کرتا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اہل فن کے زمانہ بادشاہوں اور ہمعصروں میں کیسا مرتبہ و درجہ حاصل تھا۔

حکیم خیام کی روزمرہ زندگی

اس جلیل القدر حکیم و فاضل بزرگ کی خانگی زندگی کے متعلق ہم تک بہت کم صحیح حالات پہنچے ہیں۔ جو معلوم ہو سکے ہیں ان سے اس حقیقت کا دلچسپ انکشاف ہوتا ہے کہ عمر خیام نے تجرد کی زندگی بسر کی۔ کسی سے شادی نہیں کی اہل و عیال کے جھگڑوں سے قطعی علیحدہ ہو کر خالص علمی و ادبی شغف اور ریسرچ کا کام کرتا تھا۔ بھلا اہلی زندگی میں یہ فراغت کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔

روزمرہ کی زندگی نہایت خاموشی کے ساتھ گزارتا تھا۔ اپنے خاص ہم مذاق ہم چشم و ہم جماعت احباب کی صحبت کے علاوہ کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔ گو بادشاہوں کے کام آتا تھا اور ان سے ملتا جلتا تھا مگر اس زمانہ کے عام درباریوں سے ایک بالکل جداگانہ وقار طریقہ اس نے بادشاہوں سے ملنے کا نکالا تھا۔ دن کا زیادہ حصہ الجبرا کے سوال حل کرنے یا کواکب و نجوم کی گردشوں کے زائچہ اور بعد زمین و قطبین کی رفتار وغیرہ دریافت کرنے میں گزارتا تھا۔ رات کو ایک نہایت ہی بلند مینار پر کھڑے ہو کر ستارہ شماری کرتا تھا اور نوٹ تحریر کرتا جاتا تھا۔ صبح کو انہیں باقاعدہ و تلمیذ کرتا تھا۔ دوپہر کے بعد کھانا اور قیلولہ کرنے کے بعد خوشخطی اور خطاطی نقش نگاری کرتا تھا۔ شام کو احباب سے ملنے اور علمی مسائل پر گفتگو کرنے شعر و

شاعری کے چرچے میں گذارتا تھا۔ شب کو ساڑھے چار پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا۔

عادات نہایت خوش پسند تھیں بہت خلق و حلم کے ساتھ ملتا تھا۔ گو ملتا کم تھا مگر جس سے ملاقات ہو جاتی تھی اس سے وہ بستی قائم رکھتا تھا۔ عوام سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لئے بعض اوقات ایسی ایسی جگہوں پر جاتا تھا۔ جہاں اس جیسے آدمی کیا معنی کسی معزز شہری کے پہنچنے اور دیکھے جانے کا بھی امکان نہ ہوتا تھا۔ لیکن حیات انسانی کے گہرے مطالعہ اور عمیق مشاہدہ کے لئے اسے سب جگہ جانا پڑتا تھا اور اس میں بڑا خطرہ محسوس کرتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کی رباعیات زندگی کے ایک ایک نکتہ پر حاوی اور معاملات حیات پر ایک مکمل و غیر فانی بحث لئے ہوئے نظر آتی ہیں۔

حکیم عمر خیام کی وفات کا واقعہ

حکیم عمر خیام کی زندگی جس قدر غیر معمولی رنگ لئے ہوئے ہے اسی طرح واقعۂ وفات بھی حیرت انگیز ہے جس سے اس کی زندگی اور کیرکٹر پر ایک نہایت فکر انگیز روشنی پڑتی ہے۔ تاریخ الحکماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن حکیم عمر خیام شیخ الرئیس بو علی سینا کی کتاب "الشفا" پڑھ رہا تھا جب مسئلہ "وحدت و کثرت" سامنے آیا کتاب بند کر کے رکھدی اور طلائی خلال جس کو وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا اسی ورق پر رکھکر اٹھ بیٹھا۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ وصیت بھی کی اور شام تک کچھ نہ کھایا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر سجدہ میں گیا اور نہایت والہانہ ذوق کے ساتھ خدا کو پکارا۔ اَللّٰھُمَّ تَعْلَمُ اِنِّی عَرَفْتُكَ مَبْلَغَ اِمْكَانِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّ مَعْرِفَتِیْ اِیَّاكَ وَسِیْلَتِیْ اِلَیْكَ (خدایا میں جس قدر امکان رکھتا تھا اس کے مطابق تجھکو پہچان لیا اسی وسیلہ سے مجھے بخشدے) اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

اس واقعہ سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ حکیم عمر خیام کو خدا کے وجود باری تعالیٰ سے محبت اور والہانہ عقیدت و عبودیت کا احساس کس درجہ بلند و مضبوط تھا اور اس پر بیدینی الحاد و زندقہ کا جو الزام لگایا جاتا ہے

وہ اس کی زندگی کے واقعات سے کس قدر غلط ثابت ہوتا ہے
حکیم عمر خیام کی وفات پر عوام و خواص نے ماتم کیا۔ شعرا نے مرثیے لکھے۔ اور اس بے نظیر دماغ کو گورستان جسیرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔
گورستان جسیرہ میں جس زمانہ میں حکیم خیام دفن ہوا اس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چمنستان تھا۔ خیام کی قبر پر گلاب چھایا ہوا تھا اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑھتی تھیں۔

حکیم کی نجات کا فیصلہ

کہتے ہیں کہ خیام کی وفات کے بعد اس کی والدہ نے اسے خواب میں دیکھا پوچھا کہ خدا نے تیرے ساتھ اس جہان میں کیا سلوک کیا۔ خیام نے جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اس رباعی کے صلہ میں بخشدیا۔

اے سوختہ سوختہ سوختنی — اے آتش دوزخ ز تو افروختنی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن — حق را تو کنی برحمت آموختنی

حکیم عمر خیام پر کفر کا فتویٰ

حکیم آزاد منش مفکر، مسلک رندانہ اور تصوف پسند فلسفی و شاعر تھا اور مذہب کی تمام شرعی پابندیوں سے علیحدہ رہتا تھا۔ اور ہر کواکب شماری (یا پرستی) اور یونانی فلسفہ کے درس نے اس وقت کے علما و فقہا و ائمہ دینیات میں ایک سخت برہمی اس کے خلاف پیدا کر دی۔ تاریخ العلما و جمال الدین قفطی صفحہ نمبر ۱۶۲ پر درج ہے کہ اس پر کفر کا فتویٰ بالآخر لگا ہی دیا گیا اور اسے قتل کرنے کی تجویز پختہ ہو گئی۔ خیام لاچار وطن کو خیرباد کہکر مکہ معظمہ چلا گیا۔ اس جگہ مامون و مصئون رہنے کے بعد پھر بغداد آیا اور لوگوں کے مجبور کرنے پر پھر درس دینے لگا۔ پھر وطن آگیا۔ مگر یہاں کی حاسد جماعت نے اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔
عمر خیام کے کیرکٹر کی مضبوطی کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں گناہوں اور رندیوں کا جگہ جگہ اعتراف کرتا چلا جاتا ہے اور اپنی تمام کمزوریوں اور گناہوں پر محجوب ہے اور قدرا سے معافی کا خواستگار ہے۔ خرقہ پوشوں کی جھوٹی ملمع سازی ریاکاری اور ظاہری زہد و اتقا کا چونکہ اس نے دامن چاک

چاک کر دیا تھا۔ اس لئے ملک میں ہل چل مچ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک جماعت اپنے ناکام حاسدوں کی پیدا کر لی جس نے اُسے ہر پبلک اور درباری موقع پر سب وشتم سے مجروح کرنے کی کوشش کی مگر اس کی کوہ تنفار ہستی اور رندانہ بے نیازی اور اقبال جو بہ حماقتہائے آسمان کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہوا اور اس کی علمیت و شہرت ناموری اور اعزاز میں چند عارضی لمحوں کے علاوہ کبھی فرق نہیں آنے پایا۔ جس وقت اس کا انتقال ہوا ہے تمام ملک بلا استثناء رو رہا تھا۔ علما و فقہا اور ماہرین علوم شریعت کی جماعت بھی ایسے عالم کے اُٹھ جانے پر ماتم کناں تھی۔ بادشاہ سنجر اور امراء و نظام الملک شاگردوں کی ایک کثیر جماعت اور دیگر وابستگان و عوام چشم پُرنم تھے۔ جس سے اس کی ہر دلعزیزی اور عام محبت کا پتہ چلتا ہے۔

حکیم عمر خیام کا عہد

حکیم عمر خیام کے عہد کے آخری تیس سالوں کے متعلق اس وقت اس کے گرد و پیش کی جو حالت تھی اس پر ڈاکٹر ادوورتھ فیلڈ۔ بی۔ اے۔ آکسن نہایت خوب تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ اس طرح اپنا شذرہ ختم کرتے ہیں۔

> گذشتہ چار صدیوں سے اسلام علوم و فنون اور طاقت و شوکت پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اسلام کے ہاتھوں میں تمام دنیا کی کنجیاں تھیں اس کے آغوش میں مشرق و مغرب کی حکمت کے چراغ تھے۔ یہودیوں اور کلدانیوں کی پُر وقار یا جبروت حکومتیں فنا ہو چکی تھیں۔ شام کی دولت و ثروت کا نام و نشان باقی نہ تھا۔ یونان کی حکومت فرسودہ ہو چکی تھی۔ رومہ کی شان و منزلت منہدم ہو چکی تھی بازنطینی دبدبہ عرصہ ہوا خاموش ہو چکا تھا۔ عیسائی پادریوں کی ریاکاریاں طشت ازبام ہو کر عام بیداری کا خیال پیدا ہو چکی تھی۔ غرض تمدن عالم اور تہذیب سابقہ کی جملہ روایات نہ خزائن اب دجلہ و فرات کی وادی میں اسلام کے فن پرور آغوش میں آ چکی تھیں جب کہ یورپ پر بربریت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور مغرب بربروں کا گلہ تھا، ظالم امراء اور ان سے زیادہ وحشی و ظالم پادری قوت

لاموت وچھوٹے منہدم شدہ وقار کو برقرار رکھنے اور سنبھالنے کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے - ان کی تفریحات ہوس رانیوں اور خونی کھیلوں تک محدود تھیں اس وقت صرف اسلام کی یونیورسٹیاں علماء وطلباء سے پُر تھیں - ان کے پُر وقار بادشاہوں کے شوکت مآب محلات دنیا کی طمانیت و ثروت کا نمونہ تھے اور ان گھروں میں آرٹ اور فلسفہ کی پرورش ہو رہی تھی - یہ تھا وہ عہد جس میں عمر خیام اپنی خوشش فکر زندگی گذار گیا۔

اس کے بعد شمال سے تاتاری قبائل چنگیز خاں ظالم کی سرکردگی میں آئے اور خونریزی وتباہ کاری ساتھ لائے - اس کا مرثیہ حافظ نے رویا ہے اور دنیا آجتک بغداد کی تباہی پر روتی ہے۔

حکیم عمر خیام اور بو علی سینا جیسے باکمال جس عہد میں زندگی گذار رہے تھے اس وقت ایران اور عالم اسلامی کی کیا حالت تھی۔ حکیم کے گرد وپیش کیا حالات تھے اگر ان کی ذہنی ترقیات، تحریکات خیال اور اخلاقی معیار اور نظریہ حیات زمانہ نگاہ کیا تھا ان سب باتوں کا جاننا خیام کی زندگی اور اس کے فن کے سمجھنے کے لئے نہایت درجہ ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ایرانی تہذیب تمدن نے خالص عربی اسلامی تمدن پر کافی اثر پیدا کر لیا تھا اور ایک نیا امتزاجی تمدن کروٹیں لے رہا تھا - یہاں پر ہم اموی اور عباسی خاندانوں کی اجمالی تاریخ کا ذکر کے اس عہد کی ایک جھلک پیش کریں گے۔

پروفیسر عابد علی - ایم - اے لاہور اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں: - جبتک دمشق میں اموی خاندان برسر اقتدار رہا ان کے لئے خدا کی وحدانیت اور اس کی جباری و قہاری مذہب کا اصل الاصول تھا - ان کے لئے تاویلات و توجیہات بے معنی اشیاء تھیں - ان کے لئے عقل کا استدلال (مذہبی معاملات میں) کفر سے کم نہ تھا - ان کے تدبر کا اصول یہ تھا کہ خالص عربوں کی طاقت کو برقرار رکھا جائے - ایرانیوں کو وہ ایک کمزور قوم خیال کرتے تھے اور انہیں نفرت و

حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عرب سردار جو اپنے شجرۂ نسب پر مغرور تھے ان آدمیوں کے حسب و نسب کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیتے تھے اور انہیں مٹی کی ایک چٹکی سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔

ایرانیوں کی اعانت

جب اموی خاندان کا زوال ہوا۔ عباسیوں کا تمام اسلامی ایشیا میں اثر چھا گیا۔ گو اس میں شک نہیں کہ عربی درباری زبان دو صدیوں تک رہی اور انتظام مملکت و سیاست اور علم و عمل کی زبان بھی عربی ہی رہی۔ یہی وہ زبان تھی جس نے یونانی فلسفہ کی بجھی ہوئی چنگاری کو راکھ کے ڈھیر میں سے نکال لیا اور پھر اس کو ایک مشعل ہدایت بنا کر دنیا کو جلوہ گر کر دیا۔ یہی وہ اہم کام ہے جس کی وجہ سے عربوں کی شہرت کا سکہ چار دانگ عالم میں چل گیا۔ لیکن یونانی فلسفہ کے تراجم و تالیفات کا لکھنے والا قلم اور سوچنے والا دماغ ایران ہی تھا۔ عرب مصنف "صاحب الحریری" کی طرح بہت نادر الوجود تھے تاریخ لکھنے کا شوق بھی عربوں میں ایرانیوں ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوا۔ دربار عباسیہ کے حکام تحصیل فنون کی طرف جس شغف کے ساتھ راغب ہوئے شاید ہی کبھی کوئی اس طرح راغب ہوا ہو گا۔

ایرانی ذہنیت اور روح

قبل از اسلام ایرانیوں کے مذہبی قیاسات میں ایک دلفریب شک والے خاص قسم کا دینیاتی ذوق ملا جلا پایا جاتا تھا۔ وہ جب چاہتے تھے فطرت زمان و مکان کے رموز سلجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہمسایہ اقوام و ممالک کے فلسفہ اور خیالات و ذہنیت سے اچھی باتیں چن کر یہ اپنے معتقدات میں اضافہ کر لیا کرتے تھے۔ خراسان میں (جو بعد میں خیام کا مولد بھی بنا) ویدانت اور فلسفہ بدھ کے پیرو صدیوں سے وہاں موجود تھے۔ ایرانیوں کے دماغوں پر مایا کی کبھی نہ ختم ہونے والی صورتیں آواگون کے چکر میں اور ایک ازلی و ابدی حقیقت کا تصور اچھی طرح سے چھا گیا تھا۔

ادھر مغربی اثرات بھی اپنا کام کر رہے تھے جدید فلاطونی فلسفہ کے

کے اثرات نے آہستہ آہستہ ایرانی ذہنوں پر اثر اندازی شروع کی اور وحدت وجود و مشربِ مشہود کا میدان ہموار کر دیا۔ تدبر آفرینی ایرانی ذہنیت کے ساتھ ایک المیہ مزاج بھی پرورش پا رہا تھا جس نے بالآخر مانی اور مزدک مذہبی تحریکات کی صورت میں مظاہرہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب زرتشتی کی قدامت پسندی ہیں۔ اوستا کی امید افزا کیفیات بھی شامل تھیں مگر وہ زبردستی کی تھیں جو ایرانی فطرت کو یکسر بدلنے سے قاصر رہیں۔

اسلام کے بعد خراسان میں تناسخ اور وحدت الوجود کے اثرات نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اموی خاندان کی بربادی اور عباسی خاندان کے برسرِ اقتدار آجانے سے نہ صرف ایک نیا سیاسی دور پیدا ہو گیا۔ بلکہ ایک مذہبی روحانی اور معاشرتی انقلاب بھی پیدا ہو گیا۔ (بجائے ایک قائد و زعیم کی جگہ تختِ خلافت پر ایک ایسا شہنشاہ متمکن نظر آنے لگا جو عام اسلامیانِ عالم کا سردار و سلطان تصور کیا جاتا تھا اور جو خدا کا نائب بھی تھا اور جو تلوار کی مدد اور شاہانہ اقتدار کے ساتھ خدائی احکام کی تائید و ترویج کرتا تھا۔ اسلام جس کے رسولِ برحق نے شہنشاہیت کا بت توڑا تھا اور پیشہ ور مذہب پرستوں اور مذہبی پیشواؤں کی جماعت کا استیصال کیا تھا۔ اس ہی اسلام میں باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا تخت اور اقتدار حاصل کرنے لگا۔ لطف یہ ایرانی دل و دماغ کے لئے وحدت اور قدرتِ کاملہ کے تصورات کچھ بہت زیادہ طمانیت کش ثابت نہیں ہوئے اور ان کی روح ایران و ہندو تعلیمات کے زیر اثر ابھی ایک اور چیز کی متلاشی نظر آئی۔ ادھر شیعیت نے زور پکڑنا شروع کیا۔ امام خواہ پوشیدہ ہو یا نظروں کے سامنے ایرانیوں کے دل کو لگنے والی ایک محبوب چیز بن گئی اور حضرت علیؓ کی شخصیت کو اہمیت خاص حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس نئے مذہب کے اصول ایران سے باہر اور کہیں نہیں پھیلائے گئے لیکن یہ مذہب خلافت کے جملہ ارکان پر اثر ہو رہا تھا اور خالص عربی ذہنیات پر بھی قابلِ لحاظ نقش چھوڑ رہا تھا۔ خلیفہ مامون کے عہد میں ایرانی نبوت پورے شباب پر تھی اسے یونان کی اہم کتابوں کا ترجمہ

کرایا اور خلفائے عباسیہ تعلیمات و معاملات غور و فکر میں نہایت جوش و اجتہادی زور کے ساتھ شامل ہونے لگے۔

ایرانی تصوف

ادھر تو یہ مختلف الخیال مذاہب و افکار و تحریکات پیدا ہو رہی تھیں اور ادھر ایرانی تصوف نشو و نما پا رہا تھا۔ دسویں صدی میں منصور حلاج کو "انا الحق" کہنے پر ۱۳۔ مارچ ۹۲۳ء میں پھانسی کی سزا دی گئی۔

مابعد اسلام کے ایرانی تصوف کے تمام اصول و ضوابط تقریباً مکمل ہو چکے تھے۔ گیارہویں صدی میں اس کی حیرت انگیز ترقی ہوئی خدا تک پہنچنے کا راستہ "محبت" تھا اور مبتدی کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس رستہ کے چاروں مرحلوں کو طے کرے۔ اصول یہ قرار پایا کہ ازلی و ابدی نور کو دیکھنے کے لئے محبت کامل اور سرمدی سرشار کا راستہ متعین کیا گیا۔ عقل و مادیت کی رسائی دامن جلال تک نہیں ہو سکتی تھی صرف انسانی محبت کے ذریعہ عشق حقیقی کا صحیح وجدان پیدا کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجدان ادراک نور ازلی کے لئے کافی تھا۔ انسانی خوبصورتی خدائے تعالیٰ کے جمال کا آئینہ قرار پائی۔ صوفی کے نزدیک دنیا کی تمام اشیاء ناکارہ عارضی اور ہیچ قرار پائی اور دنیا کی کسی شے سے دلبستگی کا ہو جانا اس نور تک پہنچنے کی راہ میں ایک سنگ گراں تصور کیا جاتا تھا۔

اہلِ ایران کی قومیت

جب عمر خیام پیدا ہوا (۱۰۳۰ء کے قریب) سلطان محمود غزنوی کے انتقال کو تقریباً دس سال ہوئے تھے۔ وسط ایشیا ایک منتظم و متحد ایران ملک تھا زبان۔ تمدن اور معاشرت خالص ایرانی اور اپنے پورے شباب پر تھی ایران کی قوم پرستی اور حب الوطنی شہرۂ آفاق ہے۔

۱۰۴۲ء میں سلجوقی ترکوں نے سلطان محمود کے لڑکے اور جانشین مسعود کو تخت سے اُتار دیا اور خود ایران کے تخت پر جلوہ گر ہو گئے نظام الملک طوسی وزیر اعظم کے مشورہ سے فارسی زبان کو عروج ہوا اور اسلامی مذہب و

تمدن میں اس زبان کو زیادہ سے زیادہ وقعت حاصل ہونے لگی۔ ۱۰۵۵ء میں طغرل اصل معنوں میں فلسطین، عراق، شام، ایشیائے کوچک اور ایران متحدہ کا شہنشاہ ہو گیا۔ پچاس برس کی عمر ہو گی کہ حکیم عمر خیام نے اپنے چاروں طرف خالص ایرانیت کا پرچم لہراتا ہوا دیکھ لیا۔ گو بادشاہ ایک ترکی النسل سلطان تھا مگر جہاں تک ایرانی قومیت تمدن و زبان کا تعلق اور حکومت و سیاسیات ملک کا تقاضا تھا وہ سب ایرانی رنگ اختیار کر گیا تھا۔

عمر خیام اور یورپ

حکیم عمر خیام منجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں صدیوں سے مشہور رہے لیکن شاعری کے اعتبار سے اس کی شہرت کا احساس پہلی بار سترہویں صدی میں ہوا اور اٹھارویں و انیسویں صدی میں تو اس کا شہرہ خوب چمک اٹھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ نے عمر خیام کو جس قدر چمکایا اور اسے جس قدر شہرت دی اس کے گن گائے اور اس کی قدر افزائی کی۔ اور اپنے شعراء سے زیادہ جیسے ہر دلعزیزی اسے حاصل ہوئی مشرق کے کسی شاعر یا مصنف کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔

عمر خیام کی پرستش و ہر دلعزیزی کے نتیجہ کے طور پر لندن میں "عمر خیام کلب" قائم ہوا جو ہر سال اپنی روئداد شائع کرتا ہے۔ تقریباً ہر جگہ عمر خیام کی کلب کھل گئی ہیں۔ عمر خیام کے نام پر چیزوں اور لوگوں کے نام رکھے جا رہے ہیں لوگ اس کی تصویریں اپنے کمروں اور مکانات میں آویزاں کرتے ہیں۔ لاکٹ بنا کر سینے سے آویزاں رکھتے ہیں۔ اس کے نام پر جام صحت نوش کرتے ہیں۔ اس کی قبر پر سینکڑوں لوگ جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ علمی انجمنیں محض اس کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے قائم ہو چکی ہیں۔ غرض کہ علم دوست یورپ اس وقت مشرق کے سب سے بڑے فلاسفر حکیم عمر خیام کو آفتاب ادب بنا رہا ہے۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ ۱۸۴۶ء سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ لیکن فٹز جیرلڈ کے ترجمے نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا فٹز جیرلڈ کا ترجمہ دنیا میں بہترین تسلیم کیا گیا ہے اور اسے ہی تمام یورپ پڑھتا ہے ۱۸۵۹ء میں لندن کی کسی اشاعت گاہ نے پہلی بار اس کی پچھتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ بغیر مترجم کے نام کے شائع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے اس جوہر کی چمک کی طرف توجہ نہ کی اور کئی سال گزر گئے۔ دو سو جلدوں میں سے ایک جلد بھی شاید نہ بکی۔ آخر کار سیکنڈ ہینڈ (پرانی کتابوں) کے ڈھیر میں ملنے رکھ دیا گیا اور ایک ایک کاپی کی قیمت بجائے ۱۲ پیسے (پانچ شلنگ) صرف ارزاں ایک پینی)

رکھدی گئی تب بھی صرف پانچ خریدار اس جوہر گرانمایہ کے دستیاب ہوئے۔ یہ ہے عمر خیام کی رباعیات کی قدردانی کی ابتدا ان پانچ لوگوں کے نام یہ ہیں ڈانٹے گبر کیل رزیٹی - راٹسٹ، سر ریچرڈ برٹن - سون برن - پانچویں آدمی کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ان پانچوں نے مل کر عمر خیام کو اچھالنا شروع کیا۔ رسالوں میں مضمون لکھے اور اس کی شہرت ہونی شروع ہوئی۔

۱۸۶۸ء میں رباعیات کا ترجمہ دوبارہ شائع ہوا جس میں فٹز جیرلڈ نے خاص طور پر ترمیم و تنسیخ کی تھی۔ اب یہ نسخہ انگلستان سے نکل کر امریکہ بھی پہنچا اور عمر خیام کی شہرت کو بھی اب پر پرواز لگ گئے۔ ۱۸۷۲ء میں تیسری دفعہ اسکا ایک اور ایڈیشن شائع کیا گیا۔

۱۸۷۹ء میں چوتھا اڈیشن نکلا اور اب تو یہ حالت ہے کہ آئے دن سینکڑوں اڈیشن مختلف عنوانوں اور انداز ترتیب و سلیقہ طباعت کے ساتھ شائع ہوا ہے انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمنی، اسپینی وغیرہ زبانوں میں بھی تراجم ہو گئے ہیں ورنہ فٹز جیرلڈ صاحب کا انگریزی ترجمہ تو حد درجہ مستند و مشہور ہو گیا۔ جہاں انگریزی زبان بولی جاتی ہے وہاں بائبل اور شکسپیئر کے ساتھ فٹز جیرلڈ کا انگریزی ترجمہ رباعیات عمر خیام ضرور نظر آتا ہے۔ عمر خیام کی رباعیات کو مصور بھی شائع کیا گیا ہے آئے دن سینکڑوں تصاویر اس کی رباعیات کی نکلتی رہتی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور مصور عمر خیام کی رباعیات کے دو انگریز مصور ہیں۔ برن جونس اور ایڈمنڈ ڈیولک۔ ایڈمنڈ ڈیولک کی تصاویر میں خامیاں پائی جاتی ہیں مگر برن جونس اس کا بہترین مصور ہے ان دونوں مصوروں کی بنائی ہوئی رباعیات شائع ہو چکی ہیں جو نقش اور رنگ کا ایک ایک قیامت بداماں شاہکار ہیں۔ عمر خیام کی رباعیات کو مصور شائع کرنے کا التزام ہندوستان میں بھی ہو رہا ہے۔ بمبئی کا مشہور ہفتہ وار رسالہ السٹریٹڈ ویکلی ۱۹۳۸ء کے شہرۂ آفاق سالنامہ میں اس کی چھ رباعیات کا سیٹ شائع کر چکا ہے۔ اردو اخبارات و رسائل بنگالی گجراتی پرچوں میں بھی اس کی رباعیات کے نقش چھپ رہے ہیں۔

موجودہ نسخہ و شرح و حالات عمر خیام پر بسیط تبصرہ مع تصاویر

ملک میں ایک جدید ذوق خیام پسندی کا پیدا کرنے کے لئے پیش کیا جارہا ہے
امید ہے ادب دوست ہندوستان اس کی قدر کرے گا۔

تتمہ

اعلانِ استفادہ بہ اظہار شکریہ!

"عمر خیام اور اس کا عصر" (از انگریزی)
(ڈاکٹر اوڈوروتھ فیلڈ)

"نظام الملک طوسی" (اردو)
(از مولینا عبدالرزاق صاحب کانپوری مصنف البرامکہ)

"نظامی عروضی، چہار مقالہ" (فارسی)

"تاریخ ادبیات ایران" (انگریزی)
(پروفیسر براؤن)

"انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" (انگریزی)
(ذکر عمر خیام)

لندن یونیورسٹی میں موسم بہار کے ٹرم کا انگریزی لکچر
از سر ایڈورڈ ڈینی سن راس
صدر مدرس مدرسہ السنہ و علوم مشرقیہ لندن

مضمون اردو از پروفیسر عابد علی ایم، اے لاہور

"تھائس آن خیام"
پادری ارلکن بلاوذر

لے میں اینڈ اُومر خیام"
(مضمون انگریزی)

مائی لائف اینڈ خیام
(نیومین)

پیام خیام

حصّہ دوم

شرح رباعیات عمر خیام

از

علامہ ڈاکٹر سید سعید احمد صاحب بریلوی ایم ۔ بی ۔ ایس

باخذ حقوق اشاعت دائمی

پیرزادہ سید حسن انیس بقائی دہلوی

نے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بادۂ فلسفہ و حکمت کا متوالا خیام، ہاں ہاں وہی جام و صراحی والا خیام جس نے زندگی کے فلسفہ کو ہزاروں اور لاکھوں داناؤں کی بہ نسبت بہتر سمجھا ہے اور جس کا ایک ایک نعرۂ مستانہ آج بھی ہزار ہا فرزانوں کو دیوانہ بنا دیتا ہے اپنی زندگی میں اپنے فلسفہ اور کلام کی داد اگرچہ نہ پا سکا لیکن فارسی ادب کے صفحہ پر جو زرّیں نقوش اس نے چھوڑے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ کس مپرسی اور گمنامی کی حالت میں پڑے رہتے۔ زمانہ نے آخر ایسے قدر شناس جوہری پیدا کر ہی دیئے جن کی نگاہ میں اُس کی رباعیوں کا ایک ایک مصرعہ رُبع مسکون کی دولت سے زیادہ قیمتی ہے اور گو اپنی زیست کے زمانہ میں خیام لوگوں کا منظورِ نظر نہ بن سکا لیکن آج اس کی قبر کی خاک بڑے بڑے مبصرین کے لیئے طوطیائے چشم ہے۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جن کی عصبی اور دماغی کمزوری انہیں ہر چیز کا صرف تاریک ہی پہلو دکھایا کرتی ہے، اور جنھیں اِس دنیا کی کسی چیز میں نہ حظ حاصل ہوتا ہے نہ مسرّت، لیکن خیام ان تاریک بینوں میں سے نہیں ہے۔ وہ زندگی کا، اور نہ صرف زندگی کا بلکہ دنیا کی ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے کا عادی ہے اور اس کے کان نوحہ ماتم میں بھی نغمہ ہائے مسرّت کی دلکش صدائیں سُن لیتے ہیں۔ خدا کے ایک سچے پرستار کی طرح وہ خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرنا نہیں چاہتا اور زمانہ کی کج رفتاری اور دورِ گردوں کے انقلابات سے متاثر ہو کر اُسے رونا اور آنسو بہانا نہیں آتا، وہ ایک شاد و خنداں روح لے کر آیا تھا۔ اور اس کے فلسفہ میں رنج و غم بے معنی الفاظ ہیں، اپنی مستانہ نگاری میں وہ بسا اوقات عبد و معبود کے مراتب کے فرق اور امتیاز کو بھی نظر انداز کر جاتا ہے

لیکن اِس کا باعث یہ نہیں ہے کہ اس کے دل میں ذاتِ باری کا احترام نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بندہ و خالق کے تعلقات کو اس قدر اچھی طرح سمجھا ہے اور اس کی پدرانہ محبت پر اُسے اس قدر بھروسہ ہے کہ ایک شریر اور لاڈلے بچہ کی طرح وہ لبسا اوقات اس کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے کہ ادب و احترام کا مطلقاً خیال ہی نہیں رہتا۔ وہ ایک خدا کو ایک ایسا وجود نہیں سمجھتا کہ جس کے ڈر کے مارے لوگ ہر وقت لرزہ براندام رہیں۔ بلکہ وہ اُسے ایک ایسا سرچشمہ محبت خیال کرتا ہے کہ جس میں نفرت و عتاب اور غضب و عذاب کا نشان ہی نہیں ہے۔

عالمِ کیف و مستی میں محبت ایزدی سے سرشار ہو کر وہ کہتا ہے۔

گویند و بہشت و حورِ عین خواہد بود
وانجا مے ناب و انگبیں خواہد بود
گر ما مے و معشوق پرستیم رواست (۱)
چوں عاقبت کار ایں چنیں خواہد بود

ہم سے کہا جاتا ہے کہ عقبیٰ میں بہشت بھی ملے گی اور حوریں بھی ملیں گی، اور وہاں خالص شراب اور شہد بھی ملے گا تو پھر اگر ہم شب و روز مے و معشوق ہی سے کام رکھیں اور عیش پرستی کی داد دیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیونکہ بہرحال یہ تو وہی کام ہے جو ہمارا انجام کار ہے۔ اور جو ہمیں عقبیٰ میں پہنچ کر کرنا ہے۔

ایک ایسے آقا سے کہ جس کی شفقت اور محبت پر کامل اعتماد ہے اس کا ایک منہ چڑھا ہوا بندہ بھولا بنکر اور اس بات کو بالکل بھول کر کہ بہشت اور حورِ عین یا مے ناب اور انگبیں دنیا میں وہ کر احکام الٰہی بجا لانے کا صلہ ہے، یہ کہتا ہے کہ آخر جو طرز زندگی میرے لیے حضور نے مقرر فرمایا ہے اور جن مشغلوں میں مجھے آخر کار زندگی گزارنی ہے وہ میں ابھی سے کیوں نہ شروع کر دوں۔ گویا اس کام میں ابھی سے بڑے شوق و ذوق کے ساتھ مشغول ہو جانا کہ جو ہمارے لیے مقرر کر دیا گیا ہے اور بھی زیادہ مالک کی خوشنودیٔ مزاج کا باعث ہوگا، عیش پرستی اور بادہ خواری کے جواز کے لیے اس سے زیادہ خوبصورت دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی قسم کی گستاخانہ عبارت ایک اور رباعی میں کی گئی ہے۔

(۲)

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست
تاریک دلم نور صفائے تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی
ایں مزد بود لطف و عطائے تو کجاست

دیدہ دلیر اور شوخ چشم ایاز محمود کی محبت پر اعتماد کر کے پہلے تو اس پر اپنے دل کی آرزو ظاہر کرتا ہے کہ میں تیرا ایک گنہ گار غلام تیری رضامندی اور خوشنودیِ مزاج سے کیوں محروم ہوں اور میرے دل کے گھر میں اندھیرا پڑا ہوا ہے وہ تیرے نور کی روشنی کدھر ہے اس میں کیوں نہیں آتی، اتنا کہہ کر اور گویا اس طرح اپنے آقا اور مالک پر یہ ظاہر کر کے کہ میں تو صرف تیری رضامندی کا جویا ہوں اور میرے دل کو تو صرف تیرے جمال کے نور کی تمنا ہے، وہ شرارت اور خوش طبعی پر اترتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا یہ تو بتایئے کہ میں رات دن آپ کی بندگی اور فرمانبرداری کیا کروں اور اس کے بدلے میں حضور مجھے بہشت عطا فرمائیں تو اس کا نام عطا، اور بخشش کیوں ہے یہ تو کھلی ہوئی خرید و فروخت ہے۔ میں نے بندگی کی اور حضور نے اس کے عوض میں ایک جنت دیدی۔ اس خوبصورت اور دلکش انداز میں خیام نے یہ بات بھی ظاہر کردی کہ عبادت و ریاضت اگر صرف حور اور بہشت کی طمع میں کی جائے تو وہ ایک فضول سی چیز ہے۔ عبادت وہی ہے کہ جس میں کسی قسم کی کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو بلکہ خدا کو صرف اس لیئے پوجا جائے کہ وہ خدا ہے اور ہم اس لیئے اس کی پرستش کریں کہ ہم اس کے بندے ہیں۔

بظاہر جام و صراحی کا عاشقِ زار خیام فی الحقیقت عرفانِ الٰہی کی شراب کا مخمور و سرشار تھا، اور عالمِ کیف میں اس نے اس دنیا کے ایک ایک ذرہ میں ایسے ایسے عبرتناک مناظر دیکھے ہیں جو ظاہر بیں آنکھوں کو کسی طرح نظر نہیں آتے۔ کائنات اپنے رازہائے سربستہ کے دفتر کے دفتر اس کے سامنے کھول کر رکھ دیتی تھی اور اس کی دُور رس نگاہیں ایک ایک پتے کو حقیقت کی کتاب اور ایک ایک قطرہ کو معرفت کا بحرِ ذخار سمجھ کر ان سے درسِ عبرت لینے میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ زمین اور آسمان ایسی چیزیں ہیں جن پر ہر انسان کی ہر وقت نگاہ پڑتی رہتی ہے، لیکن ایسی خوش نصیب ہستیاں

کہتی ہیں جو ان عجائباتِ قدرت کی ایک معمولی فرش اور ایک معمولی سائبان سے زیادہ قدر کرتی ہوں، اور اس سے زیادہ انہیں کوئی اہمیت نہ دیتی ہوں، لیکن خیام کو قسامِ ازل کی بارگاہ سے ایک دقیقہ رس نگاہ اور ایک غور و فکر کا عادی دماغ ملا تھا اور وہ ان سطحی خیالات سے کسی طرح مطمئن نہ ہو سکتا تھا۔ اس نے آسمان کی حقیقت پر بھی غور کیا اور زمین کی گہرائیوں تک بھی نظر دوڑائی، اور بالآخر مستانہ وار جھوم کر پکار اُٹھا کہ :-

پیش از من و تو لیل و نہارے بودست
گردندہ فلک برائے کارے بودست (۳)
زنہار ازاں خاک قدم آہستہ نہی
کاں مردمک چشم نگارے بودست

یعنی زمانہ مجھ سے اور تم سے پہلے بھی موجود تھا اور اسی طرح رات اور دن ہوا کرتے تھے، یہی نہیں، بلکہ یہ آسمان بھی کسی مخصوص کام کے لیئے اسی طرح چکر لگاتا رہتا تھا، دیکھنا کہیں زمین پر زور سے قدم نہ رکھ دینا کیونکہ وہاں تو ایک ایک ذرہ خاک ایک ایک آنکھ ہے، اور آنکھ بھی کسی محبوب خوش جمال کی :-

مظاہر قدرت کی نیرنگیوں سے اور بہی شعرائے باکمال نے عبرت کے سبق لیئے ہیں سعدی کو درختوں کے ہرے ہرے پتے معرفت کردگار کے دفتر معلوم ہو گئے، اور غالب کو لالہ و گل میں وہ سب صورتیں نمایاں نظر آئیں جو خاک کے نیچے پنہاں ہو چکی تھیں، لیکن خیام کی نگاہ صرف تھوڑے سے پتوں تک یا تھوڑے سے پھولوں تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے فرشِ خاکی کا ایک ایک ذرہ چھان مارا اور ہر ہر ذرہ کے متعلق تحقیق کر لیا کہ وہ دراصل کسی پریوش کی آنکھ تھا۔ حسن و جمال اور فضل و کمال کا یہ عبرتناک انجام کہ بالآخر اسے خاک ہو کر لوگوں کی ٹھوکروں میں پامال ہونا پڑتا ہے یہ ایک ایسا عبرتناک سبق ہے کہ اس کے بعد کبر و غرور کا خیال بھی کسی کے دل میں نہیں آسکتا۔

خیام کی مسرور اور شادکام روح سے بظاہر یہ بات کسی قدر بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی چیزوں پر اس نقطہ نگاہ سے نظر ڈالے جو کسی حد تک مایوس کن اور الم افزا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام کا فلسفہ صرف یہی نہیں ہے کہ انسان

کو کبھی رنجیدہ اور غمگین نہ ہونا چاہیئے، اور رنج و مصیبت کو ایک عارضی اور اتفاقی کیفیت سمجھ کر ٹال دینا چاہیئے، بلکہ وہ ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ رنج کی طرح خوشیاں بھی عارضی ہیں اور تنگی و عسرت کی طرح خوشحالی و مسرت بھی بالکل بے حقیقت چیز ہے اور ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی انسان ناز کرے، وہ ہمیں مستی و سرور کا سبق اس لئے نہیں دیتا ہے کہ ہم آپے سے باہر ہوجائیں اور ابنائے جنس پر کسی قسم کی ذراسی فوقیت حاصل ہوجانے پر اترائیں۔ بلکہ اس کا فلسفہ تو یہ ہے کہ ہم نہ تو رنج و غم سے اثر پذیر ہوں اور نہ دولت و مسرت سے، حسرت و ناکامی ہمیں پژمردہ و افسردہ نہ کرے اور عیش و کامرانی ہمیں نخوت و پندار پر مائل نہ کرنے پائے۔ وہ موت اور فنا کی تباہ خیزیوں پر نظر بھی ڈالتا ہے اور اُن سے اثرات بھی قبول کرتا ہے۔ لیکن یہ اثرات اسے ملول و محزوں نہیں بناتے بلکہ وہ ان سے یہ سبق لیتا ہے کہ جب انجام یہ ہے تو پھر عیش و پر غرور کیسا!

حسن کے انجام سے اس کی اثر پذیری آپ دیکھ چکے، اب دولت و حکومت کے خزانوں سے جو حکمت و موعظت کے جواہر بے بہا اس نے نکالے ہیں انہیں بھی ملاحظہ کر لیجیئے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

آں قصر کہ بہرام درو جام گرفت
روبہ بچہ کرد و شیر آرام گرفت (۴)
بہرام کہ گور می گرفتے دائم
امروز نگر کہ گور بہرام گرفت

یعنی وہ شاہی محل کہ جس میں ایران جیسی زبردست سلطنت کا فرمانروا بہرام عیش اڑایا کرتا تھا اور شرابیں پیا کرتا تھا، اب انقلاب زمانہ نے اُسے لومڑیوں اور شیروں کے حوالے کر دیا کہ وہ اُس میں بچے دیں اور آرام کریں، اور وہی بہرام جو گورخر کا شکار کرنے کی وجہ سے بہرام گور کے نام سے مشہور ہوگیا ہے اب بجائے اس کے کہ وہ گورخر کو پکڑے خود اُسے گور یعنی قبر نے گرفتار کر لیا ہے۔ ایک قصر شاہی کی یہ بے قدری کہ اس میں جنگلی درندے اپنے بھٹ بنالیں اور ایک ایسے عظیم الشان بادشاہ کی یہ بیکسی اور بیچارگی کہ وہ دو گز زمین کے اندر پڑا ہوا ہے جہاں کروٹ تک بدلنے کی گنجائش

نہیں ایسا معمولی سبق نہیں ہے جسے بآسانی بھلایا جا سکے۔ اسی مضمون کو بہت سے شعراء نے لکھا ہے، اور حق یہ ہے کہ بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھا ہے۔ لیکن آیۂ کریمہ فاعتبروا یا اولی الابصار کی تشریح و تفسیر میں جہاں دوسرے شعراء کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے وہاں خیام کی اس چھوٹی سی رباعی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اگر ناانصافی نہ کی جائے تو اس موضوع کی تمام نظموں میں اسے اچھی خاصی ممتاز جگہ مل سکتی ہے۔

اس جبر و استبداد کے دور میں کہ جب تنِ تنہا ایک شخص اپنے سر پر تاج رکھ لینے کے بعد اپنے تمام ملک کے باشندوں کی جان اور مال کا مالک بن جایا کرتا تھا، اور جب بادشاہوں کا ایک اشارۂ چشم صدہا گردنوں کو بے سر اور ہزارہا جسموں کو بے جان کر دیا کرتا تھا لوگوں کو آزاد زندگی بسر کرنے کی تلقین کرنی کوئی آسان کام نہ تھا۔ لوگوں کی ذہنیتیں اس درجہ بگڑ چکی تھیں کہ سعدی جیسا واعظ قوم بھی لوگوں کو یہی مشورہ دینے پر مجبور ہوا کہ:-

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں

یعنی اگر بادشاہ دن کے وقت یہ کہے کہ یہ تو رات ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ فوراً یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضور والا وہ دیکھئے چاند ہے اور وہ تارے کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے زمانہ میں کس کی ہمت تھی کہ جو اپنے ہم قوموں کو آزادی جیسی نعمت کا ذکر کر کے اس کا شوق دلاتا، اور انہیں سمجھاتا کہ غلامی کے قورمے اور بریانی سے آزادی کی چٹنی روٹی بہتر ہے۔ لیکن خیام خدا کی نعمتوں کی سچی قدر کرنے والا خیام نہ تاج و تخت سے مرعوب ہوا اور نہ دار و رسن کا خوف اسے حق گوئی سے باز رکھ سکا اس نے کہا اور ببانگِ بلند کہا:-

دردہر ہر آنکہ نیم نانے دارد
وز بہر نشست آشیانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد (۵)

یعنی اس دنیا میں جس کسی کے پاس کھانے کے لئے آدھی روٹی اور سر چھپانے

کے لیے کوئی ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا موجود ہو اور وہ اتنا خوش نصیب بھی ہو کہ تو اُسے کسی کی غلامی کرنی پڑے اور نہ خود اس کا کوئی غلام ہو تو اس سے کہدو کہ تیری زندگی بڑی کامیاب ہے اور تجھے دنیا کا اصلی اور حقیقی عیش میسر ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں نے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور لوگوں کو بتایا ہے کہ زندگی وہی ہے جو آزادی میں گذرے۔ لیکن مغرب کے خود غرض فلاسفر اور ان کے نفس پرست مریدوں نے اس مسئلہ کو اسی حد تک سمجھا اور قبول کیا کہ جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق تھا۔ اُنھوں نے ہمیشہ آزادی کو اپنے لیے خدا کی سب سے بڑی نعمت خیال کیا۔ اور کبھی کسی حال میں بھی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ لیکن وہی لعنت اور وہی مصیبت جسے اپنے گلے میں ڈالنا وہ کسی طرح پسند نہ کرتے تھے دوسروں کے گلے میں ڈال دینے سے وہ ذرا بھی نہیں جھجکے۔ وہ خود تو کسی کے خادم نہ بنے لیکن دوسروں کے مخدوم بننے سے اُنہیں اُن کے کسی فلاسفر نے نہ روکا۔ مغرب کے فلاسفر نے اُنہیں یہ تو سمجھا دیا کہ تمھارے لیے غلامی سب سے بڑی لعنت ہے۔ لیکن یہ بات کبھی اس کے ذہن میں نہ آئی کہ دنیا کے دوسرے باشندے بھی تمھاری ہی طرح انسان ہیں اور جو چیز تمھارے لیے بُری ہے وہ دوسروں کے لیے بھی اتنی ہی خراب ہے۔ مشرق کا فلاسفر خیام اتنا تنگ ظرف نہ تھا اور اس نے جب یہ کہا کہ کسی کا غلام ہونا بُرا ہے تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جتا دیا کہ کسی دوسرے کو اپنا غلام بنانا بھی اتنا ہی بُرا ہے۔ اس کے نزدیک صحیح معنوں میں آزاد زندگی وہ ہے کہ انسان نہ کسی کا خادم ہو اور نہ مخدوم، اور یہی واقعہ بھی ہے، کیونکہ غرور، تشدد، اور ظلم مخدومی کا لوازمہ ہیں۔ اور جب تک مخدومی رہے گی دنیا ان لعنتوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔

خیام نے پھر اسی مسئلہ کو ایک نہایت دلکش اور خوشنما پیرایے میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:-

یک نان چو بہ دو روز شود حاصل مرد
وز کوزۂ بشکستہ دم آبے سرد
مامور کسے دگر چرا باید بود (۶)

یا خدمتِ چوں خودے چرا باید کرد

یعنی اگر انسان کو دو دن میں ایک روٹی کھانے کے لیئے، اور ایک ٹوٹی ہوئی صراحی سے ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پینے کے واسطے مل جایا کرے تو پھر اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کا محکوم بنے، اور کیوں وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی خدمت کرتا پھرے

خیام نے اس رباعی میں ایک باریک نکتہ یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ جو لوگ ہماری ہی طرح انسان ہیں اُن کی غلامی ہمارے لیئے زیبا نہیں ہے۔ بلکہ غلامی اس کی کرنی چاہیئے جو تمام انسانوں سے بڑھ کر کوئی دوسری ہی چیز ہے اور جس نے ایک انسان ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے وہی اصلی حاکم ہے اور ہمارے لیئے صرف اُسی کی محکومی جائز ہوسکتی ہے۔ کلام مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنِ الحکمُ اِلّا للہ یعنی خدا کے سوا حکومت اور کسی کی نہیں ہے اور حاکم حقیقی صرف وہی ذاتِ خداوندی ہے۔ اس رباعی میں خیام نے ضمناً گویا اس آیت کی بھی تفسیر کردی ہے۔ اور "خدمتِ چوں خودے چرا باید کرد" کہہ کر بتا دیا ہے کہ جو ہماری ہی طرح صرف انسان ہو اس کی محکومی اور غلامی قابلِ قبول نہ ہونی چاہیئے۔

خیام کے متعلق یہ غلط فہمی بہت عام ہے کہ اس نے جام و سبو اور صبوحی و ساغر کے سوا اور کچھ لکھا ہی نہیں ہے۔ لوگوں کا یہ خیال محض اس بات پر مبنی ہے کہ انہوں نے خیام کے کلام کا پورے طور پر مطالعہ نہیں کیا۔ اور ادھر اُدھر سے چند رباعیاں دیکھ کر یا سُن کر رائے قائم کرلی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کی رباعیات کا بیشتر حصہ آبِ آتشیں اور جامِ بلوریں ہی کے "ذکرِ خیر" سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان چیزوں کے سوا اور اس کے یہاں کچھ ہے ہی نہیں۔ خیام نے ہر قسم کے مضامین پر طبع آزمائی کی ہے، اور حق یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہے خوب ہی لکھا ہے۔ وحدت الوجود تصوف کا نازک ترین مسئلہ ہے، اور کون نہیں جانتا کہ صرف اسی ایک مسئلہ کو غلط طریقہ پر سمجھنے کی بدولت صدہا اور ہزارہا درویشانِ باصفا صراطِ مستقیم سے بہک گئے ہیں۔ شعرا میں سے تقریباً ہر ایک نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور اس عقدہ لاینحل کے سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ذیل کی رُباعی بتا دیگی کہ خیام نے اس مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کی اور نہ بیان کرنے میں

وہ کہتا ہے :-

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرف معمّا نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو (۷)
چوں برافتد نہ تو مانی و نہ من

یعنی ازل کے جو بھید ہیں وہ نہ تمہیں معلوم ہیں اور نہ مجھے ، اور مقدرات ازلی کے حروف جو ایک اچھا خاصا معمہ ہیں وہ نہ تم سے پڑھے جا سکتے ہیں اور نہ مجھ سے ، گویا خدا کی قدرت کے جو بھید ہیں وہ اسکی مخلوقات میں سے کسی پر بھی ظاہر نہیں ہیں ، اور دنیا میں کوئی بھی اس بھید کو نہیں جان سکتا کہ کل کیا تھا اور آج کیا ہے اور کل کیا ہونے والا ہے ، یہ میری اور تمھاری ، یعنی میرے نام سے اور تمھارے نام سے جو کچھ ذکر اذکار کئے جاتے ہیں اور میں ایسا ہوں یا تو ایسا ہے کہا جاتا ہے تو یہ تمام گفتگو پردے کے پیچھے سے کی جا رہی ہے اور تاروں کے اشارے پر کٹھ پتلیوں کی طرح تمام دنیا ناچ رہی ہے۔ اگر آج پردہ اٹھ جائے تو دنیا دیکھ لے گی کہ نہ تو رہا اور نہ میں ، اور میں اور تو اور وہ سب اس ایک ہستی میں جذب ہو گئے جس نے پردے کے پیچھے سے یہ سارے کھیل تماشے بنا رکھے تھے ، اور جس اشاروں پر یہ ساری کٹھ پتلیاں ناچ رہی تھیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ "میں اور تو" کا تمام جھگڑا قضیہ صرف اس وقت تک ہی ہے کہ جب تک عقل اور ادراک کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس پردے کے اٹھتے ہی یا معرفت الٰہی حاصل ہوتے ہی "من و تو" کا کہیں وجود نہیں رہتا۔ اور ہر چیز "ہو" ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک اور رباعی بھی ہے جس میں وہ ظاہر بینوں اور حواس خمسہ کے ذریعہ سے ذات باری کی معرفت کی کوشش کرنے والوں کو راہِ راست کی تعلیم دیتا ہے۔ رباعی یہ ہے :-

قومے متفکر اند در مذہب و دیں
جمعے متحیر اند در شک و یقیں (۸)
ناگاہ منادے برآمد ز کمیں

کاے بخبراں راہ نہ آنست ونہ ایں

وہ کہتا ہے کہ ایک قوم یا ایک گروہ اپنی تمام عقل اور اپنا تمام وقت دین ومذہب کے متعلق فکر کرنے میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے کہ جو ابھی تک خدا تعالیٰ کے وجود ہی کے متعلق شک اور یقین کا فیصلہ نہیں کر سکی ہے۔ اور اسی مسئلہ پر غور وفکر کرنے میں حیران ہے۔ لیکن ہوتا کیا ہے کہ کسی پوشیدہ جگہ سے ایک ندا کرنے والا یکایک نکل کر آتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ اے بیوقوفو، خدا کی طرف جانے والا راستہ نہ وہ ہے اور نہ یہ، گویا خیام یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو لوگ دین ومذہب کی حقیقتوں کو عقل کے ذریعہ سے سمجھ لینے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، اور جو لوگ عقلی دلائل کے ذریعہ سے واجب الوجود کا ثبوت چاہتے ہیں، وہ سب کے سب غلط راستہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ معرفت الٰہی اس طرح حاصل نہیں ہوا کرتی، کیونکہ ہماری عقلیں مخلوق ہیں اور مخلوق کے اندر خالق کی گنجائش محال ہے۔

وہ کہتا ہے کہ انہیں فکروں میں ان لوگوں کی عمریں ضائع ہو جاتی ہیں اور یکایک موت کا پیغام آجاتا ہے اور اس وقت ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ جو راستہ ہم نے اختیار کیا تھا وہ کعبہ کا نہ تھا بلکہ ترکستان کا تھا۔

ان زبردست دلائل کے ذریعہ سے خیام یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ خدا کے پہچاننے کے لئے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہوتی، اور ہر شخص جو سلیم الفطرت ہے طبعاً اس بات پر مجبور ہے کہ ایک ان دیکھی ہستی کو اپنا خالق، رزاق، اور مالک سمجھے۔ اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ انسان کی عقل بہت محدود ہے اور وہ اسرار ربانی کو اپنی عقل کے ذریعہ سے کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

خیام شراب پیتا ہو یا نہ پیتا ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس نے تقریباً اپنا تمام زور قلم اسی کی تعریف میں صرف کیا ہے اور ہر ممکن طریقے سے مے نوشی اور دائمی مدہوشی کی تلقین کی ہے۔ ہمیشہ خوش رہنا اور کبھی کسی تکلیف یا مصیبت کے اثر سے رنجیدہ نہ ہونا اس کے فلسفہ کا لب لباب ہے، اور وہ کسی حالت میں بھی اسکو پسند نہیں کرتا کہ کل کی مصیبت کے اندیشے سے آج کا عیش بھی تلخ کر لیا جائے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ آج جو عیش حاصل ہے اس سے تو پورا لطف اٹھایا ہی جائے اور

کہ اگر وہ مصیبت سے بدل جائے تو اس مصیبت کے زمانے کو بھی بدمستی و مدہوشی میں کاٹ دیا جائے۔ تاکہ دنیا کی یہ چند روزہ زندگی مسرت اور خوشی میں گذر سکے۔ وہ چھوٹے موٹے پیمانہ کی بجائے پوری کی پوری بوتل منھ سے لگا کر کہتا ہے کہ:۔

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما
کاے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ زمے
زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما (۹)

یعنی صبح ہی صبح ایک روز ہمارے میخانہ سے یہ آواز آئی کہ اے ہمارے مدہوش شرابی اور اے ہمارے دیوانے تو کہاں دنیا کے فضول جھگڑوں میں پھنسا ہے اُٹھ اور شراب سے پیالے بھر لے قبل اس کے کہ قضا و قدر تیری عمر ہی کا پیمانہ لبریز کردیں اور وہ چھلک جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہمیں بہت تھوڑا سا وقت گزارنا ہے اور ہر وقت موت کا کھٹکا لگا ہوا ہے ایسی حالت میں مناسب یہی ہے کہ رنج و غم اور فکر و اندیشہ میں زندگی گذارنے کے بدلے ہم اپنا تمام درد و الم بادۂ ناب کے ایک جام میں غرق کردیں اور جو تھوڑی سی فرصت حاصل ہے اُسے غنیمت سمجھ کر مسرت اور شادمانی میں گذار دیں۔

گر مے نخوری طعنہ مزن مستاں را
گر دست دہد توبہ کنم یزداں را
تو فخر بدیں کنی کہ من مے نخورم
صد کار کنی کہ مے غلام است آں را (۱۰)

کہتا ہے کہ اگر آپ شراب نہیں پیتے ہیں تو پینے والوں کو طعنہ نہ دیجئے موقعہ مل گیا تو ہم بھی خدا سے توبہ کرلیں گے۔ آپ کو اپنی اتنی خوبی پر ناز ہے کہ شراب کو آپ ہاتھ نہیں لگاتے لیکن آپ یہ تو دیکھئے کہ آپ کا دامن ایسے ایسے سینکڑوں گناہوں میں آلودہ ہے کہ جن کے مقابلہ میں شراب کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس رباعی میں خیام نے ان مکار صوفیوں اور دغاباز مولویوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو ظاہر میں تو تقدس کا جامہ پہنے رہتے ہیں اور دنیا پر یہ ظاہر کیا کرتے ہیں کہ وہ بڑے متقی اور

پرہیزگار ہیں۔ لیکن جب خلوت میں پہنچتے ہیں تو ان سے زیادہ سیاہ کار کوئی نہیں ہوتا اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ تم شراب کو تو اتنا بُرا کہتے ہو حالانکہ کلامِ الٰہی میں اس کے متعلق صرف یہ کہا گیا ہے کہ **اثمہما اکبر من نفعہما** یعنی شراب ان چیزوں میں سے ہے کہ جن کے نقصانات ان کے نفعوں سے یا جن کی بُرائیاں ان کی خوبیوں سے زیادہ ہیں اور خود چوری اور زنا، ظلم اور عداوت اور قتل و خونریزی میں مبتلا رہتے ہو جو گناہ کبیرہ ہیں۔

(۱۱)

مے قوتِ جسم و قوتِ جانست مرا
مے کاشفِ اسرارِ نہانست مرا
دیگر طلبِ دنیا و عقبیٰ نہ کنم
یک جرعہ پُر از ہر دو جہانست مرا

شراب کے متعلق خیام کہتا ہے کہ میرے لئے شراب جسم کو طاقت اور روح کو غذا بخشنے والی چیز ہے، اور اس کی بدولت مجھ پر بہت سے چھپے ہوئے بھید ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اب مجھے نہ دنیا کی ضرورت ہے اور نہ عقبیٰ کی۔ کیونکہ شراب کے شراب کے ایک گھونٹ میں مجھے دو جہانوں کی بادشاہت مل جاتی ہے۔

خیام دنیا اور عقبیٰ دونوں کی طلب سے دستبردار ہونا چاہتا ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اگر دنیا کی طلب میں مصروف اور منہمک ہوا تو گناہ اور عصیاں کے سوا اور اس کا حاصل کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر عقبیٰ کی طلب میں دنیا کو بالکل چھوڑ دیا تو وہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ رہبانیت اسلام میں جائز نہیں ہے اس لئے انسان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں کی طلب میں مصروف رہے یا ان دونوں سے ہاتھ اٹھا کر اپنے آپ کو تقدیرِ الٰہی پر چھوڑ دے کہ جو کچھ ہونا ہے خود ہی ہوتا رہے گا، خیام کی آسان پسند اور مسرت طلب طبیعت اسے اس دوسری صورت کے اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ بادہ پر سرور کا ایک جام پی کر دنیا اور عقبیٰ دونوں کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

(۱۲)

برخیز و بیا بتا برائے دلِ ما
حل کن بجمالِ خویشتن مشکلِ ما

یک کوزہ مے بیار تا نوش کنیم
زاں پیش کہ کوزہ کنند از گل ما

کہتا ہے کہ اے محبوب اُٹھ اور ہمارے دل کی خاطر یہاں آ کر اپنے حسن سے مشکل آسان کر دے، اور اس سے پیشتر کہ کمہار ہماری خاک کی صراحی بنائے لا شراب کا ایک کوزہ دے آ کہ ہم پی لیں، عیش و آرام ہو یا زندگی ناکام دونوں فانی ہیں اور انجام بہر صورت یہی ہونا ہے کہ خاک کا پتلا پھر خاک میں مل جائے۔ اس لئے خیام مشورہ دیتا ہے کہ اس چند روزہ فرصت کو جس کا نام زندگی رکھا گیا ہے کیوں نہ غنیمت سمجھا جائے اور اسے لطف و عیش میں گذارا جائے۔ اس سے کیا حاصل ہے کہ آدمی دنیا میں ہر وقت مغموم و رنجیدہ رہے اور اس کی زبان سے سوائے خدا، قسمت، اور زمانہ کی شکایتوں کے اور کچھ نہ سنا جائے۔

(۱۳)

ساقی قدحے کہ کارساز ست خدا
در رحمتِ خود بندہ نواز ست خدا
مے خور بہ بہار و طاعت مفروش
کز طاعت خلق بے نیاز ست خدا

ساقی کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ خدا کریم اور کارساز ہے اور بندہ نوازی اس کی رحمت کی شان ہے پھر ڈر کس بات کا، لا شراب کا ایک پیالہ دے، بہار کا موسم ہے اس میں مزے سے شراب پی اور یہ دکھاوے کی عبادتوں کا گٹھر لیکر اس کے حضور میں بیچنے کو مت جا، یعنی اپنی بندگی اور طاعت کے بدلے میں جنت کی آرزو نہ کر، کیونکہ خدا کو تیری عبادتوں اور ریاضتوں کی ضرورت نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ تم اگر اپنے خالق کی عبادت کرتے ہو تو وہ تو اس لئے ہونی چاہئے کہ اسکے ہزار در ہزار احسانات کا شکریہ ادا کیا جائے جو اس نے ہم پر کئے ہیں نہ کہ حور اور شراب طہور کے لالچ میں، ظاہر ہے کہ جو عبادت جنت کے حور و قصور کی غرض سے کی گئی ہے اس میں خلوص کہاں، اور اسے خدا کے شکریہ سے کیا واسطہ۔

چنداں بخورم شراب کیں بوئے شراب

آید ز تراب چوں روم زیرِ تراب
(۱۴) تا بر سرِ خاکِ من رسد مخمورے
از بوئے ترابِ من شود مست و خراب

کہتا ہے کہ اب جبکہ شراب پی ہے تو اتنی تو پیوں کہ اگر پیتے پیتے مر جاؤں اور دفن کیا جاؤں تو میری قبر کی مٹی سے بھی شراب ہی کی بو آئے۔ تاکہ اگر کوئی شرابی اس طرف آ نکلے تو میری قبر کی خاک سے بھی شراب کی بو کی لپٹیں اُٹھ کر اُسے مست اور مدہوش بنا دیں۔ یعنی اب جبکہ میں نے معرفت الٰہی کے میدان میں قدم رکھا ہے تو میری حالت کم سے کم اتنی تو ہو جائے کہ میری ہر ہر بات سے اور ہر ہر ادا سے معرفت ربانی کے رموز آشکارا ہوں اور جو مجھے دیکھے وہ بھی اسی رنگ میں رنگ جائے اور عارف باللہ ہو جائے۔

ما و مے و معشوق دریں کنج خراب
(۱۵) جان و دل و جام و جامہ در رہن شراب
فارغ ز امید رحمت و بیم عذاب
آزاد ز خاک و باد و ز آتش و آب

خیام کی دلی آرزو یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیا سے اتنا بے تعلق رہے کہ کسی چیز سے اثر پذیر نہ ہو، چنانچہ کہتا ہے کہ میں تو ایسی زندگی گذارنی چاہتا ہوں کہ اس خراب آباد کے ایک کونے میں اپنے محبوب کے ساتھ ایسی مستی اور مدہوشی کی حالت میں پڑا رہوں کہ جان، دل، پیالہ، اور کپڑے سب کچھ رہن رکھ کر شراب پی لی ہو، اور نہ تو دل میں اس بات کی تمنا ہو کہ خدا اپنی رحمت سے بہشت اور حوریں دیدے، اور نہ اس بات کا کوئی اندیشہ ہو کہ مجھے دوزخ میں جلایا جائے گا غرضکہ عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، خاک اور ہوا ان سب کے اثرات سے بالکل آزاد ہو کر پاک زندگی بسر ہو جائے، خیام ایسی عبادت اور ایسی نیکی سے سخت متنفر ہے جو انعاماتِ الٰہی حاصل کرنے کی خاطر کی جائے وہ اس اصول کا قائل ہے کہ ہمیں نیکی صرف اس لئے اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ نیکی ہے، اور بدی سے ہمارا پرہیز کسی خوف سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے ہونا چاہیئے کہ وہ برائی ہے۔ وہ اس

چیز کو بھی پسند نہیں کرتا کہ انسان ہر وقت اسی فکر اور اسی رنج میں مبتلا رہے کہ ایسا کیوں ہو گیا اور ایسا کیوں نہ ہوا، اس کے نزدیک بہترین زندگی وہ ہے کہ انسان معرفتِ الٰہی میں منہمک ہو کر دنیا و مافیہا سے بیخبر ہو جائے۔ رنج و غم کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ ہر حال میں خوش خرم رہے، اور جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف کی وجہ سے خدا کی عبادت نہ کرے۔

(۱۶)

در راہِ نیاز ہر دلے را دریاب
در کوئے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب و گل بہ یکدل نرسد
کعبہ چہ روی برو دلے را دریاب

خیام اس حقیقت سے بہت ہی اچھی طرح واقف ہے کہ خدا کی جناب میں اسکے ایک بندہ کے دل کی قیمت بہت زیادہ ہے اور کسی کے دل کا توڑنا کعبہ کو ڈھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ درگاہِ باری میں عجز و نیاز سے پیش آنے کا جو راستہ ہے اس راستہ پر جا کر جو دل اس راستہ پر چل رہے ہیں اُن سے مل، اور خدا کے حضور میں حاضر ہونے کی جو گلی ہے اس گلی میں خدا کے مقبول بندوں کو ڈھونڈ، یہ پانی اور مٹی سے جو کعبہ بنایا گیا ہے ایسے ایسے اگر سو بھی ہوں تو ان کی قیمت ایک انسانی دل کے برابر نہیں ہو سکتی پھر بھلا تو ظاہری عبادت کرنے کے لیے کعبہ کی طرف کیا چلا ہے جا، اور کوئی دل ڈھونڈھ، یعنی کسی ایسے شخص کی خدمت میں حاضر ہو جو صاحبدل ہو اور جس کی صحبت تجھے آدمی بنا دے۔ اسی مفہوم کا ایک شعر فارسی زبان میں بہت مشہور ہے ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی لوگوں کے دل اپنے ہاتھ میں لے کہ سب سے بڑا حج یہی ہے اور ہزاروں کعبوں سے ایک انسانی دل کی قیمت زیادہ ہے۔ کعبۃ اللہ بھی خدا کا گھر ہے اور آدمی کے دل کو بھی خانۂ خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خدا کے ان دونوں گھروں میں سے ظاہر ہے کہ اس گھر کی قدر و قیمت زیادہ ہونی چاہیئے جسے خود خدا نے بنایا ہے اور جو انسانی صناعیوں سے کہیں بالاتر ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس



افسوس که نامہ جوانی طے شد ۔ وین تازہ بہار شادمانی طے شد
وان مرغ طرب کہ نام اوبود شباب۔ فریاد کے آمد وندانم کے شد

Calcutta Art Press Delhi.

حدیث کا یہی مطلب ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس ۔ یعنی انسانوں میں سب سے اچھا وہی ہے کہ جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے ۔ اور ان کی خدمت کرے ۔

چوں ہشیارم ز من طرب پنہان ست
چوں مست شوم در خردم نقصان ست
حالیست میان مستی و ہشیاری (۱۷)
من بندۂ آں کہ زندگانی آن ست

اس رُباعی میں خیام نے اپنے فلسفہ کی پوری پوری تشریح اور توضیح کر دی ہے، اور بتایا ہے کہ اسے کس قسم کی زندگی پسند ہے، اور دنیا کے دو روزہ قیام کو وہ کس طرح بسر کرنا چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر میں ہشیار رہتا ہوں یعنی دنیا کے حالات سے باخبر ہو کر ان سے اثر پذیر ہوتا ہوں تو یہ دقت واقع ہوتی ہے کہ خوشی اپنا چہرہ مجھ سے چھپا لیتی ہے، اور اگر ایسی زندگی سے تنگ آکر کہ جس میں باخبری اور اثر پذیری تو ہے لیکن خوشی و شادمانی مفقود ہے، میں مست اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہوں تو یہ صورت حال بھی کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مستی کی حالت میں عقل و خرد مجھ سے دور ہو جاتی ہے، اور شعور ہی زائل ہو جاتا ہے جس پر میری انسانیت منحصر ہے، ہشیاری اور مستی دونوں کا تجربہ کر لینے کے بعد وہ کہتا ہے کہ ان دونوں کے بین بین ایک حالت اور بھی ہے۔ یعنی میں مست و بیخبر بھی نہ بنوں، اور اس حد تک ہشیار بھی نہ رہوں کہ افکار دنیا مجھ پر اثر انداز ہو کر میری مسرت اور شادمانی کو زائل کر دیں۔ اور یہی وہ زندگی ہے جسے صحیح اور اصلی زندگی کہا جا سکتا ہے، اور میں ایسی ہی زندگی کا دلدادہ ہوں۔ خیام یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ دنیا میں رہ کر دنیا سے اس درجہ بے تعلق ہو جائے کہ اس سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھے، اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس قدر دوراندیش اور عاقبت بیں بنے کہ ہر وقت آئندہ کے خوف اور فکر کی وجہ سے زندگی ہی وبال ہو جائے۔ وہ ایک ایسی حالت کو پسند کرتا ہے کہ عقل و شعور میں تو کسی قسم کی کمی نہ آئے، لیکن دنیا کے رنج و غم یا خوشی و مسرت اس کے دل پر کوئی اثر نہ ڈال سکیں، اور وہ بلا تکلف تاج شاہی

اور دلقِ گدائی دونوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا کر اپنی روح کو اس سے بہت بلند تر ماحول میں رکھ سکے۔

اور ملاحظہ فرمائیے کہتا ہے کہ :-

مے خوردن و شاد بودن آئینِ من ست
فارغ بودن ز کفر و دیں دینِ من ست (۱۸)
گفتم بہ عروسِ دہر کابینِ تو چیست
گفتا دلِ خرمِ تو کابینِ من ست

یعنی میرا قاعدہ اور میرا اصول تو بس یہ ہے کہ شراب پینا اور خوش رہنا چاہئے اور میرا مذہب تو یہ ہے کہ کفر اور اسلام دونوں کو دور ہی سے سلام کو ناجب ایک دلہن کی طرح بن سنور کر میرے سامنے آئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اگر کوئی آپ سے شادی کا خواستگار ہو تو آپ کا مہر کیا ہوگا۔ اس نے کہا بس آپ کا یہ خوش و خرم دل میرا مہر ہے۔ خیام نفس پرستیوں اور شکم پرستیوں کے ان مظاہروں سے تنگ آ کر جن کا نام لوگوں نے مذہب رکھ چھوڑا ہے، اور کفر و اسلام کی باہمی آویزشوں سے گھبرا کر جن میں انسانی خون کو پانی کی طرح بہانا، اور خدا کے پیدا کئے ہوئے بندوں کو جنہیں وہ عزیز رکھتا ہے خدا ہی کا نام لے لے کر بے دریغ موت کے گھاٹ اُتارنا سب سے بڑا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے، اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ اگر یہی دین اور یہی مذہب ہے تو میں کفر اور مذہب دونوں سے توبہ کرتا ہوں۔ میرا مسلک تو یہ ہے کہ معرفتِ ربانی کا ایک چھلکتا ہوا جام چڑھا! اور اپنا تمام وقت خوشی اور خرمی میں گذارا، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی تکلیف اور مصیبت بھی مجھے رنجیدہ اور مغموم نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ مجھے دنیا کی طلب ہی نہیں ہے۔ دنیا کو ایک آراستہ و پیراستہ حسین عورت تصور کر کے وہ بتاتا ہے کہ اگرچہ اس کے حسین ہونے میں تو کلام نہیں لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا مہر کیا ہے؟ اور تم سے کیا چیز لے کر وہ تمہاری ہو سکتی ہے۔ اس کا مہر تمہارا وہ دل ہے جو ہر وقت شاد و خرم رہتا ہے، گویا عروسِ دنیا کو منہ لگاتے ہی تمہیں اپنے اس دل کو خیر باد کہہ دینا پڑیگا جس میں ہمیشہ خوشی کا گذر ہوتا تھا، اور دنیا سے تعلق پیدا کر لینے کے

بعد یہ ناممکن ہے کہ تم کبھی خوش رہ سکو۔

شوخی اور اپنے مالک و خالق کے ساتھ طفلانہ ناز کرنا خیام کی خاص ادا ہے۔ کہتا ہے:-

گویند کہ مے بہ ماہِ شعبان رواست
نہ، نیز رجب کہ آں مہِ خاصِ خداست
(١٩) شعبان و رجب ماہِ خدایند و رسول
ماہ مے رمضان خوریم کاں خاصۂ ماست

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ شراب نہ تو شعبان کے مہینہ میں پینی چاہیئے اور نہ رجب کے مہینے میں کیونکہ یہ خاص خدا کا مہینہ ہے۔ اچھا تو پھر جب شعبان اور رجب کے مہینے یوں نکل گئے کہ وہ خدا اور رسول کے مہینے ہیں تو ہم رمضان ہی میں شراب پی لیا کرینگے کیونکہ یہ مہینہ تو خدا نے خاص ہمارے لئے اور ہماری عبادت کرنے کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اس رباعی میں ایک طرف تو خیام نے ان لوگوں پر طنز کیا ہے جو سطحی اور فروعی باتوں کو حد سے زیادہ اہمیت دیا کرتے ہیں۔ اور ان سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے لئے یہ شعبان اور رجب کی تخصیص کیسی، اگر یہ مہینے خدا اور رسولؐ کے ہیں تو کیا باقی دس مہینوں میں گناہ کرنا جائز ہے، دوسری طرف وہ ایک نہایت ہی لطیف پیرایہ میں اپنے محبوب اور اپنے معبود کے ساتھ طفلانہ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگوں نے شعبان اور رجب کو تو خدا اور رسولؐ کے مہینے بنا دیا، اب آخر میں کیا کروں اور میرے دل کی خواہشیں کس طرح پوری ہوں مجبوراً اب مجھے یہی کرنا پڑیگا کہ رمضان جیسے متبرک مہینے میں شراب پینی پڑے گی کیونکہ وہ مہینہ بندوں کی عبادت کے لئے بھی مخصوص ہے اور اس میں دوزخ کے دروازے بھی بند ہوتے ہیں اور برابر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اس سے بہتر موقعہ مجھے اور کون سا مل سکتا ہے کہ ایک طرف تو برابر رحمتِ الٰہی نازل ہوتی رہے اور جنت کی کھڑکیوں سے ہوا آتی رہے اور دوسری طرف دوزخ کے دروازے بند ہوں اور شیطان مقید، شوخ اور گستاخ بندہ رمضان کے مہینے کو شراب خواری کے لئے منتخب کرکے یہ جتانا چاہتا ہے کہ اسے اپنے مولا

کی رحمت پر کس قدر بھروسا اور ساتھ ہی کس قدر ناز ہے ، وہ اہلِ ظاہر کو یہ بھی بتانا چاہتا ہے کہ اگر تم نے رجب اور شعبان کو خدا اور رسولؐ کے مہینے بنا دیا ہے تو تم انہی میں خوش رہو ، میں معرفت الٰہی کی شراب رمضان میں پیونگا۔ کیونکہ اسی مہینہ میں قرآن پاک نازل ہوا تھا ، اور اسی میں لیلۃ القدر جیسی مبارک رات ہوتی ہے ، کہ جو ہزار مہینوں سے تنہا بہتر ہے۔

(۲۰)
ہر چند کہ از گناہ بدبختم و زشت
نومید نیم چو بت پرستاں زکنشت
اما سحرے کہ میرم از مخموری
مے خواہم و معشوق چہ دوزخ چہ بہشت

خیام کہتا ہے کہ اگرچہ گناہوں کی وجہ سے میں بہت ہی بُرا بھی ہوں اور بدنصیب بھی ہوں لیکن رحمتِ باری سے میں اس طرح نااُمید نہیں ہوں کہ جس طرح بت پرست نااُمید ہوتے ہیں۔ لیکن اعترافِ گناہ اور اُمید عفو و کرم کے بعد بھی جو کچھ میری آرزو ہے وہ یہ ہے کہ جس دن میں شراب پیتے پیتے مرجاؤں تو اس دوسرے عالم میں بھی مجھے شراب اور معشوق مل جائے۔ اور اس کی مجھے پروا نہیں ہے کہ مجھے دوزخ میں رکھا جائے یا بہشت میں۔ اس رباعی میں ایک طرف تو وہ بڑھاوے دیکر رحمتِ الٰہی کو جوش میں لانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں لاکھ گنہ گار سہی لیکن میرا خدا کچھ بت پرستوں کا خدا تو نہیں ہے کہ بے جان ہو اور اپنے منہ پر سے مکھی بھی نہ اُڑا سکے۔ مجھے اس کی رحمت اور اس کی قدرت سے سب کچھ اُمید ہے ، اور دوسری طرف نہایت خوبصورتی کے ساتھ ایک لطیف استعارہ میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے جنت اور دوزخ سے کیا مطلب جہاں تیرا جی چاہے وہاں رکھ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ تو اور تیری محبت کی شراب مجھے مل جائے ، اسی کو پیتے پیتے میرا دم نکلے اور اسی کو پیتا ہوا میدانِ حشر میں جھومتا پھروں۔

(۲۱)
یک ہفتہ شراب خوردہ باشی پیوست
ہاں تا نہہی تو روزِ آدینہ زدست
در مذہبِ ما شنبہ و آدینہ یکے ست

جبار پرست باش نے زور پرست

کہتا ہے کہ ایک ہفتہ تک روزانہ شراب جب پی چکے تو کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا کہ جمعہ کے دن اس خیال سے کہ یہ روز آدینہ ہے چھوڑ بیٹھو۔ جمعہ روز آدینہ سہی، لیکن خیام کہتا ہے کہ ہم تو خدا کے پوجنے والے ہیں۔ دنوں کے پوجنے والے تھوڑے ہی ہیں اس لیئے ہمارے مذہب میں تو جمعہ اور ہفتہ سب برابر ہے اور ہم کسی ایک دن کو مقدس اور بزرگ سمجھ کر مے نوشی سے اجتناب نہیں کر سکتے۔

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت
از اہل بہشت کرد یا دوزخ زشت
جامے وبتے و بربطے بر لب کشت (۲۲)
ایں ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

زاہدانِ ریاکار سے مخاطب ہو کر خیام کہتا ہے کہ بھائی یہ تو مجھے کچھ نہیں معلوم کہ جس ذاتِ باری نے مجھے پیدا کیا ہے اس نے میرا نام بہشت والوں کی فہرست میں رکھا ہے یا دوزخیوں کی فہرست میں مگر ہاں اتنا جانتا ہوں کہ شراب اور معشوق اور راگ اور رنگ اور سبزہ زار کا کنارہ یہ سب نعمتیں مجھے تو اس وقت حاصل ہیں، اور آپ حور و قصور کی تمنا میں رات دن درگاہِ الٰہی میں گڑگڑایا کرتے ہیں۔ گویا خدائے پاک کی جن نعمتوں کی آرزو میں آپ رات دن مرتے رہتے ہیں وہ مجھے اسی دنیا میں حاصل ہیں۔ اس رُباعی میں بھی خیام نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عبادت الٰہی جنت اور حور اور شراب طہور کے لالچ میں نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

مے خور کہ مدام راحت روح تو اوست
آسائش جان و دل مجروح تو اوست
طوفان غم ار در آیدت از پس و پیش (۲۳)
در بادہ گریز، کشتی نوح تو اوست

کہتا ہے کہ بس شراب پیو کیونکہ اگر روح کو آرام ملتا ہے تو اسی میں ملتا ہے

اور زخم خوردہ دل کے لئے اور جان کے لئے اگر کہیں اطمینان اور آسائش نصیب ہو سکتی ہے تو وہ شراب نوشی ہی میں ہو سکتی ہے۔ غم و رنج اور الم و مصیبت کے اگر چاروں طرف سے طوفان آکر تجھے گھیر لیں تو ایسی حالت میں اگر تجھے پناہ مل سکتی ہے تو بس جام شراب میں کیونکہ وہی تیرے لئے نوحؑ کی کشتی کا کام دے سکتا ہے اور تجھے اسی میں پناہ لینی چاہئے۔

خیام یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ یہ دنیا دار المحن ہے اور یہاں کسی کے دل کو مسرت اور کسی کی روح کو اطمینان میسر نہیں آ سکتا، اور اگر ہم حقیقی خوشی اور سچی مسرت کے طالب ہیں تو ہمیں رنج اور خوشی دونوں سے بے پروا ہو جانا چاہئے اور جس طرح ایک مست و مدہوش آدمی کو نہ اذیت کا رنج ہوتا ہے اور نہ راحت کی خوشی بالکل اسی طرح ہمیں بھی عرفانِ الٰہی کی شراب سے مست و مدہوش اور دنیا و مافیہا سے کلیتاً بے پروا ہو جانا چاہئے۔ اور خواہ مسرت کے سمندر لہریں مارا کریں یا مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں ہمیں ان سے کسی قسم کا کوئی اثر قبول کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس سے اگلی رباعی میں وہ خود بھی اپنی "مے نوشی" کے اسباب بیان کرتا ہے۔

مے خوردنِ من نہ از برائے طرب ست
نے بہر فساد و ترکِ دین و ادب ست
خواہم کہ بیخودی برآرم نفسے (۲۴)
مے خوردن و مست بودنم زیں سبب ست

یعنی میں جو شراب پیتا ہوں تو کچھ اس لئے تھوڑا ہی پیتا ہوں کہ اس سے سرور اور حظ حاصل کروں، اور نہ اس لئے پیتا ہوں کہ مذہب کو چھوڑ دوں یا فتنہ و فساد کرتا پھروں اور مذہب اور احکام مذہب کا ادب و احترام میرے دل سے نکل جائے میرا مقصد تو شراب پینے سے صرف اسقدر ہے کہ اس غمکدۂ دہر میں جہاں ہزاروں رنج اور لاکھوں مصیبتیں ہر چہار طرف سے انسان کو گھیرے ہوئے ہیں دو چار سانس اطمینان اور بے فکری کے ساتھ لے سکوں، اور میری مستی اور شراب نوشی کا ماحصل ذرا سی فارغ البالی اور تھوڑی سی دیر کے لئے مسرت و الم دونوں سے بے پروائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

دنیا نہ مقام گفت ونے جائے نشست
خندانہ درو خراب واولی تر مست
بر آتش غم زبادہ آبے می زن
زاں پیش کہ در خاک روی باد بدست (۲۵)

اس دارِفانی کا اچھی طرح تجربہ کر لینے کے بعد خیام نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ نہ تو چلنے پھرنے کی جگہ ہے اور نہ ٹھہرنے اور بیٹھے رہنے کی اور یہاں وہ لوگ جو عقل و ہوش رکھتے ہیں ہمیشہ خراب رہتے ہیں اور مست اور مدہوش بہر صورت بہتر ثابت ہوتے ہیں، اس لئے یہ مشورہ دیتا ہے کہ تمہارے دل میں جو غم کی آگ بھڑک رہی ہے اس پر شراب پی کر پانی ڈال دو، اور اس طرح خالی ہاتھ قبر کے اندر جانے سے پہلے اس رنج والم کی آگ کو بجھا دو۔ خیام نے بار بار اسی نصیحت کو دہرایا ہے کہ ہمیں اپنا وقت ہنسی خوشی میں گذارنا چاہیے، اور دنیاوی تعلقات کی بنا پر جو رنج اور صدمے ہمیں پہنچیں انہیں تغافل اور فراموش کاری کے جام کی نذر کر دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ دنیا ایسی جگہ نہیں ہے جس کا انتظام ہماری مرضی اور ہماری خواہش کے مطابق ہوتا ہو، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ ہمیں اپنی توقعات میں اکثر ناکامی نصیب نہ ہو، اور اگر ہم ہوشیار اور ذکی الحس ہیں تو ظاہر ہے کہ زندگی وبال ہو جائے گی۔ اس لئے یہاں تو حادثات اور اتفاقات کی طرف سے اس حد تک بے حس اور بے پروا بن جانا چاہیے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا رنج بھی ہمیں ملول اور غمگین نہ کر سکے۔

در فصل بہار اگر بتِ حور سرشت
پر مے قدحے دہد مرا بر لبِ کشت
گر چہ بر ہر کس ایں سخن باشد زشت
سگ بہ ز من ار دگر برم نام بہشت (۲۶)

خیام کی آزادر و طبیعت اسے اکثر مجبور کیا کرتی ہے کہ نہایت بیباکی اور بے دھڑکی سے جو کچھ بھی منہ میں آئے وہ کہہ ڈالے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بہار کے موسم میں اگر وہ حور نژاد معشوق سبزہ زار کے کنارے بیٹھ کر مجھے اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ

بھر کر دے تو پھر مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اور گو ہر شخص کے لئے یہ بات بُری ہو مگر میں تو یہی کہوں گا کہ اگر اس کے بعد میں بہشت کا نام بھی لوں تو میں کتوں سے بدتر ہوں۔ معرفت الٰہی کا ایک جام جس کے ساتھ لقائے ربانی کی دولت بھی میسر ہو فی الحقیقت ایسی ہی چیزیں ہیں کہ ان کے بعد پھر بہشت کی تمنا اگر ہو سکتی ہے تو کسی ہوس کار اور نفس پرست ہی کو ہو سکتی ہے۔

(۲۷)

چوں ابر بہ نوروز رخ لالہ بشست
برخیز و بہ جام و بادہ کس عزم درست
ایں سبزہ کہ امروز تماشا گہ تست
فردا ہمہ از خاک تو برخواہد رست

ہلکا ہلکا مینھ برس کر کھل چکا ہے، سرخ سرخ پھولوں اور ہرے ہرے پتوں کا دُھل دھلا کر رنگ نکھر گیا ہے۔ بادہ و جام کے عاشق خیام سے اس موسم میں بھلا کیسے صبر ہو سکتا ہے۔ بے اختیار ہو کر چلاتا ہے کہ مینھ برس چکا گلِ لالہ کا منھ دھل گیا، نوروز کا دن ہے آؤ اور پیالے لے کر مے نوشی کے ارادے سے بیٹھ جاؤ، آج جس سبزہ کا تم تماشا دیکھ رہے ہو اور لطف اٹھا رہے ہو کل کو یہی سبزہ ہماری تمھاری قبروں پر اُگے گا۔

(۲۸)

آباد خرابات ز مے خوردن ماست
خون دو ہزار توبہ بر گردنِ ماست
گر من نہ کنم گناہ رحمت چہ کند
آرائش رحمت از گنہ کردن ماست

ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کے میخانے ہمارے دم سے آباد ہیں ہم نہ ہوں تو ساقی اور میکدہ سب بے کار اور لغو چیزیں ہیں اور پھر اس سے بھی زیادہ فخر اس بات پر کیا جاتا ہے کہ ہزاروں مرتبہ کی توبہ کا خون بھی ہماری گردن پر ہے کیونکہ روزانہ :۔

میکشی رات کو کی صبح کو توبہ کر لی   رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

پر عمل رہا ہے اور ہزاروں مرتبہ توبہ کی ہے اور ہزاروں مرتبہ توبہ توڑی

ہے ، اس فخر اور تعلّی کے بعد خیال آتا ہے کہ شراب پینا تو گناہ ہے اس لیئے فوراً ہی ناز شروع ہو جاتے ہیں اور رحمتِ باری تعالیٰ کو اس طرح پھسلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بھلا اگر میں گناہ نہ کروں تو پھر دنیا میں خدا کی رحمت کے لیئے کیا کام رہ جائے گا ، عابدوں اور زاہدوں کے لیئے تو رحمت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس تو زہد اور ریاضت کے انبار لگے ہوئے ہیں ۔ رحمت تو انہی لوگوں کے کام آسکتی ہے جو قصوروار ہوں اور جن کے کندھوں پر گناہوں کا پشتارہ لدا ہو ۔ اس لیئے رحمت الٰہی کی آرائش اور زیبائش ہی گویا ہمارے دم سے ہے اور اگر ہم نہ ہوں یا ہم گناہ نہ کریں تو خدا کی رحمت کے لیئے کوئی کام نہ رہے اور وہ ایک بے کار چیز ہو جائے ۔

منشی امیر احمد مینائی مرحوم نے بھی اپنے ایک مطلع میں اسی مضمون کو نہایت خوبی سے باندھا ہے :۔

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا ۔۔۔ بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

شراب ناب کے جام پر جام چڑھا کر خیام نے بادۂ معرفت کے دریا بہا دیئے ہیں :۔

ساقی قدحے کہ ہست عالم ظلمات
جز روئے تو نیست در جہاں آبِ حیات (۲۹)
از جان و جہان و ہر چہ در عالم ہست
مقصود توئی و بر محمد صلوٰۃ

ساقی ازل کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ تمام عالم میں تاریکی چھائی ہوئی ہے ، اور تیرے چہرے کے سوا دنیا میں آبِ حیات اور کوئی چیز نہیں ہے ایسی حالت میں تو ایک پیالہ بھر کر مجھے دیدے ۔ جان ہو یا جہان ہو اور اس دنیا کی کوئی چیز ہو ہمارا مقصود اصلی تو بس تو ہے اور تیرے حبیب محمد مصطفٰے پر درود ہو مطلب یہ ہے کہ بارالٰہا دنیا کے اس ظلمت کدہ میں اگر آبِ حیات ہے تو بس تو ہے اور دنیا بھر کی کوئی چیز بھی کیوں نہ ہو ہمارا مقصد اصلی تو بس تو ہی ہے اس لیئے اپنی معرفت کا ایک جام اپنے حبیب پاک کے صدقے میں کہ ان پر درود و سلام

پہنچے ہمیں بھی عنایت کرے۔

ساقی مے معرفت مرا مکرمت ست
در مشرب بے معرفتاں معصیت ست
بے معرفت آدمی چہ کار آید ہیچ
مقصود ز آدمی ہمیں معرفت ست (۳۰)

کہتا ہے کہ یا اللہ میرے لئے تو تیری معرفت کی شراب ایک بزرگی ہے۔ لیکن ان لوگوں کی نگاہوں میں کہ حق ناآشنا ہوں اور تجھے نہیں پہچانتے یہ شراب ایک گناہ ہے، بھلا جس آدمی میں معرفت نہ ہو اور جو خدا ہی کو نہ پہچانتا ہو وہ بھی کوئی انسان ہے، اور اس کی زندگی بھی کسی کام آسکتی ہے، آدمی جس چیز کا نام ہے اور انسان کی جس خوبی کو انسانیت یا آدمیت کہا جاتا ہے وہ تیری معرفت ہی تو ہے۔ اس رباعی میں بھی زاہدان ریاکار پر ایک پر لطف طنز موجود ہے، یعنی جو لوگ کہ شراب معرفت سے بے بہرہ ہیں انہیں آدمی ہی کیوں کہا جائے۔ اور جو بادۂ عرفان کو گناہ سمجھتے ہیں وہ آدمی کب ہیں۔

ساقی نظرے کہ دل خوش از دیدن تست
جاں شاد ز خوشہ چینی خرمن تست (۳۱)
ناگفتہ دلست ضمیر ما امیدانند
جام جم عاشقاں دل روشن تست

کہتا ہے کہ خداوندا ایک نگاہِ کرم میرے حال پر کرلے کیونکہ تیرے دیدار سے میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اور تیرے خرمن کی خوشہ چینی سے روح شاد و مسرور ہو جاتی ہے میں اپنے دل کی آرزو تجھ سے کیا بیان کروں کیونکہ میرے دل کا حال تو پہلے ہی تجھے معلوم ہے اور تیرا دل تو عاشقوں کے حق میں جام جمشید کا کام دیتا ہے جس میں تمام دنیا کا حال نظر آیا کرتا ہے۔ خیام کا مطلب یہ ہے کہ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ ظاہری عبادتیں کیا کروں اور نماز میں اپنے دل کا مدعا زبان سے بیان کروں تو تو عالم الغیب ہے، تجھے یوں ہی معلوم ہے کہ میرے دل میں تیری کس قدر محبت موجود ہے۔

یک جرعۂ مے ز ملکِ کاؤس بہ است

وز تختِ قباد و مملکت طوس بہ است
(۳۲) ہر نالہ کہ رندے بہ سحرگاہ زند
از طاعتِ زاہدانِ سالوس بہ است

شراب کی تعریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا ایک گھونٹ ایران کے بادشاہ کاؤس کے ملک سے زیادہ اچھا ہے، اور ایک کاؤس پر کیا منحصر ہے وہ تو قباد کے تخت سے اور طوس کی سلطنت سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے، عالمِ مستی میں صبح کے وقت جب کوئی رند آہ کھینچتا ہے یا نالہ کرتا ہے تو اس کا وہ نالہ مکر و فریب سے بھرے ہوئے۔ زاہدوں کی عبادتوں سے بہتر ہے۔ اس کے تسلیم کرنے میں کسے تامل ہوگا کہ عیاری اور فریب کاری کی خاطر جو عبادتیں کی جاتی ہیں وہ ایک رند شراب خوار کے اس نعرہ مستانہ سے بدرجہا بدتر ہیں جو خلوص دل سے یاد الٰہی میں مارا جائے۔

رفتم بہ خرابات بہ ایمان درست
زنار مغاں را بہ میاں بستم چست
(۳۳) شاگرد خرابات ز بدنامی من
رختم بدر افگند و خرابات بشست

میخانہ کی رندگی کا اظہار خیام ان الفاظ میں کرتا ہے کہ وہ ایسا متبرک اور مقدس مقام ہے کہ میں وہاں درست اعتقاد اور ایمان لے کر پہنچا اور جنیو بھی خوب سنبھال کر لپیٹ لیا، لیکن میخانے میں ساقی کے جو چیلے تھے انہوں نے میری بدنامی کو دیکھ کر مجھے وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی، اور میرا سامان پھینک کر اپنے میخانہ کو خوب دھویا کیونکہ وہ میرے قدموں کی وجہ سے ناپاک ہوگیا تھا۔ گویا ریاکارانہ زہد ایسی ناپاک چیز ہے کہ اس سے شراب خانے بھی ناپاک ہو جاتے ہیں اور انہیں دھونے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ساقی قدحے کہ کارِ عالم نفسے ست
گر شادی ازو یک نفس آں نیز بسے ست
(۳۴) خوش باش زہر چہ پیش آید بجہاں

ہرگز نشود چنانکہ دلخواہ کسے ست

ہر حال میں مست رہنے والا خیام کہتا ہے کہ اے ساقی ان سب جھگڑوں کو چھوڑ اور ایک پیالہ شراب مجھے دیدے کیونکہ یہ دنیا ناپائدار ہے اور زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس لیئے خوشی کا جو لمحہ بھی میسر آجائے اسی کو غنیمت خیال کرنا چاہیئے دنیا میں بھلائی اور برائی اور خوشی اور رنج غرضکہ جو کچھ بھی پیش آئے اس سے اثر پذیر نہ ہونا چاہئے اور ہر حال میں خوش رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہاں دنیا کا کام ہماری مرضی کے مطابق نہیں چلا کرتا اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ جو کچھ ہم چاہیں وہی ہوجائے خیام کا یہی فلسفہ ہے جس نے اسے آج تمام دنیا میں مشہور کر رکھا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہے بھی اس قدر عمدہ اور صحیح کہ اگر انسان اس پر عامل ہو تو پھر یہ دنیا ہی اس کے لیئے بہشت بن جائے۔

ساقی بہ بہشت ایں ہمہ مشتاقی چیست
جنت مے و ساقی بود و باقی چیست (۳۵)
اینجاست مے و ساقی و آنجاست ہمیں
پس در دو جہاں بہ از مے و ساقی چیست

کہتا ہے کہ آخر یہ بہشت کا اس قدر شوق لوگوں کو کیوں لگا ہوا ہے۔ بہشت تو صرف شراب اور ساقی ہی کا نام ہوتا ہے، اور بس، ساقی اور شراب یہاں بھی موجود ہے اور وہاں بھی ان ہی دو چیزوں کا جلوہ ہے تو پھر بہشت اور دوزخ کیسی، دونوں جہانوں میں ساقی اور شراب سے بہتر کوئی چیز کہ جس کی تمنا کی جائے کہاں سے آئیگی

ساقی قدحے کہ آنکہ دیں خاک سرست
خط بر سر ما ز مستی و عشق تو نوشت (۳۶)
معمور بود بشاہد و بادہ جہاں
موعود بود بہ کوثر و حور و بہشت

خدا کی نعمتوں کی دل سے قدر کرنے والا خیام اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ لا شراب پلا کیونکہ جس کسی نے مجھے پیدا کیا ہے اُس نے میرے خمیر میں تیرا عشق اور مستی ڈالدی ہے اور اس دنیا کی نعمتوں میں سے میرے نصیب میں جو چیز آئیگی

ہیں وہ بادہ نوشی اور تیری محبت ہیں، اور شراب اور عشق بھی دو چیزیں ایسی ہیں جنھیں اس دنیا کا بھی حاصل کہا جاتا ہے اور اُس دنیا کا بھی۔ کیونکہ یہ دنیا بھی شرابوں سے اور معشوقوں سے بھری پڑی ہے اور اُس دنیا میں بھی جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ شراب طہور اور بہشت اور حوریں ہیں ''وعدہ'' کے لفظ سے خیام نے کلام الٰہی کی ان آیات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ حورٌ مقصورٰتٌ فی الخیام ٥ اور، جنٰتٍ تجری من تحتہا الانہار ٥

امروز کہ نوبتِ جوانی منست
مے نوشم ازآنکہ کامرانی منست
عیبش مکنید اگرچہ تلخ ست خوش ست (۳۷)
تلخ ست ازاں کہ زندگانی منست

کہتا ہے کہ آج جبکہ میری رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا ہے میں کیوں نہ شراب پیوں کیونکہ آج میں کامیاب اور بامراد ہوں، لوگوں سے التجا کرتا ہے کہ تم شراب کو اس لیے بُرا نہ کہو کہ وہ تلخ ہوتی ہے، وہ مجھے تلخ ہی عزیز ہے۔ اور تمھیں یہ خبر بھی ہے کہ وہ تلخ کیوں ہے، وہ تو اس لیے تلخ ہے کہ وہ میری جان ہے گویا زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ جو ہمیشہ تلخ ہی ہوتی ہے۔

اے دل چو زمانہ می کند غمناکت
ناگہ برود ز تن روانِ پاکت
بر سبزہ نشین و خوش بزی روزے چند (۳۸)
زاں پیش کہ سبزہ روید از خاکت

یہ مضمون خیام کے ہاں بہت ہی عام ہے، اور اس کی پچاسوں رُباعیوں میں اسی بات کی تلقین کی گئی ہے کہ انسان کو جو دورۂ زندگی میسر ہے اسے خوشی اور خرمی میں گذار دینا چاہیے۔ چنانچہ اس رُباعی میں بھی وہ کہتا ہے کہ اے دل جبکہ زمانہ کی گردش تجھے رنج اور غم پہنچا رہی ہے تو تیری یہ پاک روح کسی دن یکایک تیرے جسم سے نکل جائے گی جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ افکارِ زمانہ سے نجات نہیں مل سکتی، اور جبکہ یہ بھی یقین ہے کہ ایک دن موت ضرور آنی ہے تو پھر بھلا رنج و غم سے

کیا حاصل، آؤ کہیں سبز گھاس پر بیٹھیں اور جو چند روز کی مہلت ہے اُس میں عیش اڑالیں اس سے قبل کہ خود ہماری خاک پر سبز گھاس اگ آئے۔

چوں لالہ بہ نوروز قدح گیر بدست
بالالہ رخے اگر ترا فرصت ہست (۳۹)
مے نوش و مخور غصہ کہ ایں چرخ کہن
ناگاہ تراچو خاک گرداند پست

خمخانۂ معرفت کا بادہ خوار اور جام مے عرفاں سے سرشار خیام اہل زمانہ کو حکم دیتا ہے کہ گل و لالہ کی طرح نوروز کے دن اپنے ہاتھ میں پیالہ لے لو اور اگر موقعہ ہو تو کسی لالہ رخ کے ساتھ بیٹھ کر لطف مے نوشی اٹھاؤ، بس شراب پیو اور رنج یا غصہ نہ کرو، کیونکہ یہ بڈھا آسمان یکایک تمہیں خاک کی طرح پیس کر رکھدیگا، اسی مضمون کو خیام نے بار بار بیان کیا ہے۔ اور اس کے فلسفہ کا لب لباب یہی ہے کہ انسان کو اس دوروزہ زندگی کے رنج وغم یا خوشی و مسرت سے اثر پذیر نہ ہونا چاہیے اور جو تھوڑا سا وقت ملتا ہے اسے غنیمت سمجھ کر کامل اطمینان اور بے فکری کے ساتھ گزارنا چاہیئے۔

در دہر مرا شراب و شاہد ہوس ست
نہ چشم و دلم منتظر پیش و پس ست (۴۰)
در دل نہ زہشیاری و مستی خبرے
مقصود من از ہر دو جہاں یک نفس ست

کہتا ہے کہ اس دنیا میں میری تو صرف ایک آرزو ہے اور وہ یہ کہ شراب ناب ہو اور دلبر مست شباب ہو، میری آنکھ کو اور میرے دل کو پیش و پس کا کچھ انتظار نہیں ہے میرے دل کو نہ ہوشیاری سے کچھ مطلب ہے اور نہ مستی کی خبر، میرا مقصود تو دونوں جہان سے بس ایک سانس ہے جو کامل بے خبری میں گذر جائے۔

در نائے قرابہ غلغل مے چہ خوش ست
آواز سماع و نالہ نے چہ خوش ست (۴۱)
در بربت دلفریب و در سر مے ناب

فارغ ز غمِ زمانہ ہے ہے چہ خوش ست

ارشاد ہوتا ہے کہ شراب کے قرابہ سے شراب انڈیلتے وقت اس کی گردن سے جو آواز قلقل کی نکلتی ہے وہ کس قدر پیاری ہے اور پھر اس کے ساتھ گانے کی آواز اور بانسری کی دلکش صدا کس قدر دلفریب ہے۔ بس بغل میں ایک دل بھلانے والا محبوب ہو اور سر میں خالص شراب کا نشہ اور دنیا بھر کے غموں سے فراغت ہو تو ہا ہا کتنی اچھی زندگی ہے، خیام کے نزدیک ایسی زندگی کسی مصرف کی نہیں ہے جس میں دنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تعلق اور واسطہ رکھا جائے وہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ معرفتِ الٰہی کا سرور دماغ میں ہو اور محبوب ازلی کا تصوّر دل میں اور دنیا و ما فیہا سے کامل بے خبری ہو۔

ما را گویند دوزخی باشد مست
قولیست خلاف دل در وتواں بست
گر عاشق مست دوزخی خواہد بود
فردا بینی بہشت ہمچوں کفِ دست (۴۲)

اہل ظاہر پر خیام طنز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ مست اور رند دوزخ میں جائیں گے بھلا یہ بات کسی طرح سمجھ میں آسکتی ہے یہ تو بالکل غلط ہے اگرِ عاشقانِ مست دوزخ میں بھیج دیئے گئے تو کل کو جنت میں بھیجنے کے لیے آدمی کہاں سے ملیں گے جنت تو کفِ دست میدان اور سنسان نظر آئے گی کیونکہ دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں وہ سب کے سب رند اور عاشق ہی ہیں۔

سیر دو جہاں از قدحِ مستان ست
خورشید ازل جامِ مہ تابان ست
ایں نکتہ کہ در قلبِ جہاں پنہان ست
در شیشۂ مے مگر بدانی آں ست (۴۳)

فرماتے ہیں کہ شرابیوں کے پیالے میں دونوں جہان کی سیر ہے اور شراب کا پیالہ فی الحقیقت خورشید ازل ہے اور یہ بھید کی بات جس سے تمام دنیا کے دل آگاہ ہیں اگر تمہیں خبر ہو تو شراب کی بوتل میں بند ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بے خبری اور

مستی کا عالم وہ عالم ہے کہ اس وقت ایک رندِ سیکش پر دونوں جہان کے اسرار روشن ہو جاتے ہیں اور اُس کا ضمیر جام جہاں نما بن جاتا ہے۔

ساقی رخ تو ز جام جمشید بہ است
مردن بہ رہت ز عمر جاوید بہ است (۴۴)
خاک قدمت کہ روز من روشن از دست
ہر ذرہ ز صد ہزار خورشید بہ است

شراب کی تعریف کر چکنے کے بعد خیام کو ساقی کا خیال آتا ہے تو کہتا ہے کہ تیرا منھ جام جمشید سے بھی زیادہ اچھا ہے اور تیری راہ میں مرجانا ہمارے لئے ہمیشہ زندہ رہنے سے بھی بہتر ہے۔ تیرے قدموں کی وہ خاک کہ جس سے ہماری تقدیر روشن ہے اس کا ایک ایک ذرہ ہزاروں آفتابوں سے زیادہ اچھا ہے۔

ساقی دلِ من ز دست اگر خواہد رفت
بحر ست کجا ز خود بدر خواہد رفت (۴۵)
صوفی کہ چو ظرف تنگ از خویش پر ست
یک جرعہ اگر دہی بسر خواہد رفت

دنیا کو دکھانے کے لئے عبادت کرنے والے زاہدوں کو چھوڑ کر اب خیام سیاہ قلب صوفیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ساقی اگر میرا دل ہاتھ سے جاتا بھی رہے تو وہ تو سمندر ہے وہ اپنے اندر سے نکل کر جائے گا تو کہاں جائیگا یہ تو صوفیوں کی حالت ہوا کرتی ہے کہ جو تنگ برتن کی طرح اپنے ہی خیال اور غرور سے بھرے ہوئے ہیں اُنھیں اگر ایک گھونٹ بھی شراب کا دیا جائے تو وہ سیدھا اُن کے دماغ کو چڑھ جاتا ہے اور وہ بہکنے لگتے ہیں مطلب یہ کہ اگر رازِ معرفت رندوں کو معلوم ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ وہ عالی ظرف ہوتے ہیں اور ان کے دل میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہی راز ان صوفیوں کو کہیں معلوم ہو جائے کہ جن کے حال وقال سب دکھاوے کے ہوتے ہیں تو ان کے دل میں اتنی سمائی کہاں وہ فوراً آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور بہک اُٹھتے ہیں۔

ساقی گل و سبزہ بس طربناک شدہ است

دریاب کہ ہفتہ دگر خاک شدہ است
(۴۶) مے نوش و گلے بچیں کہ تا در نگری
گل خاک شدہ است و سبزہ ہم خاک شدہ است

کہتا ہے کہ اے ساقی دنیا کی بہاریں اور یہ سبزہ و گل پہلے بھی بہت کچھ دلفریب رہ چکا ہے۔ لیکن ذرا تحقیق کر کے دیکھ تجھے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ بہاریں بس ایک ہفتہ کے لئے تھیں اور دوسرے ہفتہ میں وہ پھول اور وہ سبزہ سب خاک میں مل گیا۔ جبکہ دنیا کی لذتوں کا قیام اس قدر تھوڑا ہے تو پھر اٹھ شراب پی اور اپنے لئے حسب پسند کوئی پھول توڑ لے اس سے پہلے کہ یہ نظارہ تیری آنکھوں کے سامنے ہو کہ پھول بھی خاک میں مل گیا اور سبزہ بھی، کس قدر عبرتناک مضمون ہے کہ انسان حالانکہ رات دن یہ دیکھتا ہے کہ دنیا کی کسی چیز کو بقا نہیں ہے پھر بھی انہی چیزوں سے دل لگاتا ہے اور ان کے مٹنے یا ملنے کے بعد کھو جانے پر روتا اور آنسو بہایا کرتا ہے۔

ساقی مے کہنہ یار دیرین من ست
بے دختر رز عیش نہ آئین من ست
(۴۷) گویند کہ بادہ خوار را دینے نیست
من بادہ خورم کہ بادہ خود دین من ست

اپنے ساقی سے خیام کہتا ہے کہ پرانی شراب تو میری پرانی دوست ہے اور دختر رز کے بغیر عیش کرنا یا دنیا کا لطف اٹھانا میرا دستور ہی نہیں ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ شرابیوں کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا میں تو شراب پیتا ہوں کہ یہی شراب پینا میرا مذہب ہے۔ خیام نے اس رباعی میں ان لوگوں پر طعن کی ہے جو اپنے آپ کو لامذہب کہتے ہیں اور جن کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں وہ ایسے لوگوں کو اس حقیقت سے واقف کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں "لامذہب" تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ لامذہبیت خود ایک مذہب ہے۔ مذہب تو درحقیقت اس راستہ کا نام ہے جس پر ہم اپنی زندگی میں گامزن ہوں اس لئے جو راستہ بھی ہم نے اپنے لئے اختیار کر لیا وہی ہمارا مذہب ہے۔

امروز کہ آدینہ مرا در نام ست
مے نوش کن از قدح چہ جائے جام ست
(۴۸) ہر روز اگر یک قدح مے میخوردی
امروز دو خور کہ سید الایام ست

شوخی اور خوش طبعی خیام پر ختم ہے، کہتا ہے کہ آج تو جمعہ کا دن ہے آج تو چھوٹے چھوٹے پیمانوں سے پینے کے بجائے پورا قدح کا قدح چڑھا جانا چاہیئے اور روزانہ اگر ایک قدح شراب کا پیتے تھے تو آج کے دن دو پینے چاہئیں کیونکہ آج کا دن تمام دنوں کا سردار ہے، اور ایسے متبرک اور مقدس دن کا ہمیں کافی احترام کرنا چاہیئے۔ جمعہ کا دن عید المسلمین کہلاتا ہے۔ اس لیئے خیام کہتا ہے کہ اگر عید کے دن بھی وہی ایک پیالہ پیا تو پھر عید کی تعظیم اور حرمت کیا ہوئی عید کی حرمت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ جتنی شراب روزمرہ پیتے تھے اُس سے آج دگنی پی جائے۔ اور روز اگر پیالے سے پیتے تھے تو آج پورا قدح ہی منھ کو لگا لیا جائے۔

مے میخورم و مخالفاں از چپ و راست
گویند مخور بادہ کہ دیں را اعداست
(۴۹) چوں دانستم کہ مے عدوے دین ست
واللہ بخورم خونِ عدو را کہ رواست

اپنی شراب خواری کو جائز اور اپنی بادہ خواری کو عین ثواب ثابت کرنے کے لیئے خیام نے ایک بالکل ہی نئی دلیل پیش کی ہے۔ کہتا ہے کہ جب میں شراب پیتا ہوں تو میرے مخالفین چاروں طرف سے شور مچاتے ہیں کہ خبردار شراب نہ پینا، کیونکہ شراب تو دین اور مذہب کی دشمن ہے۔ لیکن اب جبکہ مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ شراب دین کی دشمن ہے تب تو میں ضرور ہی اسے پیوں گا۔ کیونکہ دشمن کا خون پینا تو بالکل جائز اور حلال ہے۔

دوران جہاں بے مے و ساقی ہیچ ست
(۵۰) بے زمزمہ نائے عراقی ہیچ ست

ہر چند در احوال جہاں می نگرم
حاصل ہمہ عشرت ست و باقی ہمہ ہیچ

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر شراب اور ساقی نہ ہو تو دنیا کا دور بالکل ہیچ اور فضول ہے۔ اسی طرح اگر نے کے دلکش ترانے نہ ہوں تب بھی یہ دُنیا اور اس کا انتظام سب بے کار ہے۔ میں جتنا جتنا دنیا کے حالات پر نگاہ دوڑاتا ہوں اسی قدر اس بات کا یقین ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس دنیا کا حاصل اگر کچھ ہے تو عیش و آرام ہے جو ہم حاصل کرلیں ورنہ باقی سب ہیچ اور لغو ہے۔

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت
در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
(۵۱) مے خور کہ ندانی ز کجا آمدہ
خوش زی چو ندانی کہ کجا خواہی رفت

خیام کہتا ہے کہ لوگو خوب سمجھ لو کہ تمہاری روح اور تمھارے جسم میں جدائی ہونے والی ہے۔ اور موت کا زبردست ہاتھ تمہیں اسرار الٰہی کے پردوں میں چھپا دے گا۔ ایسی حالت میں جب تمہاری بے خبری کا یہ عالم ہے کہ یہ بھی خبر نہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو، بہتر یہی ہے کہ دن رات شراب پیو اور مست اور بے خبر بنے رہو، اور جبکہ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ تمہیں کہاں جانا ہے تو مناسب یہی ہے کہ زندگی کے جو چند لمحے حاصل ہیں، اُنھیں لطف و عیش میں بسر کیا جائے۔

بر چہرۂ گل شبنم نوروز خوش ست
در صحن چمن روئے دل افروز خوش ست
(۵۲) از دے کہ گذشت ہر چہ گوئی خوش نیست
خوش باش و ز دے مگو کہ امروز خوش ست

خیام کی حقیقت بین نگاہوں میں نہ ماضی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ مستقبل کی۔ وہ تو صرف حال کا قائل ہے اور حال میں بھی سوائے اچھائی اور حُسن کے اور اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ کہتا ہے کہ پھولوں پر پڑی ہوئی نوروز کی اوس کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے، اور محبوب مطلوب کی ہمراہی میں باغ کی سیر کس قدر دل خوش کن ہے۔ وہ

تمام دنیا کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ دے یعنی خزاں کا مہینہ گزر چکا ہے اس کے متعلق تم جو کچھ بھی کہوگے وہ فضول ہے اور بری بات ہے، تم تو بس ہر وقت مست اور مگن رہو اور گذری ہوئے کل کا ذکر ہی نہ کرو، کیونکہ جو گذر چکا وہ گذر چکا، آج کا دن جو اس وقت حاصل ہے وہ تو اچھا اور پرلطف ہے۔

یزداں چو گل وجود مارا آراست
دانست ز فعل ما چہ خواہد برخاست
بے حکمش نیست ہر گناہے کہ مراست (۵۳)
پس سوختن قیامت از بہر چہ خواست

خالق ارض و سما کا ایک شریر اور گستاخ بندہ، وہی بندہ جسے علم و فضل دیگر مسجود ملائک بنایا گیا تھا کہتا ہے کہ خدائے پاک نے جس وقت ہمارے جسموں کی مٹی کو آراستہ کیا تھا اور انسان کا پتلا خاک سے تیار کیا تھا اسی وقت اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم سے کیسے کیسے افعال سرزد ہونگے اور دنیا میں پہنچکر ہم کیا کچھ کریں گے۔ اس لئے اب جو گناہ بھی میں کرتا ہوں وہ اسی کے حکم سے کرتا ہوں اور میری رندی اور شراب خواری اس کے حکم کے بغیر نہیں ہے۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ قیامت کے دن میرے گناہوں کی سزا مجھے ملے، اور میرا دوزخ میں جلایا جانا اُسے پسند آئے۔

اس رباعی میں ایک دلچسپ اور لطیف اشارہ کلام مجید کی ان آیات کی طرف ہے جن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اس واقعہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ارادہ فرمایا کہ آدم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنائے تو فرشتوں نے تعجب اور حیرت کے ساتھ عرض کیا کہ بارالٰہا کیا تو ایسی مخلوق کو اپنا خلیفہ مقرر کرے گا کہ جو زمین پر فساد کرتا پھرے اور خون بہائے۔ حالانکہ ہم رات دن تیرے نام کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب درگاہِ الٰہی سے انہیں یہ ملتا ہے کہ انی اعلم مالا تعلمون یعنی ہمیں ہر بات کا علم ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اُس کی تمہیں خبر نہیں ہے۔ خیام کہتا ہے کہ جب آپ کو سب کچھ خبر تھی تو پھر اگر ہم دنیا میں فساد اور سفک الدم کریں تو پکڑ دھکڑ کیسی اور سزا و جزا کیوں؟

با بادہ نشیں کہ ملک محمود این ست

در چنگ شنو کہ لحن داؤد این ست
(۵۴)
از آمده و رفتہ دگر یاد مکن
حالا خوش باش زانکہ مقصود این ست

ماضی و مستقبل سے کامل بے پروائی اور زمانۂ حال سے پورا پورا لطف اٹھانا خیام کا اُصول زیست ہے، اور تقریباً اس کی تمام رباعیات میں اسی اُصول کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ اس رباعی میں بھی یہی ذکر ہے، کہتا ہے کہ شراب کے خوب جام پر جام پیو اڑاؤ، کیونکہ محمود کے ملک کے بادشاہت یہی ہے اور نغمہائے چنگ سنو کہ یہی لحنِ داؤد ہے، دنیا میں جو بلائیں آچکیں، یا جو اچھا یا بُرا وقت گذر چکا اس کی یاد میں وقت ضائع نہ کرو۔ بلکہ موجودہ زمانہ میں خوش رہو کیونکہ زندگی کا مقصد اصلی تو یہی ہے کہ عیش و خرمی میں گذرے۔

اے وائے بر آں دل کہ در و سوزے نیست
سودا زدۂ مہر دل افروزے نیست
(۵۵)
روزے کہ تو بے بادہ بسر خواہی برد
ضائع تر ازاں روز ترا روزے نیست

خیام کہتا ہے اس دل کی حالت پر ہزار افسوس کہ جس میں کسی طرح کا سوز نہ ہو، اور جو اس قدر بدنصیب ہے کہ کسی محبوب دل افروز کی محبت کا سودا نہیں رکھتا، شراب کے بغیر اپنی عمر کا جو دن بھی تو نے گذارا وہ بے کار گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیری تمام عمر میں اس سے زیادہ فضول اور بے کار تیرا اور کوئی دن نہیں ہے۔

کو مطرب و مے تا بدہم داد صبوح
خوش وقت دلے کہ می کند یاد صبوح
(۵۶)
مارا بہ جہاں سہ چیز می باید خوش
سرمستی و عاشقی و فریاد صبوح

صبوحی کا ایک جام بلا دغدغۂ انجام خیام کہتا ہے کہ شراب اور چنگ و رباب کہاں ہے لاؤ تاکہ میں صبح کے اِس سہانے وقت کی اچھی طرح داد دوں، وہی

دل خوش نصیب ہے کہ جو صبح کی یاد کرتا ہے۔ اس دنیا میں ہمیں ان تین چیزوں کے سوا اور کچھ درکار نہیں ہے۔ ایک تو شراب اور اس کی مستی، دوسرے کسی لالہ رخ کا عشق، اور تیسرے صبح کے وقت کا نالہ اور فریاد۔

قدرِ گل و مل بادہ پرستاں دانند
نے تنگدلاں و تنگدستاں دانند (۵۷)
از بے خبری بے خرداں معذورند
ذوقیست دریں بادہ کہ مستاں دانند

ارشاد ہوتا ہے کہ بہار اور شراب کی قدر صرف شرابی ہی جانتے ہیں جو لوگ تنگدل اور تنگدست ہیں وہ اس کی قدر کیا جانیں۔ بیوقوف اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور ہیں، وہ ان باتوں کو کیا سمجھ سکیں، اس شراب میں جو لطف اور ذوق ہے اس کا حال کچھ مستوں ہی کو معلوم ہے۔

بوئے خوش گل بزخم خارے ارزد
گر بادہ خوری ہم بہ خمارے ارزد (۵۸)
یارے کہ از و ہزار جاں تازہ شود
انصاف بدہ کہ انتظارے ارزد

دنیا میں جس چیز کے حصول میں انسان کو جس قدر زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں اُسی قدر وہ زیادہ عزیز اور محبوب ہوتی ہے، اور ہر اچھی چیز اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے لیئے تکلیفیں برداشت کی جائیں۔ رنج کے بغیر اگر گنج حاصل ہو جائے تو نہ اس کی کچھ قدر ہوتی ہے اور نہ کوئی لطف آتا ہے، اور انسان اسی دولت سے خوش ہوتا ہے جسے قوتِ بازو سے کمائے۔ اسی فلسفہ کو خیّام اس طرح بیان کرتا ہے کہ پھولوں میں خوشگوار بو ہے وہ ضرور اس قابل ہے کہ ہم اس کے لیئے کانٹوں کے زخم کھائیں، شراب میں جو سرور اور کیفیت ہے اس کے لیئے ہم خمار کی تکلیف اٹھائیں تو بالکل بجا ہے۔ ایسا محبوب کہ جس کی صورت دیکھتے ہی بدن میں جان سی آ جائے ازروئے انصاف وہ ضرور اس قابل ہے کہ اس کے لیئے انتظار کی تکلیفیں برداشت کی جائیں۔

دستے چو مَے کہ جام وساغر گیرد
حیف ست کہ آں ز بادہ کمتر گیرد
(۵۹) تو زاہد خشکی و منم فاسق تر
آتش نہ شنیدہ ام کہ در تر گیرد

تردامن گنہ گار کو کہتے ہیں، خیام نے لفظ "تر" سے اس رباعی میں فائدہ اٹھا کر اس کا لطف دو بالا کر دیا ہے۔ کہتا ہے کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ میرا جیسا ہاتھ کہ جس میں جام و ساغر رہتا ہے اسے پینے کے لیے شراب نہ ملے۔ اس کے بعد زاہد سے خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ تو زاہد خشک ہے اور میں تردامن فاسق، تو کہتا ہے کہ میں دوزخ میں جلایا جاؤں گا۔ مگر میں نے تو کبھی ایسا دیکھا ہی نہیں کہ گیلی چیز آگ پکڑتی ہو، آگ میں تو خشک ہی چیزیں تیزی اور آسانی سے جلتی ہیں۔

زاں پیش کہ نام تو ز عالم برود
مے خور کہ چو مے رسد بدل غم برود
(۶۰) بکشائے سر زلف بتے بند ز بند
زاں پیش کہ بند بندت از ہم برود

کل کیا ہوگا اس فکر میں گھلنا اور آج جو موقعہ حاصل ہے اس غم میں اس کا بھی لطف اٹھانا خیام کے مذہب میں گناہ ہے۔ اس کا اصول تو یہ ہے کہ کل جو کچھ ہوتا ہے وہ ہوتا رہے گا، ہم اپنے آج کے عیش کو اس کے اندیشہ سے کیوں برباد کریں، اس رباعی میں وہ یہ کہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ تیرا نام و نشان اس دنیا سے مٹ جائے تو خوب شراب پی، کیونکہ شراب جب دل تک پہنچتی ہے تو اس کا اثر یہی ہوتا ہے کہ سب غم اور فکر کو بھلا دیتی ہے جس سے تجھے عشق ہے۔ اس کی ہمنشینی کا لطف اٹھا، اور ایک ایک کر کے اس کی زلف کے بند کھول اس سے پہلے کہ ایک ایک کر کے تیرے اپنے بدن سے سب جوڑ کھل کر الگ الگ ہو جائیں۔

غافل غم و اندیشۂ لاشے نہ خورد

جز جام لبالب و پیاپے نخورد
(۶۱) غم در دل و بادہ در صراحی باشد
خاکش بسراں کہ غم خورد مے نخورد

کہتے ہیں کہ عقلمند انسان فرضی اور غیر موجود چیزوں کا غم یا فکر نہیں کیا کرتا اُس کا تو بس ایک ہی کام ہے اور وہ یہ کہ شراب کے جام لبالب بھر کر پے در پے چڑھاتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ غم تو نگاہوں سے پوشیدہ انسان کے دل کے کونے میں پڑا ہوتا ہے اور شراب نفیس اور خوبصورت صراحیوں میں رکھی ہوتی ہے، ایسی حالت میں وہ شخص کتنا احمق ہے کہ ایک حسین و خوشنما چیز کو چھوڑ کر جو اسے نظر آ رہی ہے غم کھانے میں مصروف ہو جائے کہ جو کہیں دکھائی تک نہیں دیتا۔

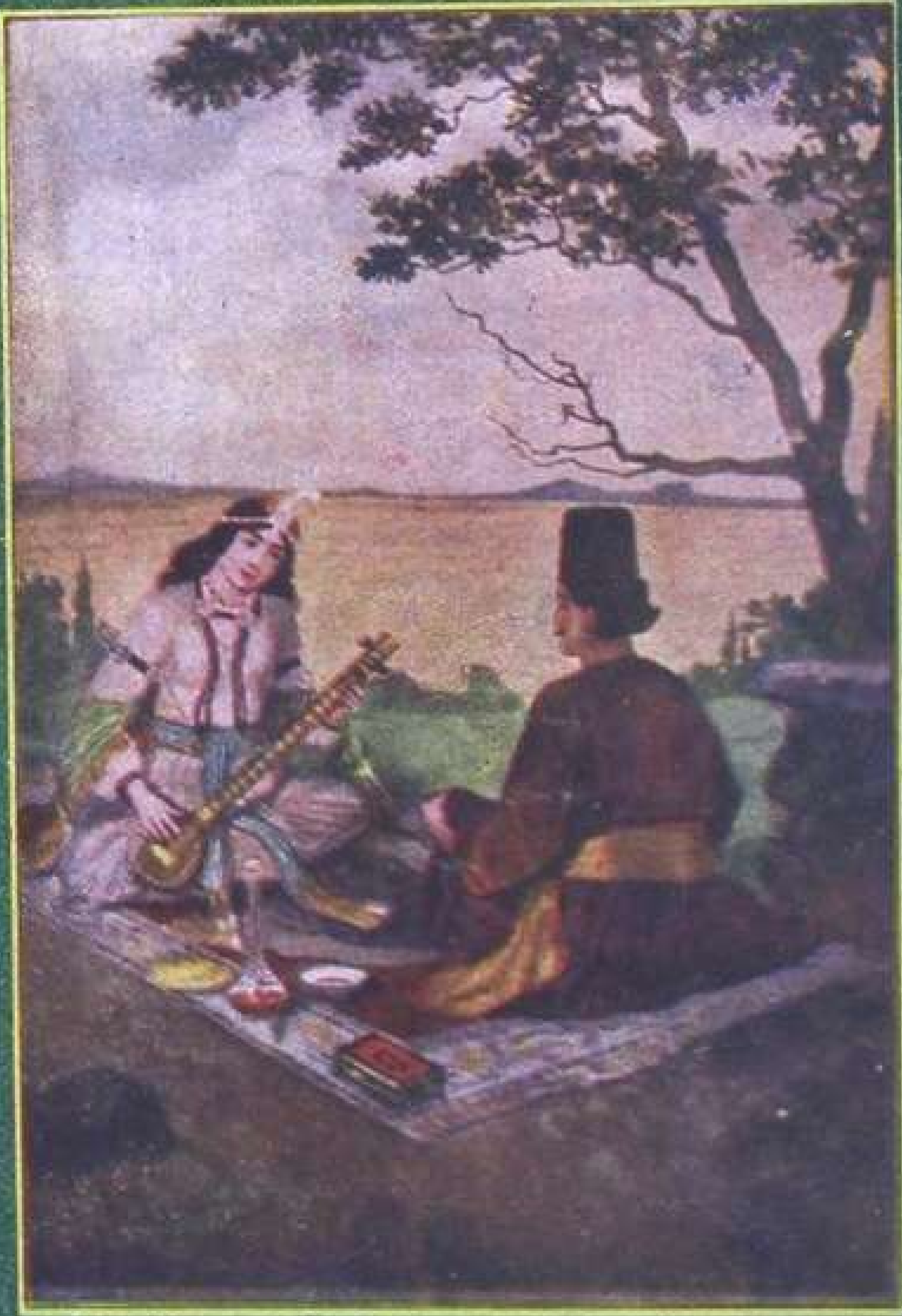
کم کن طمع از جہاں کہ میری خورسند
از نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
(۶۲) خوش باش دمے چنانکہ ایں دور فلک
ہم بگسلد و نماند ایں روزے چند

خیام کہتا ہے کہ دنیا اور آسائش دنیا کا لالچ دل سے دور کر دے تاکہ تیری زندگی مسرتوں سے بھری ہوئی گذرے اور مرتے وقت تو خوش و خرم ہو اور زمانہ کی اچھائی اور برائی سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھ، فرصت کا جو ایک لمحہ تجھے آج حاصل ہے اسے غنیمت سمجھ اور اسے عیش و مسرت میں گذار کیونکہ آسمان کا یہ دور بھی ضرور ختم ہو گا اور یہ حالت بھی چند روز تک نہ رہے گی۔

زاں پیش کہ غمہات شبیخوں آرند
فرما کہ تا بادۂ گلگوں آرند
(۶۳) تو زر نۂ اے غافل ناداں کہ ترا
در خاک نہند و باز بیروں آرند

دنیا کی لذتوں سے لطف اُٹھانے اور رات دن عیش اڑانے کی نصیحت اس رباعی میں ایک نہایت ہی خوبصورت طریقہ پر کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اس

کتاب پیام خیام



در سنگ اگر شوی چوبار اے ساقی۔هم آب اجل کند گزار اے ساقی
خاکیست جهں غزل بخواں اے مطرب بادست نفس بادہ بیمار اے سا

Calcutta Art Press Delhi.

وقت سے پہلے کہ ہر قسم کے غم و آلام تیرے دل پر چھا پائیں اور تیرے دل کو مردہ اور افسردہ کردیں تو ساقی کو حکم دے کہ وہ تیرے لئے شراب لے آئے۔ اے بے وقوف اور بھول جانے والے انسان تو اتنا تو سمجھ کہ تو سونا تو نہیں ہے کہ ایک مرتبہ تجھے زمین میں دفن کردینے کے بعد لوگ پھر نکالتے پھریں تو تو جب ایک مرتبہ خاک کے نیچے پہنچا تو بس پہنچا۔ اس دنیا میں تجھے لوٹ کر پھر آنا نصیب ہو سکتا۔

چوں مردہ شوم خاک مرا گم سازند
احوال مرا عبرت مردم سازند
بس خاک و گلم بباده آغشته کنند (۶۴)
وز کالبدم خشت سر خم سازند

آب آتش لباس کے عشق سے مدہوش ہو کر خیام کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کارکنان قضا و قدر حسب دستور میری خاک کے ذروں کو منتشر اور برباد کردیں گے اور میری بربادی کو لوگوں کے لئے سامان عبرت بنائیں گے۔ لیکن اس کے بعد بھی میرے لئے آب انگور سے سرشار ہونے کا ایک موقعہ ہے، اور وہ یہ کہ جب میرا جسم بالکل خاک ہو چکے گا تو اس خاک کو شراب میں گوندھ کر وہ اینٹیں بنائی جائیں گی کہ جن پر شراب کے مٹکے رکھے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ میری ظاہری حالت خواہ کتنی بھی تباہ و برباد کیوں نہ ہو جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ میرے دل سے کوئی اس عشق الٰہی کو نکال سکے کہ جو اس کی رگ رگ میں پیوست ہو چکا ہے، مرنے کے بعد بھی میری خاک کا ہر ہر ذرہ اسی آفتاب ازلی کے پرتو سے درخشاں اور تاباں رہے گا۔

وقتے کہ طلوع صبح ازرق باشد
باید بہ کف تو جام مروق باشد
گویند کہ حق تلخ بود در ہمہ حال (۶۵)
باید بہ ہمہ حال کہ مے حق باشد

ارباب زمانہ کو خیام نصیحت کرتا ہے کہ جب دن نکلنے کا وقت ہو اور ہلکی ہلکی نفشئی روشنی کی جھلک نمودار ہونے لگے تو اس وقت مناسب یہی ہے کہ تمہارے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہو، عربی کا ایک مقولہ ہے کہ الحق مر کہ یعنی حق بات تلخ ہوتی ہے اس کا حوالہ

دے کر خیام کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حق تلخ ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آیا کہ شراب ہر حالت میں برحق ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ تلخ ہوا کرتی ہے۔

در دہر چو آوازۂ گل تازہ دہند
فرمائے پیالۂ مے بہ اندازہ دہند
(۶۶) از دوزخ و از بہشت و از حور قصور
فارغ بنشیں کہ آں خود آوازہ دہند

جب دنیا میں نئے نئے پھول کھلنے لگیں اور ہوا اپنی گود میں ان کی خوشبو لئے ہوئے گھر گھر موسم بہار کی آمد کا شہرہ سناتی پھرے تو تو اسی وقت شراب کے پیالے کی فرمائش کر دے کہ تجھے ناپ کر ایک پیالہ دیدیا جائے۔ اور جہاں تک دوزخ اور بہشت اور حور اور قصور کا تعلق ہے تو ان کی طرف سے تو بالکل بے فکر اور بے پروا ہو کر بیٹھ جا کیونکہ یہ چیزیں جب خدا نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہیں تو بندوں کے سوا کسی اور کو نہیں مل سکتیں، اور ہم ان کے لیئے کوشش کریں یا نہ کریں وہ بہر صورت وبہر حال خود آوازیں دے دے کر ہمیں بلائیں گی۔

آں روز کہ توسنِ فلک زیں کردند
آرائشِ مشتری و پرویں کردند
(۶۷) ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا
ما را چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

جبر اور اختیار کا مسئلہ مسلمانوں میں ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور حکمائے اسلام نے اس پر مدتوں معرکۃ الآرا بحثیں کی ہیں۔ خیام کو اپنا فائدہ اس میں نظر آتا ہے کہ اپنے آپ کو مجبور محض تصور کرے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جس دن یہ آسمان کا گھوڑا سجایا گیا تھا اور جس دن مشتری اور پرویں کی آرائش کی گئی تھی، یعنی جس دن اُس خالق موجودات نے اس کارگاہ عالم کو بنایا تھا اُسی دن قضائے الٰہی کے دفتر میں ہمارا نصیب لکھ دیا گیا تھا اور اس دنیا میں رہ کر ہمیں اچھے یا بُرے جیسے بھی کام کرنے تھے یا متعین کر دیے گئے تھے، ایسی حالت میں اگر ہم سے گناہ سرزد ہوتے ہیں تو ہمارا کیا قصور؟

آنہا کہ گشندہ شراب نا بند
وانہا کہ بہ شب مدام در محرا بند (۶۸)
بر خشک یکے نیست ہمہ در آبند
بیدار یکے ست دیگراں در خوابند

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو رات دن شراب پیا کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جو رات رات بھر کھڑے رہ کر عبادت الٰہی کیا کرتے ہیں سب کے سب تردامن اور گنہ گار ہیں اور ان میں سے خشک اور معصوم ایک بھی نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ سب کے سب غافل اور بےخبر ہیں۔ اور پڑے سو رہے ہیں، بیدار اور ہوشیار اگر کوئی ہے تو بس وہی ایک ذات ہے کہ جس نے خود اپنی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ لا تاخذہٗ سنۃٌ ولا نوم،

عمرت تاکے بہ خود پرستی گذرد
یا در پے نیستی و ہستی گذرد (۶۹)
مے خور کہ چنیں عمر کہ غم در پے نیست
آں بہ کہ بخواب یا بہ مستی گزرد

خیام کہتا ہے کہ آخر تم کب تک اپنے نفس کی پرستش کیئے جاؤ گے اور کب تک تمھاری عمر خود پرستی میں گذرا کرے گی، یا یہ کہ تم کب تک اس ہست و نیست کے فضول جھگڑے میں پھنسے رہو گے، ان سب فضولیات کو چھوڑ دو، اور مزے سے شراب پیو کیونکہ جس عمر کے پیچھے غم لگا ہوا ہو اور جس میں قدم قدم پر غم والم سے سابقہ پڑنا لازمی ہو اُسے دو ہی طریقوں سے گذارنا بہتر ہے یا تو سو سو کر گذار دو، یا پھر مستی و مدہوشی میں گذار دو تاکہ رنج و غم کا احساس ہی نہ ہو۔

مے خور کہ تنت بخاک در ذرہ شود
خاکت پس ازاں پیالہ و خمرہ شود (۷۰)
از دوزخ و وز بہشت فارغ می باش
عاقل بہ چنیں عمر چرا غرہ شود

کہتے ہیں کہ تو کہاں دنیا کے مخمصوں میں پھنسا اور فکروں میں جان گھلا رہا ہے مزے سے بیٹھ کے شراب پی، چند روز میں یہ تیرا جسم خاک میں مل کر خاک کے ذروں

میں تبدیل ہونے والا ہے اور پھر تیری خاک سے شراب کے پیالے اور مٹکے بننے والے ہیں، دوزخ اور بہشت کی مطلق فکر نہ کر اور کامل بے پروائی اختیار کر لے، یہ دو دن کی عمر ہے اس پر عقلمند آدمی مغرور نہیں ہوا کرتے۔

گویند و بہشت و حوض کوثر باشد
وانجا مے ناب و شہد و شکر باشد
پر کن قدح بادہ و بر دستم نہ (۷۱)
نقدے ز ہزار نسیہ بہتر باشد

لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اس دوسرے عالم میں بہشت ملے گی، اور حوض کوثر کی شراب میسر آئے گی۔ طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی، خالص شراب ہوگی، شہد ہوگا، شکر ہوگی، یہ سب ٹھیک ہے، ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر مجھے تو میرا پیالہ شراب سے بھر کر یہیں میرے ہاتھ میں دیدو، کیونکہ میرا اصول تو یہ ہے کہ صرف ایک پیالہ جو اسی وقت نقد مل جائے وہ اُدھار کے ہزار پیالوں سے بہتر ہے۔

مے خور کہ ز تو قلت و کثرت ببرد
واندیشۂ ہفتاد و دو ملت ببرد
پرہیز مکن ز کیمیائے کہ ازو (۷۲)
یک جرعۂ مے ہزار علت ببرد

اگر تمہیں یہ منظور ہے کہ قلت اور کثرت یا خلوت و جلوت کے جھگڑوں سے نجات مل جائے، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مذہب کے بہتّر فرقوں سے کوئی واسطہ یا کوئی اندیشہ نہ رہے تو اس کے لیے صرف ایک ہی تدبیر ہے اور وہ یہ کہ اس کیمیا کا استعمال کرو جس کا ایک ایک گھونٹ ہزاروں بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ یعنی شراب پیا کرو۔

اے ہمنفساں بہ مے قوت کنند
ویں چہرۂ کہربا چو یاقوت کنند (۷۳)
چوں فوت شوم بہ مے بشوئید مرا
وز چوب رزم تختۂ تابوت کنند

میرے دوست احباب رات دن مجھے ...... شراب پلایا کریں، اور میرے

چہرہ کو جو کہربا کی طرح زرد ہو رہا ہے شراب کے اثر سے یاقوت کی طرح سرخ کر دیا کریں،
یہی نہیں بلکہ انہیں چاہیئے کہ جب میں مرجاؤں تو پانی کی بجائے مجھے غسل بھی شراب سے
دیں اور میری میت کے لئے جو تابوت بنایا جائے وہ بھی انگور کی لکڑی کا ہو،

یک جام ہزار مرد با دیں ارزد
یک جرعۂ مے مملکتِ چیں ارزد
(۶۴) در روئے زمیں چیست ز بادہ خوشتر
تلخی کہ ہزار جانِ شیریں ارزد

شراب کا صرف ایک پیالہ قیمت میں ہزار زاہدوں کے برابر ہے، اور شراب کے ایک گھونٹ کی قیمت چین کی سلطنت سے کم نہیں ہوتی، اس دنیا میں شراب سے زیادہ اچھی اور کون سی چیز ہو سکتی ہے، یہی ایک ایسی تلخی ہے جس کی قیمت میں ہزاروں عزیز جانیں دی جا سکتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس رند کے دل میں معرفت الٰہی کی شراب موجود ہے وہ ہزاروں زاہدانِ ریاکار سے بہتر ہے۔

در میکدہ جز بہ مے وضو نتواں کرد
واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
(۶۵) خوش باش کہ ایں پردۂ مستوری ما
بدریدہ چناں شد کہ رفو نتواں کرد

کہتا ہے کہ شراب خانے میں وضو بھی اگر کرنا ہے تو شراب ہی سے کرنا پڑے گا وہاں پانی کہاں رکھا ہے، اور جو نام کہ بد ہو چکا اسے پھر نیک کیسے بتایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں بے فکر ہو جانا چاہیئے، اور کوئی غم نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اب ہمارے عیبوں کا پردہ اس حد تک چاک ہو گیا ہے کہ اس میں رفو نہیں ہو سکتا، مطلب یہ ہے کہ رندی میں ہمارا نام نکل چکا اور ہماری شراب خواری کا راز سب پر کھل گیا۔ اس لئے اب ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ اخفاء راز کی جو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی اس سے بھی آزاد ہو گئے۔

بر روئے نکوئی و لب جوئی و لِ ورد
تا بتوانم عیش و طرب خواہم کرد
(۶۶) تا بودہ ام و باشم و خواہم بودن

مے خوردہ ام و مے خورم و خواہم خورد

حسین اور پاکیزہ صورتوں کی صحبت میں، دریا کے کنارے پیالوں میں بادۂ گلگوں انڈیل انڈیل کر مجھ سے تو جب تک بھی ممکن ہو سکے گا عیش و طرب ہی میں گزارے جاؤں گا۔ جب سے میں تھا، جب تک میں ہوں، اور جب تک میں دنیا میں رہوں گا میں شراب ہی پیتا رہا، پیا کرتا ہوں، اور پیتا رہوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک دنیا میں نیکی اور حسن موجود ہے، اور جب تک قدرت الٰہی کے دلچسپ نظارے میری آنکھوں کے سامنے ہیں اس وقت تک مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا کہ بیٹھ کر تسبیح کے دانے گھمانے کی فضول محنت کیا کروں، میں نے تو دنیا کی ہر چیز میں حسن کو تلاش کر کے معرفت الٰہی حاصل کی ہے، اور اسی عرفان کی شراب سے ہمیشہ سرشار و سرمست رہنے کی ٹھان لی ہے

پیوستہ خرابات نہ رنداں خوش باد\
در دامنِ زہد زاہداں آتش باد\
آں دلق بصد پارہ و آں صوف کبود (۷۷)\
افگندہ بزیر پائے دردی کش باد

عالم مستی میں خیام خدا سے دعا بھی مانگتا ہے تو یہ کہ یا اللہ یہ شراب خانہ ہمیشہ رندوں کے دم سے شاد آباد رہے، اور زاہدانِ خشک کے دامن میں جنھیں تردامنی سے ڈر لگا کرتا ہے ہمیشہ آگ رہے۔ ان کی وہ سینکڑوں پیوندوں والی عبا ریاکاری، اور ان کے نیلے رنگے ہوئے کپڑے ہمیشہ تلچھٹ اڑانے والے رندوں کے پیروں کے نیچے پامال اور ذلیل ہوتے رہیں۔

در سر ہوس بتاں چو حورم باد\
بر دست ہمیشہ آب انگورم باد\
گویند کساں مرا خدا توبہ دہاد (۷۸)\
او خود ندہد من نکنم، دورم باد

دوسری دعا جو خیام کی زبان پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوندا میرے دل میں ہمیشہ حوروں کی طرح حسین و نازنین معشوقوں کا عشق موجود رہے، اور میرے ہاتھ کبھی بادۂ انگور کے چھلکتے ہوئے جام سے خالی نہ رہیں۔ لوگ میرے حق میں یہ دعا کرتے ہیں کہ خدا

مجھے توبہ کی توفیق دے، لیکن جب خدا خود ہی ایسی توفیق مجھے نہیں دیتا اور وہ مجھ سے اسی حال میں راضی ہے تو میں کیوں توبہ کروں، تو یہ مجھ سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔

توبہ مکن از مے اگرت مے باشد
صد تائب بادغات در پے باشد
(۷۹)
گل جامہ دراں و بلبلاں نعرہ زناں
در وقت چنیں توبہ روا کے باشد

کمال شفقت اور مہربانی سے خیام سب لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ جب تک تمہیں شراب میسر آتی رہے اُس وقت تک ہرگز ہرگز اس سے توبہ نہ کرنا خواہ سینکڑوں ہی شراب سے توبہ اور پرہیز کرنے والے دغاباز تمہارے پیچھے کیوں نہ پڑیں، موسم تو ایسا ہے کہ پھول خوشی کے مارے اپنے کپڑے پھاڑے ڈالتے ہیں، اور جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں۔ اور بلبلوں نے اپنے ترانوں اور نغموں کے شور سے آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے، اور تم توبہ کا خیال کر رہے ہو، توبہ توبہ! ایسے وقت میں توبہ جائز ہی کب ہے؟ مطلب یہ کہ تمام مخلوق الٰہی تو حمد باری تعالیٰ کے ترانے گا گا کر اور خوشیاں منا منا کر اپنے خالق کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ اور تم ایسے نشاط انگیز وقت میں ظاہری عبادت و ریاضت کے خیال میں پڑے ہو اور دل کو عیش و سُرور سے بہرنے کے بجائے ان چیزوں سے بھاگتے ہو، یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

تا یار شراب جاں فزایم ندہد
صد بوسہ فلک بر سرو پایم ندہد
(۸۰)
گویند کہ توبہ کن اگر وقت آید
چوں توبہ کنم اگر خدایم ندہد

شراب معرفت کا متوالا خیام کہتا ہے کہ جب تک میرا محبوب مجھے شراب جاں بخش کا جام نہ پلائے اُس وقت تک مجھے ایسا عروج کہاں حاصل ہو سکتا ہے کہ میں آسمان سے بھی بلند ہو جاؤں اور وہ بھی میرے سر اور قدموں کو بوسہ دے لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارا وقت آ جائے تو توبہ کر لینا مگر ان کی یہ بات میری سمجھ ہی میں نہیں آتی کیونکہ جب خدا ہی مجھ سے توبہ نہ کرائے تو میں توبہ کیونکر کر سکتا ہوں۔

با مے بہ کنار جوئے می باید بود
از عرصہ کنار جوئے می باید بود
(۸۱) ایں نزہت عمر ما چو گل دہ روز است
خنداں لب و تازہ روئے می باید بود

اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ خیام ہمیں یہ تعلیم کرتا ہے کہ نہر کے کنارے بیٹھے شراب پیتے رہیں، اور دنیا و مافیہا سے کوئی تعلق نہ رکھیں، وہ کہتا ہے کہ ہماری عمر کی تازگی ایک پھول کی طرح صرف چند روز کی ہے اس لیئے اس مختصر وقت کو غنیمت سمجھنا اور ہر وقت خوش و خرم رہنا چاہیئے۔

تا زہرہ و مہ بر آسمانند پدید
بہتر زمے لعل کسے ہیچ ندید
(۸۲) من در عجبم کہ مے فروشان کالشان
بہ زانکہ فروشند چہ خواہند خرید

ارشاد ہوتا ہے کہ جب سے زہرہ اور چاند آسمان پر ظاہر ہوئے ہیں، یعنی جب سے یہ دنیا بنی ہے، آج تک کسی نے مے لالہ فام سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی ہے اور اس کے باوجود جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ شراب فروش اسے اپنے پاس رکھنے کے بجائے بیچ ڈالتے ہیں تو مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسی نادر زمانہ چیز کو بیچ کر آخر یہ بے وقوف اور کون سی چیز خریدیں گے۔

گر یار منند ترک طامات کنند
غمہائے مرا بمے مکافات کنند
(۸۳) چوں در گذرم خاک مرا خشت کنند
در رخنہ دیوار خرابات کنند

لوگوں کے ہر وقت کے طعن و تشنیع سے تنگ آکر خیام کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ میرے دوست ہیں تو انہیں چاہیئے کہ لعنت ملامت تو چھوڑ دیں اور شراب پلا پلا کر میرے غموں کا بدلہ کریں۔ جب میں مر جاؤں تو میری خاک لے کر اس سے اینٹ بنائیں اور اس اینٹ کو اس کام میں لائیں کہ میخانہ کی دیوار میں جہاں کہیں کوئی سوراخ

ہو اس میں ٹھونس دیں تاکہ مرنے کے بعد بھی مے و میخانہ سے مجھے دوری نہ ہونے پائے۔

من مے خورم و ہر کہ چو من اہل بود
مے خوردن او نزد غذا سہل بود
مے خوردن من حق ز ازل میدانست (۸۴)
گر مے نخورم علم خدا جہل بود

اپنی بے درپے مے نوشی کے جواز میں خیام نے ایک نہایت ہی عجیب اور لطیف دلیل پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں شراب پیتا ہوں اور میری طرح اور جتنے لوگ اہل دل یا اہل معرفت ہیں وہ بھی کھانے کے ساتھ شراب پیا کرتے ہیں میری اس شراب نوشی کا اللہ تعالیٰ کو روز ازل سے علم تھا، اب اگر آج میں شراب چھوڑ دوں تو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کا علم غلط ہو جائے گا۔

از دفتر عمر پاک می باید شد
در دست اجل ہلاک می باید شد (۸۵)
اے ساقی مہ لقا تو خوش خوش مارا
آبے درده کہ خاک می باید شد

کہتا ہے کہ عمر اور زندگی سے ہمیں اپنا نام خارج کرانا ہی پڑے گا اور قضا کے ہاتھوں ہلاک ہو جانا ناگزیر ہے۔ اس لیئے اے حسین و خوش رو ساقی تو خوش ہو کر ہمیں اپنے ہاتھ سے شراب پلا دے، آخر تو ہمیں خاک میں ملنا ہی ہے۔

ہر جرعہ کہ ساقیش بخاک افشاند
در دیدہ من آتش غم بنشاند (۸۶)
سبحان اللہ تو بادہ می پنداری
آبے کہ ز صد درد دلت برہاند

ساقی جو شراب کے چند قطرے زمین پر گرا دیتا ہے وہ بھی خیام کو ناگوار ہے اور وہ کہتا ہے کہ ساقی اس طرح شراب کے چند قطرے ضائع کر کے میری آنکھوں میں رنج و غم کی آگ بھر دیتا ہے اور مجھ سے اس کی یہ ناقدر شناسی نہیں دیکھی جاتی۔

خدا کی شان ہے کہ وہ ایسے پانی کو شراب سمجھتا ہے جس سے کہ دلوں کے سینکڑوں درد دور ہو جاتے ہیں۔

چوں دست بداماں ہوس می نرسد
جامے بمراد دل بہ کس می نہ رسد
دردہ قدح دُرد کہ جام صافی
زیں شیشۂ فیروزہ بہ کس می نرسد (۸۷)

دنیا میں جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کی ہوسیں اور تمنائیں پوری نہیں ہوا کرتیں، اور ہر شخص کو آرزوؤں میں ناکامی اور محرومی نصیب ہوتی ہے تو ایسی صورت میں خیام یہ مشورہ دیتا ہے کہ جب دامانِ ہوس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور کسی کے ہاتھ میں شراب مراد کا پیالہ نہیں آتا تو یہ بہتر ہے کہ مجھے تلچھٹ ہی کا ایک پیالہ دیدو کیونکہ صاف اور چھنی ہوئی شراب کا جام تو اس آسمان کے ہاتھ سے کسی کو بھی میسر نہیں آسکتا۔

نے جامۂ عمر کہنہ نو خواہد شد
نے سرِ جہاں بہ کام تو خواہد شد
مے خور بہ سبو و کوزہ اندوہ مخور
کیں کوزہ چو بشکند سبو خواہد شد (۸۸)

ہماری عمر کا لباس ایک مرتبہ پرانا ہو کر نیا نہیں ہو سکتا، یعنی ایک مرتبہ بوڑھے ہو جانے کے بعد ہم از سرِ نو جوان نہیں ہو سکتے۔ نہ یہ ممکن ہے کہ دنیا کا نظام ہماری مرضی اور ہماری خواہش کے مطابق ہو جائے۔ ایسی حالت میں مٹکا اور گھڑا جو کچھ ملے اس سے شراب پیے جاؤ، کیونکہ مٹکے ہی میں یہ عجیب صفت موجود ہے کہ ٹوٹ کر بھی گھڑا بن جاتا ہے۔ گویا شراب ہی ایسی چیز ہے کہ ضعیفوں اور بوڑھوں کو حیات تازہ بخشتی ہے۔

گر بادہ بہ کوہ در دہی رقص کند
ناقص بود آں کہ بادہ را نقص کند
از بادہ مرا توبہ چہ می فرمائی
او جنیت گہ او تربیت شخص کند (۸۹)

شراب کی تعریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ شراب وہ چیز ہے کہ اگر پہاڑ پر ڈال دو تو پہاڑ بھی مست اور سرخوش ہو کر ناچنے لگتا ہے اور جو لوگ کہ اس میں عیب اور نقص نکالتے ہیں وہ خود ناقص اور بُرے ہیں، بھلا تم مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں شراب سے توبہ کر لوں؟ شراب تو ایسی لطیف روح ہے کہ اس سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اور انسان پستی سے اُٹھ کر اعلیٰ ترین منازل پر پہنچ جاتا ہے۔ اس رُباعی میں پہاڑ کے رقص سے غالباً کلام مجید کی اس آیۂ کریمہ کی جانب اشارہ ہے کہ

لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ۔ (یعنی اگر ہم نے یہ قرآن پہاڑ پر نازل کیا ہوتا، اور اسے معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی تو وہ خوف خدا سے لرزنے اور کانپنے لگتا۔

(۹۰)

مے خواہم خورد تا کہ جانم باشد
گر سود جہاں جملہ زیانم باشد
اے جانِ جہاں دریں جہاں خوش بزیم
من کے دانم کہ آں جہانے باشد

کہتا ہے کہ میں تو شراب پیوں گا کہ اس سے زندگی کا لطف اور روح کو تقویت حاصل ہو۔ خواہ اس کے بدلے میں دنیا کے تمام منافع میرے لئے نقصان ہی کیوں نہ ہو جائیں اپنے محبوب مطلوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے جانِ جہاں میں تو اس دنیا میں خوشی و خرمی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں، مجھے اپنے انجام کا حال کیا معلوم ہے کہ کیا ہو گا۔ اور اس دوسری دنیا میں عیش و مسرت مجھے نصیب ہو گی یا نہ ہو گی، خیام اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہے کہ آج جو فرصت حاصل ہے اسے ہم کل کی تکلیفوں کے اندیشوں میں یا کل کے آرام کی اُمیدوں میں ضائع کر دیں۔ وہ نہ ماضی سے کسی قسم کا کوئی واسطہ رکھنا چاہتا ہے اور نہ مستقبل سے، وہ صرف زمانۂ موجودہ کا قائل ہے اور خواہ حالات کچھ بھی ہوں وہ اس زمانہ کو زیادہ سے زیادہ لطف و آرام کے ساتھ بسر کرنا، اور ہر قسم کے غم و اندوہ سے بے پروا رہنا چاہتا ہے۔ دنیا کی کوئی مصیبت اس کی مسرور روح کو المناک نہیں بنا سکتی، اور وہ ہر تکلیف میں بھی اپنے لئے آرام کی صورت ڈھونڈھ ہی لیتا ہے۔

من دامنِ زہد و توبہ طے خواہم کرد

با موئے سفید قصدِ مے خواہم کرد
پیمانۂ عمرِ من بہ ہفتاد رسید
(۹۱)
اینندم نہ کنم نشاطے کے خواہم کرد

اپنی آئندہ زندگی کے متعلق خیام اپنے عزم کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ بس میں تو اب پرہیز گاری اور توبہ کو بالائے طاق رکھدوں گا۔ اور سفید بالوں کے ساتھ شراب خواری کیا کروں گا۔ میری عمر اب ستر برس کی ہو چکی، بھلا اب بھی اگر میں عیش نہ کروں اور شراب نہ پیوں تو پھر کون سی عمر آئے گی۔؟

غم خوردنِ بیہودہ کجا دارد سود
کیں چرخِ فلک بسے چو ما کشت و ربود
(۹۲)
پر کن قدحِ مے بہ کفم بر نہ زود
تا نوش کنم کہ بودنیہا ہمہ بود

کہتا ہے کہ فضول اور بیہودہ باتوں کا غم کرنے اور لایعنی فکروں سے گھل گھل کر مرتے ہیں آخر کون سا فائدہ ہے، اس آسمان کے چکر کا تو رات دن یہی کام ہے کہ ہماری طرح کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو مارا اور فنا کر دیا۔ بس تم میرے ہاتھ پر تو شراب کا پیالہ بھر کر رکھدو تاکہ میں اسے پی جاؤں، اور یہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے اور ہوتا ہی رہے گا۔

شادی ہا کن کہ آں زماں خواہد بود
جسمت ہمہ در خاک نہاں خواہد بود
(۹۳)
تو بادہ خور و غمِ جہاں ہیچ مخور
خود غم خورد آں کہ در جہاں خواہد بود

خیام اہلِ دنیا کو نصیحت کرتا ہے کہ اٹھو خوب شرابیں پیو اور خوشیاں مناؤ، کیونکہ وہ زمانہ بھی اب آنے ہی والا ہے کہ جب تمہارا یہ بدن خاک مٹی کے نیچے دفن ہو گا ہو گا۔ تم تو بس شراب پیئے جاؤ اور دنیا کے رنج و غم سے کوئی واسطہ نہ رکھو، کیونکہ غم کھانا تو اس کے حصہ میں آئے گا جو اس دنیا میں رہے۔

اسرارِ ازل بادہ پرستاں دانند

قدرِ مے و جامِ تنگدستاں دانند

(۹۴) گر چشم تو حالِ من بداند چہ عجب

شک نیست کہ حالِ مست مستاں دانند

کہتا ہے کہ ازل کے بھید یعنی معرفتِ الٰہی کے راز اگر کسی کو معلوم ہیں تو وہ بادہ پرست لوگ ہیں، اور شراب اور پیالے کی قدر و قیمت اگر کسی کو معلوم ہے تو وہ غریبوں کا طبقہ ہے۔ اپنے محبوبِ حقیقی سے مخاطب ہو کر وہ کہتا ہے کہ اگر تیری آنکھ میرے حال سے واقف ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے، سب جانتے ہیں کہ ایک مست کا حال مست ہی کو خوب معلوم ہو سکتا ہے۔

از گردشِ روزگار بہرہ برگیر

بر تختِ طرب نشیں و ساغر درگیر

(۹۵) از طاعت و معصیت خدا مستغنی ست

بارے تو مرادِ خود ز عالم گیر

زمانہ کی گردش کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کسی کو ایک حال پر نہیں رہنے دیتا اس لیے خیام کہتا ہے کہ تم غفلت نہ کرو بلکہ عیش و راحت کا جتنا تمہارا حصہ ہے وہ پورا پورا لے لو اور خوشی و شادمانی کے تخت پر بیٹھ کر خوب شرابیں پی لو، اب رہا اللہ میاں کا ڈر تو اللہ میاں تو ہماری بزرگی اور گنہ گاری دونوں سے بے نیاز اور مستغنی ہے، اگر تمام دنیا رات دن اس کی بندگی کیے جائے تو اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور اگر دنیا بھر میں ایک فردِ واحد بھی اس کا نام لینے والا نہ رہے تب بھی اسے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا جب ایسی حالت ہے تو طاعت اور گنہ کا خیال ہی چھوڑ دو، اور اس دنیا سے جتنی مرادیں حاصل کر سکتے ہو وہ حاصل کر لو۔

وقتِ سحر ست خیز اے طرفہ پسر

پُر بادۂ لعل کن بلوریں ساغر

(۹۶) کایں یکدم عاریت دریں کنجِ فنا

بسیار بجوئے و نیابے دیگر

اے لڑکے یہ صبح کا سہانا سماں ہے اٹھ اور جلدی سے بلور کے پیالے

سُرخ سرخ شراب بھرے غفلت اور سُستی کی وجہ سے اس کام میں دیر نہ لگا کیونکہ خوش قسمتی سے اس دارِ فانی میں آج جو تجھے تھوڑی سی فرصت حاصل ہے، اور جو چند روز کا زمانہ تجھے یہاں رہنے کا ملا ہے وہ بالکل عارضی ہے اور ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر خواہ تو کتنا ہی اُسے ڈھونڈتا پھرے وہ ہرگز تیرے ہاتھ نہ آئیگا۔

آں لعل در آبگینۂ سادہ بیار
واں محرم و مونسِ ہر آزادہ بیار
(۹۷)
چوں میدانی کہ عالم آبِ خاک
بادیست کہ زود بگزرد بادہ بیار

حکم ہوتا ہے کہ وہ لعل کے رنگ کی شراب سادہ شیشے کے گلاس میں بھر کر لاؤ اور وہ چیز لاؤ کہ جو ہر آزاد منش انسان کی محرم راز اور مونس ہوتی ہے۔ جبکہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ اس خاکی دنیا میں رہنے کا زمانہ بہت ہی تھوڑا ہے اور ہوا کے جھونکے کی طرح جلدی سے گذر جاتا ہے تو پھر تم بھی جلدی کرو، اور جس قدر جلد ممکن ہو شراب نوشی میں مشغول ہو جاؤ۔

گر بُت رخ تُست بُت پرستی خوشتر
وز بادہ زجام تُست مستی خوشتر
(۹۸)
در مستی عشق تُز آں سبب نیست شدم
کاں مستیم از ہزار ہستی خوشتر

اس رباعی میں خیام نے بالکل صحیح طرح اپنا مسلک و مذہب ظاہر کر دیا ہے، اپنے محبوب حقیقی یعنی خدا سے مخاطب ہو کر وہ کہتا ہے کہ اگر تیرا چہرہ بت ہو تو اس بت کی پوجا کرنی بہت اچھی ہے اور اگر تیرے پیالے میں سے کچھ شراب پینے کو مل جائے یعنی تیری معرفت کی شراب میسر آجائے تو ہوشیاری کی بہ نسبت ایسی مستی بہت اچھی ہے۔ میں اگر تیرے عشق کی مستی میں فنا ہو گیا ہوں تو اس کا سبب ہے اور وہ یہ کہ ایسی مستی اور ایسی فنا پر ہزار زندگیاں اور ہستیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور
(۹۹)
یا با صنمے سادہ رخ و خنداں خور

بسیار مخور، ورد مکن، فاشش مساز
اندک خور و گہ گاہ خور و پنہاں خور

خیام کی زبان سے شراب نوشی کے آداب بھی سن لیجئے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا خیال یہ ہے کہ شراب نوشی انسان کی بدنامی کا باعث نہیں ہوتی بلکہ بے وقوف اور بدتمیز پینے والوں کی وجہ سے خود شراب کی بدنامی ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر شراب پینی ہے تو عقلمندوں کے ساتھ بیٹھ کر پیو، یا کسی بھولے بھالے شخص مثلاً محبوب دلنواز کے ساتھ، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ بہت سی نہ پیو۔ روز مرہ کا معمول بنا کر نہ پیو، اور پی کر سب پر ظاہر کرتے پھرو، بلکہ تھوڑی پیا کرو، گاہے ماہے پیا کرو، اور لوگوں سے پوشیدہ رکھ کر پیا کرو۔

این چرخ کہ با کسے نگوید راز
کشتہ بہ ستم ہزار محمود و ایاز
(۱۰۰)
مے خور کہ بہ کس عمر دو بارہ ندہند
ہر کس کہ شد از جہاں نمی آید باز

فرماتے ہیں کہ یہ آسمان جو خاموشی کے ساتھ ہر وقت چکر لگاتا رہتا ہے اور کبھی کسی کو اپنا بھید نہیں بتاتا، اس نے اپنے ظلم و ستم سے ہزاروں محمودوں کا خون بہا دیا۔ اور لاکھوں ایاز فنا کر ڈالے، تمہارا حشر بھی یہی ہوتا ہے۔ اس لئے اس عمر کو غنیمت سمجھو اور شراب پی کر عیش و مسرت میں گذارو، کیونکہ یہ عمر دوبارہ کسیکو نہیں ملتی، اور دنیا سے ایک مرتبہ جا کر پھر کوئی واپس نہیں آتا، گویا ہمیں جو کچھ فرصت حاصل ہے وہ یہی ہماری چند روزہ عمر ہے اگر اسے فضول اور لایعنی جھگڑوں میں گنوا دیا اور اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا تو پھر آئندہ اس دنیا میں آنے کا کوئی امکان نہیں۔

ما عاشق آشفتہ و مستیم امروز
در کوئے بتاں بادہ پرستیم امروز
(۱۰۱)
از ہستی خویشتن بکلی رستند
پیوستہ بہ محراب الستیم امروز

خیام کہتا ہے کہ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم عاشق ہیں اور عاشق بھی کیسے

پریشان حال اور مست، اور اب ہمارا مشغلہ یہ ہے کہ حسینوں کی گلی میں بیٹھے ہوئے شراب پیا کرتے ہیں۔ لیکن اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے، اور وہ یہ کہ ہم اپنی ہستی کو بالکل فنا کر چکے ہیں۔ اور خودی کی دنیا سے باہر نکل آئے ہیں۔ اور اب الست کی محراب سے لو لگائی ہے۔ گویا اب ہمارا تعلق دنیا سے نہیں ہے۔ بلکہ روز ازل سے ہے کہ جب خدائے پاک نے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ فرمایا تھا اور ہم نے اس کے جواب میں بلیٰ کہہ کر اس کی قدرت ربوبیت کا اعتراف کیا تھا۔

کردیم دگر شیوۂ رندی آغاز
تکبیر نمی زنیم بر پنج نماز (۱۰۲)
ہر جا کہ پیالہ الست ما را بینی
گردن چو صراحی سوئے او کردہ دراز

کہتا ہے کہ اب ہم نے پھر وہی رندی اور شراب خواری کا شیوہ اختیار کر لیا ہے اور ہم نماز پنجگانہ ادا کرنے کے لیے اب تکبیر نہیں کہتے، اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کہیں ہمیں شراب کا پیالہ نظر آجاتا ہے بس وہیں صراحی کی طرح سے گردن اس کی طرف بڑھا دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب ظاہری عبادات کی منزل سے گذر چکے ہیں اور اب ہر طرف شراب معرفت کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور جہاں کہیں اس شراب کے جام بٹتے نظر آتے ہیں، وہیں پہنچ جاتے ہیں۔

تا چند کنم عرصۂ نادانی خویش
بگرفت دل من از پریشانی خویش (۱۰۳)
زنار مغاں کہ بر مغاں خواہم بست
دانی زچہ! از ننگ مسلمانی خویش

کہتا ہے کہ میں کب تک اپنی حماقتوں کا ذکر کیے جاؤں، میرا دل اپنی پریشانی کی وجہ سے رنجیدہ اور کبیدہ ہے۔ میں جو آتش پرستوں کا جنیؤ اپنی کمر میں باندھنے پر آمادہ ہوں تو اس کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہے؟ اس کا باعث یہ ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی نامسلمانہ حرکات سے مجھے شرم آتی ہے۔

با روئے نکو شراب روشن در کش

با دوست دل از جفائے دشمن درکش
(۱۰۴) با سادہ رخے نشیں و بگزار از خویش
پیراہن کبر و ہستی از تن درکش

حسین اور خوبصورت محبوب کے ساتھ بیٹھ کر خمکدہ اور شیشہ کے اندر سے جھلکتی ہوئی شراب پی، دوست کی محبت اختیار کرکے دشمن کی جفائیں بھول جا، کسی خوشنما اور صاف چہرہ والے کے ساتھ بیٹھ، اور اپنے وجود کو فراموش کردے، اور غرور اور ہستی کا جامہ اپنے بدن سے اتار کر پھینکدے۔

مے گرچہ حرامست مدامش می نوش
با نغمہ و چنگ صبح و شامش می نوش
(۱۰۵) جامے زمے لعل گرت دست دہد
یک قطرہ رہا مکن تمامش می نوش

شراب اگرچہ حرام ہے، مگر اسے ہمیشہ پیا کر، نغمہ اور چنگ کے ساتھ اور موسیقی کی دلکش صداؤں کے ہمراہ صبح کو بھی پیا کر اور شام کو بھی پیا کر، اگر قسمت سے تجھے سرخ رنگ کی شراب کا ایک پیالہ کہیں سے مل جائے تو اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑ سارے کا سارا ہی جام پی جا۔

سرمست زمیخانہ گذر کردم دوش
پیرے دیدم مست و سبوئے بردوش
(۱۰۶) گفتم زخدا شرم نداری اے پیر
گفتا کرم از خداست می نوش خموش

کہتا ہے کہ میں کل شراب کی بھٹی کی طرف سے گذرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڈھا نشہ میں چور اور شراب کا گھڑا کندھے پر رکھے چلا آرہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بڈھے تجھے خدا سے بھی شرم نہیں آتی اب مرنے کو بیٹھا ہے اور شراب پیتا ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ تو خدا ہی نے بخشی ہے چپکے سے پی لے اور اعتراض نہ کر۔

آں مے کہ خضر خجستہ دارد یادش
(۱۰۷) او آب حیات ست و منم الیاسش

من قوتِ دل و قوتِ روحش خوانم
چوں گفت خدا منافع للناسش

وہ شراب کہ جس سے حضرتِ خضر بھی ڈرتے ہیں وہ درحقیقت آبِ حیات ہے اور میں اس آبِ حیات کا الیاس ہوں، میں شراب کو دل کی غذا اور روح کی قوت کہا کرتا ہوں، اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ فیہما منافع للناس۔ یعنی انسانوں کے لئے اس میں فائدے ہیں۔

آں مے کہ حیاتِ جاودانی ست بنوش
سرمایۂ لذتِ جوانی ست بنوش
سوزندہ چو آتش ست، لیکن غم او (۱۰۸)
سازندہ چو آبِ زندگانی ست بنوش

لوگوں کو خیام نصیحت کرتا ہے کہ وہ شراب جس میں دائمی زندگی پنہاں ہے پیا کرو، اور وہ شراب کہ جس میں جوانی کی لذتوں کا سرمایہ ہے پیا کرو، ظاہر میں آگ کی طرح جلانے والی نظر آتی ہے مگر اس کی طراوت آبِ حیات کی طرح زندگی کو درست کرنے والی ہوتی ہے اسے پیا کرو۔

خیام زمانہ از کسے دارد ننگ
کہ در غمِ ایام نشیند دل تنگ
مے خور بنو در آبگینہ با نالۂ چنگ (۱۰۹)
زاں پیش کہ آبگینہ آید بر سنگ

اپنے آپ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ اے خیام دنیا کو اس نالائق شخص کے وجود سے شرم آیا کرتی ہے جو دنیا کے غموں سے پریشان اور دل تنگ ہو کر بیٹھ جائے اور ہر وقت اپنے نصیبوں کو رویا کرے، تو ایسا نہ کر بلکہ رقص و سرود کے ساتھ شیشے کے گلاس میں خوب شراب پی، اور اس سے پہلے ہی یہ لطف اُٹھالے کہ شیشہ کو پتھر پر مار کر چور کر دیا جائے۔

ہاں صبح دمید و دامنِ شب شد چاک
برخیز و صبوح کن چرائی غمناک (۱۱۰)

مے نوش ملا کہ صبح لبیا ردہد
او روئے بما کردہ و ما روئے بخاک

خیام کہتا ہے کہ رات کا پردہ چاک ہو چکا اور صبح ہو گئی اُٹھ اور اس وقت کو ضائع نہ کر، تو غمزدہ کیوں ہے، صبح کی شراب پی لے، ہاں بس شراب پیے جا، کیونکہ آئندہ بہت سی صبحیں نمودار ہونگی کہ اُن کی روشنی ہماری قبروں پر پڑے گی، اور ہم خاک میں منھ اوندھائے پڑے ہونگے۔

ایں صورتِ کون جملہ نقشے ست خیال
عارف نبود ہر کہ نداند ایں حال
بنشیں قدح بادہ بنوش وخوش باش (۱۱۱)
فارغ شو ازیں نقش و خیالاتِ محال

کہتا ہے کہ دنیا کی یہ ظاہری صورت اور آرائش و زیبائش سب ایک خیالی نقش ہے، جو شخص اس حقیقت سے واقف نہیں ہے اسے گویا معرفت حاصل نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تجھے بس یہی کرنا چاہیئے کہ اطمینان سے بیٹھ کے خوب شراب پی اور خوش و خرم رہ، اور اس منفعت سے رنج و غم سے اور اس خیالی نقش سے بالکل بے پروا ہو جا۔

مے خور کہ نہ علم دست گیرد نہ عمل
الا کرم و رحمتِ حق عز و جل
آں طائفہ کہ از خرمی مے نہ خورند (۱۱۲)
از جملۂ انعام شمارائے احول

کہتا ہے کہ بس شراب پی کیونکہ عقبیٰ میں سوائے خدا کی رحمت اور کرم کے نہ ہمارا علم کچھ کام دیگا اور نہ ہمارا عمل ہی کسی کام آئے گا۔ وہ لوگ کہ جو اپنی بیوقوفی اور حماقت کی وجہ سے دنیا اور عقبیٰ کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور شراب نہیں پیتے، اُنھیں تو غلطی سے ایک بھینگے کی طرح ایک ایک کے دو دو دکھائی دے رہے ہیں، اور بڑا سمجھ رہا ہے، وہ نہ بڑے ہیں اور نہ قابلِ تعظیم، ان سب کو تو جانوروں کے گروہ میں سے شمار کر کہ جنھیں کسی بات کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔

مے بر کفِ من نہ و برآور غلغل
بانعرۂ عندلیب و صوتِ بلبل
(۱۱۳) بے نغمہ اگر روا بدے مے خوردن
مے در سرِ شیشہ ہا نکردے قلقل

شراب پی کر شور و غل مچانا اور ناچنا گانا بھی مستی اور مسرت کے اظہار کے لیے ضروری ہوتا ہے اس لیے خیام کہتا ہے کہ شراب کا پیالہ تو میرے ہاتھ پر رکھدے اور بلبل کی طرح چہکنا اور میٹھے میٹھے سروں میں گانا شروع کر، شراب پینا اگر بغیر گانے اور ناچنے کے جائز ہوتا تو خود شراب بوتل سے نکلتے وقت اس کے گلے میں قلقل کی آواز پیدا کیا کرتی۔ جب کہ ایک بے جان چیز سے بھی محض اس وجہ سے کہ اس میں شراب بھری ہوئی ہے خوشگوار آوازیں پیدا ہونے لگتی ہیں تو ہم تو جاندار ہیں اور انسان ہیں۔ ہمیں تو شراب کے ساتھ بہتر سے بہتر نغمے گلے سے نکالنے چاہئیں۔

اے دل مشنو نصیحت اہل حلل
کز بادۂ ناب عقل و دیں راست خلل
(۱۱۴) گر راحتِ جان و قوت روح باید
مے نوش بہ بوستاں بہ بانگ بلبل

ارشاد ہوتا ہے کہ اے دل ان مکار اور دغاباز زاہدوں کی باتوں میں نہ آ جو یہ سمجھا یا کرتے ہیں کہ خالص شراب سے عقل کو بھی نقصان ہوتا ہے اور دین میں بھی خلل آجاتا ہے۔ اگر تو اپنی جان کے لیے آرام کا اور روح کے لیے غذا کا خواہشمند ہے تو کسی کی بھی پروا نہ کر اور کسی کی بھی کچھ نہ سن، بس تڑکے سے باغ میں بیٹھ کر بلبلوں کے نغموں کے ساتھ شراب پینے میں مصروف ہو جا۔

تا کے ز جفائے ہر کسے تنگ گشتیم
وز تا کس روزگار نیرنگ گشتیم
(۱۱۵) خوش باش کہ ایام ترا و رنج گزشت
عید است بیا تا مے گل رنگ گشتیم

کہتا ہے کہ آخر ہم کب تک لوگوں کے ظلم و جور کی تلخی اور تنگی برداشت

کیئے جائیں اور کب تک دنیا کے نالائقوں اور کمینوں کی شعبدہ بازیوں اور مکاریوں کے شکار بنتے رہیں۔ بس اب ان چیزوں کا وقت ہو چکا، اب خوش ہو کہ تراویح کے دن یعنی رمضان کا مہینہ گذر چکا اور عید آ گئی۔ اٹھ اور چل بس اب شراب پئیں۔

من گر ورقِ عمر بہ غم در شکنم
ایں خندۂ مے در دلِ ساغر شکنم (۱۱۶)
برخیز و پیالہ را ز مے پر گرداں
باشد کہ غمِ جہاں بہم در شکنم

کہتا ہے کہ اگر میری عمر کا ورق رنج و غم میں ٹوٹ رہا ہے یعنی میں دنیا کے رنج و غم میں مبتلا ہوں تو پھر بھی مناسب ہے کہ شراب کی ہنسی کو جو بوتل سے نکلتے وقت بوتل کے گلے میں پیدا ہوتی ہے پیالے کے اندر انڈیل دوں، ہاں تو بس اٹھ اور پیالے کو شراب سے بھر دے، ممکن ہے کہ اسی ذریعہ سے میں دنیا کے غم و الم کو دور کر سکوں اور اس سے مجھے نجات حاصل ہو جائے۔

گویند مرا کہ مے پرستم ہستم
گویند مرا عارف و مستم ہستم (۱۱۷)
در ظاہرِ من نگاہ بسیار مکن
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں شرابی ہوں، اچھا ہوں، پھر کسی کو کیا، لوگ کہا کرتے ہیں کہ میں عارف باللہ اور مست ہوں، بیشک ہوں پھر کسی کو کیا مطلب، آخر لوگ میرے ظاہر کو دیکھ دیکھ کر کیوں رائیں قائم کیا کرتے ہیں میرا ظاہر کچھ بھی ہو، لیکن باطن میں میں جیسا کچھ بھی ہوں کسی دوسرے کو اس سے کیا غرض اور واسطہ ہے۔

برخود در کام و آرزو بر بستم
وز منتِ ہر ناکس و کس وارستم (۱۱۸)
گر صوفیِ مسجدم و گر راہبِ دیر
من دانم و او چنانکہ ہستم ہستم

میں نے تمنا آرزو اور مقصد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے اور کسی سے کسی قسم کی کوئی خواہش نہیں رکھتا، اس طرح میں ہر کس و ناکس کی منت اور احسان سے آزاد ہو گیا ہوں، میں اگر مسجد کا صوفی ہوں تب کسی کو کیا، اور اگر کسی گرجا کا راہب ہوں تو کسی کو کیا مطلب، میں جانوں اور میرا خدا، بس جیسا کچھ میں ہوں، دوسرے لوگوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ مجھ پر نکتہ چینی کریں اور میرے افعال پر اعتراض کریں۔

بے بادہ نبودہ ام دمے تا ہستم
امشب شب قدرست و من امشب مستم
(۱۱۹) لب بر لب جام و سینہ بر سینہ خم
تا روز بہ گردنِ صراحی دستم

خیام کہتا ہے کہ جب سے میں عالم وجود میں آیا ہوں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ ایک لحظہ کے لیئے بھی شراب کے بغیر رہا ہوں۔ آج بھی حالانکہ شب قدر ہے اور عام طور پر لوگ اس رات میں عبادت کیا کرتے ہیں مگر میں ہوں کہ آج کی رات میں بھی نشہ میں بدمست پڑا ہوں اور یہ حالت ہے کہ پیالے کے لب پر میرا لب ہے اور مٹکے کے سینہ پر میرا سینہ رکھا ہوا ہے اور دوسرے دن کی صبح تک صراحی کا گلا ہے اور میرے ہاتھ

امروز کہ نیست در شرابیا تاکم
زہرے بود ار دہر دہد تریاکم
(۱۲۰) زہر ست غم جہاں و تریاکش مے
تریاک خورم ز زہر نبود باکم

کہتا ہے کہ آج جبکہ انگوری شراب میرے نصیب میں نہیں ہے اور بادۂ گلگوں کے جام تک میری رسائی نہیں ہونے پاتی تو ایسی حالت میں اگر دنیا مجھے تریاق بھی دیگی تو وہ بھی زہر کا کام دے گی۔ اس دنیا کا غم انسان کے لیئے زہر کی خاصیت رکھتا ہے اور اس زہر کے لیئے شراب تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ میں چونکہ تریاق استعمال کرتا رہتا ہوں اس لیئے اس زہر سے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

میلم بہ شراب ناب باشد دائم
(۱۲۱) گوشم بہ نے و رباب باشد دائم

گر خاک مرا کوزہ گراں کوزہ کنند
آں کوزہ پر از شراب باشد دائم

عالم ہستی میں خیام جو دعا مانگتا ہے اور جس آرزو کا اظہار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کرے ہمیشہ میرے دل میں شراب کی محبت موجود رہے اور میرے کان ہمیشہ بانسری اور رباب کی دلکش آوازوں پر لگے رہیں۔ شراب کی محبت اور جستجو اس حد تک پہنچ جائے کہ میرے مرنے پر جب میری خاک سے کمہار صراحیاں بنائیں تو ان صراحیوں میں بھی جو چیز بھری جائے وہ شراب ہی ہو۔

سر حلقہ رندان خرابات منم
افتادہ بہ معصیت ز طاعات منم
(۱۲۲) آنکس کہ شب دراز از بادۂ ناب
وز خون جگر کند مناجات منم

ارشاد ہوتا ہے کہ رندان مست کی جماعت کا سرگروہ میں ہوں، اور میں ہی عبادتوں کو چھوڑ کر اور طاعت الٰہی سے منہ موڑ کر گناہوں میں مبتلا ہوا ہوں، دنیا میں وہ انسان میں ہی ہوں کہ جو رات بھر شراب پی پی کر اور خون جگر کھا کھا کر مناجات اور دعا کیا کرتا ہے۔

من بے مے ناب زیستن نتوانم
بے جام کشیدہ بار تن نتوانم
(۱۲۳) من بندۂ آں دمم کہ ساقی گوید
یک جام بگیر و من نتوانم

خیام شراب کے ساتھ اپنے شغف کا اس طرح اظہار کرتا ہے کہ شراب خالص کے بغیر میرا زندہ رہنا محال ہے، اور شراب پئے بغیر مجھ سے اپنے جسم کا بوجھ نہیں کھینچا جاتا، میں تو اس وقت اور اس موقعہ کا غلام ہوں اور اس گھڑی کے پہنچنے کی تمنا ہے کہ جب یہ حالت ہو کہ ساقی تو خوش ہو ہو کر کہے کہ تھوڑی سی اور پی لو اور میرے پیٹ میں ذرا سی بھی گنجائش نہ ہو اور مجبوراً انکار کرنا پڑے۔

دیگر۔ غم این گردش گردوں نخوریم

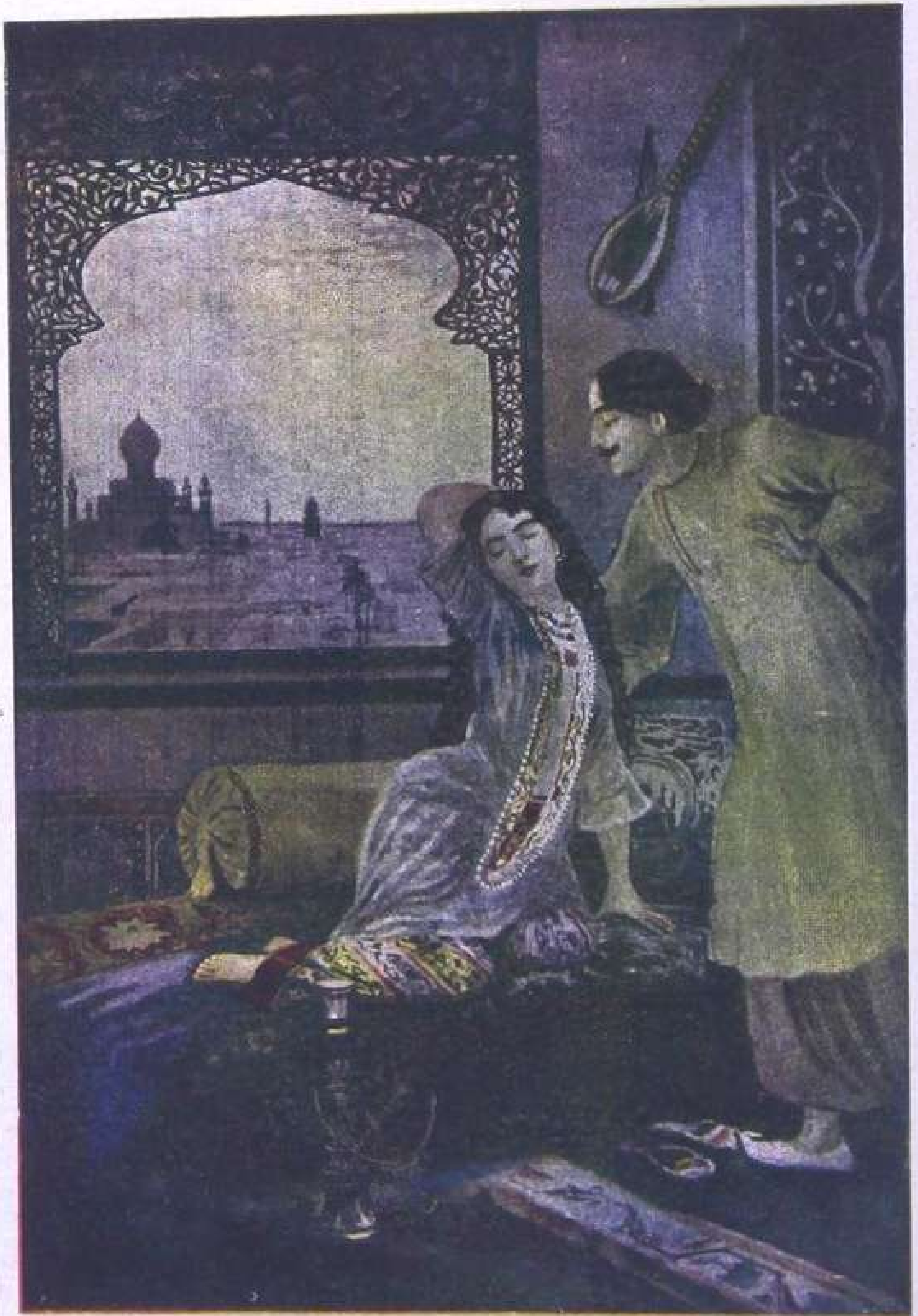
جز بادہ صاف و مے گلگوں نخوریم
(۱۲۴) مے خون جہانست و جہاں خونی ما
ما خونِ دلِ خونیِ خود چوں نخوریم

شراب خواری کے جواز میں خیام نے یہ نئی دلیل نکالی ہے۔ کہتا ہے کہ اب ہم اس جگر کھانے والے آسمان کا غم ہرگز نہ کھائیں گے اور ایک یہ غم ہی کیا، اب تو ہم کھانے پینے کی چیزوں میں سے سوائے صاف اور سرخ رنگ کی شراب کے اور کچھ استعمال ہی نہ کریں گے۔ جس طرح جانداروں کے جسم میں خون اُن کی زندگی سمجھا جاتا ہے اسی طرح چونکہ دنیا کی زندگی شراب سے قائم ہے اس لئے وہ گویا اس دنیا کا خون ہے، اور یہ دنیا ہماری دشمن اور ہمارا خون بہانے والی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمیں اپنے جانی اور خونخوار دشمن کا خون مل جائے اور ہم اپنی حماقت سے اسے چھوڑ دیں اور فوراً پی نہ جائیں۔ خونی دشمن کا خون پینا تو جائز اور حلال ہونا چاہیئے۔

رندوں اور شاعروں کی دنیا میں پہنچ کر حضرتِ زاہد، جناب محتسب اور قبلہ مفتی صاحب کی حقیقتاً مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ آج تک فارسی اور اردو زبان کا ایک شاعر بھی ایسا نہیں گذرا ہے جس نے ان متبرک ہستیوں کی خوب خبر نہ لی ہو، اور اُنہیں بُرا بھلا کہنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو، خیام حکیم تھا، فلاسفر تھا، عالم تھا، سب کچھ تھا مگر آخر شاعر تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ زاہدوں اور مفتیوں کو یونہی چھوڑ دیتا اس نے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور اچھی طرح پھوڑے، چنانچہ کہتا ہے،

اے مفتیِ شہر از تو پر کارتریم
با ایں ہمہ مستی از تو ہشیار تریم
(۱۲۵) تو خونِ کساں خوری و ما خونِ رزاں
انصاف بدہ کدام خونخوار تریم

جناب مفتی صاحب قبلہ کے سب با ایں ہمہ جبہ و قبا اور با ایں ہمہ دفتر فتاویٰ نبی نوعِ انسان کے لیئے اس قدر مفید اور کارآمد نہیں ہیں کہ جس قدر ہم ہیں، ہماری اس ظاہری بیہوشی اور سرمستی پر نہ جایئے، اس مستی کے باوجود ہم آپ سے زیادہ ہوشیار اور خبردار ہیں، سوچئے اور دیکھئے کہ آپ قصاص ہی کے طور پر کسی مگر انسانوں



فردا الم فراق طے خواھدشد ـــ باطالع سعد قصد مے خواھدشد
معشوق موافق است و ایام بکام ـــ اکنوں نکم نشاط کے خواھدشد

Calcutta Art Press Delhi.

کا اپنے ہی جیسے خدا کے بندوں کا خون بہایا کرتے ہیں، اور ہم اگر خون پیتے بھی ہیں تو صرف انگوروں کا۔ اب خود ہی انصاف کیجئے اور بتایئے کہ ہم زیادہ خونخوار ہیں یا آپ

یک دست بہ مصحفیم و یک دست بجام
گہ مردِ حلالیم و گہ مردِ حرام
(۱۲۶) ما ئیم دریں گنبد فیروزہ فام
نے کافر مطلق نہ مسلمان بتمام

خیام انسانی فطرت سے اچھی طرح واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ منبروں پر بیٹھ کر وعظ کہنے والے، اور جلوت میں ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول فرمانے والے حجروں کی خلوت میں دوسرے انسانوں سے کچھ بہت زیادہ بلندی پر نہیں رہتے اور فطرت انسانی ان سے وہ سب کچھ کرالیتی ہے جس کے لئے رندان قدح نوش بدنام ہیں۔ حافظ کی طرح کھلم کھلا یہ کہدینے کی بجائے کہ:-

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

وہ اسی بات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس طرح کہتا ہے کہ اپنا مطلب بھی ادا ہو جائے اور واعظوں اور زاہدوں کا خرقۂ ریا بھی تار تار ہونے سے بچا رہے۔ وہ انہیں مخاطب کرنے کے بجائے خود اپنے متعلق کہتا ہے کہ کبھی تو میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہوتا ہے اور کبھی شراب کا پیالہ، کبھی میں جائز اور مباح، اور مستحسن کاموں میں منہمک ہوتا ہوں اور کبھی ممنوعاتِ شرعی میں مشغول، اس دنیا میں رہ کر حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو میں پورے طور پر کافر ہی بن کر رہ سکتا ہوں، اور نہ یہی ممکن ہے کہ سچا اور پکا مسلمان بن جاؤں،

من بادہ خوریم ولیک مستی نہ کنیم
الا بر قدح دراز دستی نہ کنیم
(۱۲۷) دانی غرضم زمے پرستی چہ بود
تا ہمچو تو خویشتن پرستی نہ کنم

خیام نے بار بار اور صدہا مختلف طریقوں سے اس بات کو ثابت کرنے اور سمجھانے

کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں ہے کہ ایک انسان اپنی دولت اپنی طاقت، اپنی حکومت یا اپنے علم و ہنر اور زہد و اتقا پر مغرور ہو کر اپنے بھائیوں اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے حقوق اور مفاد کو پامال کرنا شروع کر دے، اور اپنی ذات اور اپنے نفس کے سوا اُسے قطعاً کسی کی پروا نہ ہو، خیام کو یہ صورت اور یہ حالت ایک آنکھ نہیں بھاتی کہ زبان سے خدا پرستی کا دعویٰ کر کے کوئی شخص صرف خود پرستی میں مصروف و منہمک ہو جائے، وہ کہتا ہے کہ میں شراب ضرور پیتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ بہت برا کرتا ہوں، لیکن اس لئے نہیں پیتا ہوں کہ بدمست ہو کر عامۂ خلائق کی تکلیف کا باعث بنوں میں شراب پی کر بھی مست کبھی نہیں ہوتا، اور یہ کبھی مجھ سے نہیں ہوتا کہ دوسروں کے پیالوں پر بھی ہاتھ مارنے لگوں، اور ان کا حصہ بھی اپنے ہی پیٹ میں انڈیل لوں، شراب یقیناً بُری چیز ہے، مگر تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ میں ایسی بُری چیز کو آخر جو منہ لگاتا ہوں تو کیوں لگاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر وقت ایک عالم بیہوشی میں پڑا رہوں تاکہ کبھی ایسا نہ ہونے پائے کہ ہوشیار رہ کر میں بھی آپ ہی کی طرح خود پرستی میں مبتلا ہو جاؤں گویا اس طرح ایک بڑے گناہ سے بچنے کے لئے میں نے ایک چھوٹے گناہ کو جائز کر لیا ہے۔

ما خرقۂ زہد در سرِ خم کردیم
وز خاکِ خرابات تیمم کردیم
(۱۲۸)
باشد کہ درونِ میکدہ دریابیم
عمرے کہ درونِ مدرسہ گم کردیم

خیام اس نظام تعلیم اور اس نصاب تعلیم کا بالکل قائل نہیں ہے جو ہمارے مدرسوں میں رائج ہے، جس طرح آج بڑے بڑے فلاسفروں کی یہ رائے ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم انسانی دماغوں کو مضمحل اور بے کار کر دینے کے سوا نہیں اور کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور جس طرح عام طور پر اب یہ عقیدہ ہوتا جا رہا ہے کہ بہترین اور صحیح ترین تعلیم وہی ہے جو انسان بطور خود تجربوں اور مشاہدوں کے ذریعہ سے حاصل کرے، اسی طرح خیام نے بھی یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مدرسوں میں ہماری عمر اور ہمارا وقت ضائع ہوا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زہد و طاعت کا جو جبہ مجھے ملا تھا وہ میں نے شراب کے مٹکے پر ڈال دیا

اور شراب خانہ کی مٹی سے تیمم کیا ہے تاکہ عبادت الٰہی بجالاؤں، گویا ظاہری اور نمائشی ملبوس جس سے دوسروں کو دھوکا ہوتا ہے اتار کر میں نے شراب کشی اس لیے شروع کی ہے کہ اس کے نشہ میں ماسوا اللہ کو بھول جاؤں اور یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے کہ مدرسہ میں سالہا سال تک قال اقول کی لفظی بحثوں میں پڑکر میں نے اپنی عمر جس قدر ضائع کردی ہے اس کی اس طرح کچھ نہ کچھ تلافی ہوجائے۔

ما افسرِ خان و تاج کے بفروشیم
دستار و قصب بباںگ نے بفروشیم
تسبیح کہ بیک لشکر تزویر ست (۱۲۹)
ناگاہ بیک جرعۂ مے بفروشیم

اس رباعی میں بھی خیام نے ایسی ظاہری عبادت وریاضت کو ترک کرنے کی تلقین کی ہے جس کا مقصد صرف نمود و نمائش ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے یا تو دنیا کمائی جاتی ہے یا لوگوں کی نگاہوں میں اپنی عزت پیدا کی جاتی ہے وہ کہتا ہے کہ میں تو اس کے لئے تیار رہوں کہ شاہی تاج بھی اگر میرے سر پر رکھدیا جائے تو اُسے بھی بیچ ڈالوں اور چادر اور عمامہ اگر مجھے حاصل ہوجائے تو بانسری کی ایک صدا کے بدلے میں اسے بھی فروخت کردوں، یہی نہیں بلکہ تسبیح کو بھی جو دور ہی سے ہاتھ میں لٹکتی ہوئی نظر آجاتی ہے اور لوگوں کو فریب میں مبتلا کردیتی ہے اسے بھی شراب کے صرف ایک گھونٹ کے بدلے میں بیچ کر فراغت حاصل کرلوں۔

چوں نیست مقام ما دریں دیر مقیم
پس بے مے و معشوق عذابیست الیم
تا کے ز قدیم و محدث اے مرد سلیم (۱۳۰)
چوں من رفتم، جہاں چہ محدث چہ قدیم

دنیا کے رنج و غم سے متاثر ہونا، اور خوشی و غم دونوں کو عارضی اور بے بنیاد خیال کرنا خیام کی فطرت ہے، حادثات اور صدمات سے اثر پذیر ہوکر وہ عورتوں کی طرح آنسو بہانا پسند نہیں کرتا، اور نہ اُسے یہی پسند ہے کہ ایسی فضول بحثوں میں جو ہماری محدود عقلوں کی رسائی سے باہر ہوں اپنا وقت عزیز ضائع کیا جائے

وہ کہتا ہے کہ جبکہ یہ یقینی ہے کہ اس دنیا میں ہمارا قیام صرف چند روزہ ہے تو پھر اس کے عیش اپنے اوپر کیوں حرام کر لیئے جائیں۔ اور شراب اور صحبت معشوق کے بغیر عمر بسر کرنے کا عذاب کیوں مول لیا جائے۔ وہ پوچھتا ہے کہ اے صاحب خرد آخر عقل کو اس غلط مصرف میں کب تک استعمال کیا جائے اور کب تک یہ لایعنی بحث جاری رکھی جائے کہ کون حادث ہے اور کون قدیم ہے۔ ہمیں بہر صورت و بہر حال یہاں نہیں رہنا ہے اور چند روز سے زیادہ ہمارا یہاں قیام نہیں ہے، پھر ہمیں کیا ؛ جب ہم خود ہی یہاں سے چل بسے تو پھر دنیا حادث ہو یا قدیم ہمارے کس کام کی ؟

خیام نے اپنی اس ایک تمنا کا ہزاروں مختلف طریقوں سے اظہار کیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کی خاک برباد نہ کی جائے بلکہ اس سے شراب کی صراحیاں اور پیالے بنیں تاکہ پیکر انسانی میں نہ سہی اس لباس گلی ہی میں شراب کے دو گھونٹ اسے میسر آجائیں چنانچہ کہتا ہے کہ :-

در پائے اجل چو من سر افگندہ شوم
از بیخ امید عمر بر کندہ شوم
زنہار گلم بجز صراحی نہ کنند (۱۳۱)
باشد کہ ز بادہ تر شود ، زندہ شوم

جب میرا سر موت کے قدموں پر گر جائے اور جب زندہ رہنے کی امیدوں کا پیڑ جڑ ہی سے کٹ چکے تو اُس وقت خدا کے لیئے میری مٹی سے صراحیوں کے سوا اور کوئی چیز نہ بنائی جائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ صراحی کی صورت میں اگر وہ مٹی جب شراب جیسی تیز اور جاں بخش چیز سے ہو تو میں جی اُٹھوں ، اس رباعی میں انداز بیان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اپنی آرزو اور اپنی تمنا کے اظہار کے ضمن میں اس نے شراب کے اثرات کی بھی انتہائی تعریف کر دی ہے ، اور یہ بتا دیا ہے کہ شراب ایک ایسی عجیب و غریب چیز ہے جو آب حیات سے بھی بڑھ کر کام دیتی ہے۔ یعنی اس سے مردہ بھی زندہ ہو جاتے ہیں

یا رب من اگر گناہ بے حد کردم
بر جان و جوانی و تن خود کردم (۱۳۲)
چوں بر کرمت وثوق کلی دارم

برگشتم و توبہ کردم و بد کردم

خیام کو رحمتِ باری تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہے، اس کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ جس کرم و رحم مجسم ہستی نے ہمارے کسی قسم کے حق کے بغیر محض اپنی خوشی سے پیدا کیا وہ ہمیں دوزخ کی آگ میں جلانا گوارا کر سکتی ہے، وہ کہتا ہے کہ یا اللہ میں نے ساری عمر رندی و شراب خواری میں گذار دی اور اگرچہ بے حد و بے حساب گناہ کیے لیکن تو علیم و خبیر ہے کہ جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اپنی جان پر اپنی جوانی پر اور اپنے جسم پر کیا ہے، کبھی تیرے کسی اور بندے کو میرے ہاتھ سے تکلیف پہنچی ہو تو بتا دے ایسی حالت میں جبکہ مجھے تیرے کرم پر کامل اعتماد تھا اور مجھے یقین کامل تھا کہ تو میرے تمام گناہ معاف کر دے گا مجھ سے ایک بڑی غلطی ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ میں اپنے گناہوں سے باز آگیا۔ اور توبہ کر لی، جس کے یہ معنی ہیں کہ مجھے تیری رحمت پر بھروسہ نہ رہا تھا اور میں تجھ سے ڈرنے لگا تھا کہ مبادا تو مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ گناہ سے توبہ کرنے کا گناہ جو مجھ سے سرزد ہو گیا یہ بہت ہی بُرا ہوا۔

زاں پیش کہ زمانہ تابے بخوریم
با یکدگر امروز شرابے بخوریم
کایں پیک اجل بگاہِ رفتن مارا (۱۳۳)
چنداں ندہد اماں کہ آبے بخوریم

خیام کے دل پر دنیا اور عیشِ دنیا کی بے ثباتی نقش ہے اور وہ فرصت کے ایک لمحہ کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ کہتا ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کہ جب زمانہ کا زبردست ہاتھ ہمیں فنا کر دے مناسب یہی ہے کہ آج کہ ہمیں موقعہ حاصل ہے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر شراب پئیں۔ کیونکہ جب ہمارے جانے کا وقت آگیا تو موت کا قاصد ہمیں اتنی بھی مہلت نہ دیگا کہ ہم پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نیچے اتار سکیں، رباعی کے آخری مصرعے آیۂ پاک اذا جاء اجلھم الخ کی تفسیر ہیں۔

از بادہ شود تکبر از سرہا کم
وز بادہ شود کشادہ بندِ محکم
(۱۳۴)
ابلیس اگر ز بادہ خوردے یکدم

گر دے دو ہزار سجدہ پیشِ آدم

شراب کی تعریفیں کرنے میں خیام کو خاص لطف آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شراب کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ پینے والوں کے سروں سے غرور نکل جاتا ہے، اور ان میں عجز و فروتنی آجاتی ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان کا دل خواہ کتنا ہی منقبض ہو وہ کھل جاتا ہے اور طبیعت کا انقباض دور ہو جاتا ہے، شیطان نے اگر شراب کا ایک گھونٹ بھی پی لیا ہوتا تو اسے باری تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ ہوتی اور وہ دوڑ کر خوشی سے حضرت آدم علیہ السلام کو دو ہزار سجدے کرتا، گویا شیطان اگرچہ معلم الملکوت تھا، اور درگاہِ الٰہی میں اسے اسقدر تقرب حاصل تھا، لیکن اسے معرفتِ الٰہی حاصل نہ تھی۔ اگر اسے معرفت سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو وہ نہ تو اتنی جرأت کرتا کہ اپنے خالق اور اپنے مالک کے مرتبے کو اور اس کی قدرت کو نہ پہچانتا۔ اور نہ اس سے یہ غلطی سرزد ہوتی، کہ آدم کے رتبے کو نہ پہچان کر انہیں سجدہ کرنے سے گریز کرتا۔

در میکدہ عشق نیازے دارم\
با شمع رخش سوز و گدازے دارم\
آنکہ بہ مے عشق طہارت کردہ (۱۳۵)\
با روئے بتِ خویش نمازے دارم

کہتا ہے کہ عشق و محبت کے شراب خانے میں مجھے نیاز حاصل ہو جائے اور میں اس کی شمع رخ کا پروانہ بنکر ہر وقت جلتا اور پگھلتا ہوں، اس وقت پھر میں یہ کروں کہ عشق کی شراب سے غسل اور وضو کر کے اپنے محبوب کو اپنے سامنے بٹھاؤں اور نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاؤں عشق سے مراد عشق الٰہی اور محبوب سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔

تا چند سلامت کنی اے زاہد خام\
ما رند خراباتی و مستیم مدام\
تو در غم تسبیح و ریا و تلبیس (۱۳۶)\
ما با مے و مطربیم و معشوق بہ کام

زاہدان ریاکار سے ہر صوفی صاف دل کو نفرت ہوتی ہے اور یہ خصوصیت خیام میں بھی بہت بڑی حد تک موجود ہے۔ کہتا ہے کہ اے خام کار زاہد تو کب تک

ہمیں ملامت کئے جائے گا، ہم تو ہمیشہ کے رند اور مست ہیں اور ہمیشہ اسی طرح مست و خراب رہیں گے۔ تو رات دن اپنی تسبیح کے اور اپنی فریب کاریوں کے اور اپنی نمود بے بود کے غم میں پھنسا رہتا ہے اور لوگوں کو دھوکا دینے کی نئی نئی تدبیریں سوچا کرتا ہے ہم اپنی شراب میں اپنی نغمہ سنجی میں اور اپنے محبوب مطلوب کی صحبت میں مست اور خوش ہیں۔ اگر ہمیں ملامت اس لئے کی جاتی ہے کہ ہم گناہگار ہیں تو خدا را تو اپنی حالت تو دیکھ تو ہم سے بھی زیادہ خطاکار اور مجرم ہے تجھے کیا حق ہے کہ ہمیں ٹوکے، ہم تجھ سے مطلب نہیں رکھتے تو ہم سے کوئی واسطہ نہ رکھ۔

عید است بیا تا مے گلرنگ کشیم
با نغمۂ عود و نالۂ چنگ کشیم
با یار رسبک روح و مے بنشینیم (۱۳۷)
رطلے دو سہ بادۂ گراں سنگ کشیم

خوشی و خرمی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقعہ میسر آنے پر خوشی نہ کرنا خیام کے مذہب میں گناہ عظیم ہے۔ عید کی صبح کو وہ کہتا ہے کہ لو اب تو عید آگئی آج تو خوشی منانے کا دن ہے آؤ آج تو گلابی رنگ کی شراب خوب پئیں، اور خالی شراب ہی نہ پئیں بلکہ اس کے ساتھ عود اور چنگ کے دلکش نغمے بھی سنتے جائیں، یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ ہم اکیلے کسی کوٹھڑی میں بند ہو کر شراب کے چند پیالے اپنے پیٹ میں اونڈیل لیں، نہیں بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ کسی حسین اور خوش دل محبوب کے ساتھ بیٹھکر وزنی اور گرانقدر شراب دو تین سیر کے قریب پی جائیں۔

گر من ز مے مغانہ مستم، ہستم
ور کافر و گبر و بت پرستم ہستم
ہر طائفہ بہ من گمانے دارند (۱۳۸)
من زانِ خودم چنانکہ ہستم ہستم

لوگوں کا ایک دوسرے کے حالات کے تجسس میں رہنا اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو نظر انداز کر کے دوسروں کی آنکھ کے تنکے پر اعتراض کرنا خیام کو ایک آنکھ نہیں بھاتا وہ کہتا ہے کہ میں نے اگر مجوسیوں کی بھٹی کی شراب پی ہے اور مست و مخمور ہو گیا ہوں تو بس

ہوں، کسی کو کیا، اور اگر میں کافر اور یہودی اور بت پرست ہوں تو ہوں، تمہیں کیا مطلب، دنیا میں اور بھی تو صدہا گروہ اور فرقے ہیں اور ان میں سے ہر ایک فرقہ مجھ سے بدگمان ہے۔ انہیں کیا حق ہے کہ مجھ پر اعتراض کریں جبکہ وہ خود بھی کسی نہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی بلا سے میں اچھا یا بُرا جیسا کچھ بھی ہوں اپنے لئے ہوں۔ اس رباعی میں ایک لطیف اشارہ آیہ کریمہ لکم دینکم ولی دین، کی طرف کیا گیا ہے۔

(۳۹)

در دامنِ یارِ بے وفا چنگ زنیم
مے نوش کنیم و نام بر ننگ زنیم
سجادہ بیک پیالہ مے بفروشیم
ناموس بہ مے وہیم و بر سنگ زنیم

خیام عیش کوشی اور شراب نوشی کے آداب اس طرح بتاتا ہے کہ آؤ کسی بیوفا محبوب کا دامن تھام لیں خوب شراب پئیں اور اپنا نام اچھی طرح بدنام کریں، جانماز کو تہ کر کے شرابخانہ میں لیجائیں اور شراب کے ایک پیالہ کے عوض فروخت کر دیں اور عزت و ناموس سب شراب کی نذر کر کے شیشۂ ناموس کو پتھر پر مار کر توڑ ڈالیں۔

رندی اور شراب خواری کے لئے مختلف لوگوں نے مختلف عذر پیش کئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ چونکہ باری تعالیٰ کی رحمت صرف گناہگاروں ہی کا حصہ ہے اس لئے اگر ہمیں اس کی رحمت حاصل کرنے کی تمنا ہے تو ضرور گناہ کرنا چاہئے۔ سرمد کہتے ہیں کہ "ناکردہ گناہ پیش قاضی نہ برند" یعنی اگر خدائے تعالیٰ کے دیدار کی آرزو ہے تو شراب پیو کیونکہ جب تک کوئی شخص مجرم نہ ہو اس وقت تک اسے کوئی قاضی یا منصف کے سامنے نہیں لیجاتا۔

غالب کی غرض شراب خواری سے صرف "اک گونہ بے خودی" ہے اور وہ کہتے ہیں کہ

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

غرض یہ کہ مختلف لوگوں نے مختلف عذرات پیش کئے ہیں۔ بادہ و جام کے عاشقِ صادق حضرت خیام نے بھی ایک عذر پیش کیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہت ہی عجیب و غریب عذر پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ:۔

گویند مرا کہ مے بخور کمتر ازیں
آخر بچہ عذر بر نداری سر ازیں
عذرم رخِ یار و بادۂ صبحدم است (۱۴۰)
انصاف بدہ چہ عذر روشن تر ازیں

یعنی لوگ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ تم شراب کم پیا کرو اور آخر وہ سبب اور وہ عذر تمہارے پاس کونسا ہے کہ جس کی بنا پر تم اس عادت کو نہیں چھوڑتے میں کہتا ہوں کہ میرا عذر یار کا روئے روشن اور سپیدۂ صبح نمودار ہونے کے وقت کی شراب ہے۔ یہ دونوں چیزیں روشن اور منور ہیں اور اب تمہیں انصاف کرو کہ ان سے بڑھ کر اور روشن اور کھلتا ہوا عذر کیا ہو سکتا ہے۔

خواہی بنہد عیش تو گردوں گردن
کار تو بود ہمیشہ جان پروردن
ہمچوں منت اعتقاد باید کردن (۱۴۱)
مے خوردن و اندوہ جہاں ناخوردن

خیام کہتا ہے کہ اگر تمہاری یہ رضا ہے کہ یہ فتنہ پرداز آسمان تمہارے سامنے گردن جھکا دے اور تمہاری مرضی کے موافق کام کرنے لگے اور تمہیں عیش و عشرت کے سوا کوئی اور کام ہی نہ رہے تو تم بھی اپنا اعتقاد میری طرح کر لو اور وہ یہ ہے کہ دن رات شراب پی کر مست رہو اور دنیا کا غم کبھی نہ کھاؤ نہ کسی فکر کو اپنے پاس آنے دو۔

ایں چشم پیالہ بیں بجاں آبستن
ہمچوں سمنے بہ ارغوان آبستن
نے نے غلطم کہ بادہ از غایت لطف (۱۴۲)
آبیست بہ آتش رواں آبستن

شراب کا پیالہ سامنے رکھا ہوا دیکھ کر خیام کو دور کی سوجھتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس پیالہ کی آنکھ کو تو دیکھ اس میں جان یعنی زندگی بھری ہوئی ہے اور یہ سمن کے ہرے ہرے درخت کی طرح ہے جس میں ارغوانی پھول بھرے یا چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے وقت پر کھلتے رہتے ہیں پھر کچھ اور خیال آتا ہے تو کہتا ہے کہ نہیں نہیں میں نے بڑی غلطی کی

کیونکہ شراب تو انتہائے لطافت کی وجہ سے درحقیقت ایسا پانی ہے کہ جس کے اندر بہتی ہوئی آگ بھری ہو۔

اے آنکہ توئی خلاصۂ کون ومکاں
بگذار دمے وسوسۂ سود و زیاں
(۱۴۳) یک جام مے از ساقی باقی بستاں
تا باز رہی تو از غم ہر دو جہاں

اس رباعی میں خیام نے بالکل صاف صاف بتادیا ہے کہ شراب اور معشوق سے اس کی مراد فی الحقیقت کیا ہوا کرتی ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے وہ بزرگ ہستی کہ جو تمام موجودات عالم کا خلاصہ ہے تو نفع اور نقصان کے خیال کو تھوڑی دیر کے لئے دل سے نکال دے۔ تیری طبیعت ان ذرا ذرا سے اندیشوں سے بہت بالاتر ہونی چاہئے دنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں الجھنے کی بجائے تو اس ساقی سے کہ جسے کبھی فنا نہیں ہے شراب کا ایک جام لے کر پی لے یعنی معرفت الٰہی کی شراب سے مست ہو جا تاکہ دونوں جہان کے غم ورنج سے تجھے نجات حاصل ہو جائے۔

مے خوردن و گرد گلرخاں گردیدن
بہتر ز ہزار زاہدی ورزیدن
(۱۴۴) گر مردم مے خوار بہ دوزخ باشند
پس روئے بہشت را کہ خواہد دیدن

ارشاد ہوتا ہے کہ ہزار طرح کی زاہدی قبول کر لینے سے کہ جس کی بنیاد فریب دہی اور ریاکاری پر ہوتی ہے یہ بہت بہتر ہے کہ انسان خوب شراب پیئے اور حسین اور خوبصورت لوگوں کے گرد طواف کیا کرے اور ان کے پیچھے پیچھے پھرا کرے۔ اس ارشاد کے بعد یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے شراب پینے والوں کو دوزخ میں ڈالدیا گیا تو پھر بہشت کا منہ کون دیکھے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خطا اور گناہ انسان کی سرشت میں داخل ہے پھر جبکہ ہر گناہ گار کو دوزخ میں ڈالا گیا تو ان کے معنی یہ ہوئے کہ ہر انسان گویا دوزخ ہی کی نذر ہوا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ بہشت میں جانے والا کوئی ایک بھی نہ ہوگا اور ایسے انسان کہیں ڈھونڈھے بھی نہ ملیں گے جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

دانی کہ چرا است توبہ نا کردنِ من
زیراکہ حرام نیست مے خوردنِ من
(۱۴۵) براہلِ مجاز است بہ تحقیق حرام
مے خوردنِ اہلِ را زدر گردنِ من

اس رباعی میں پھر خیام نے اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن کا فرق بتایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہیں خبر نہیں خبر بھی ہے کہ میں شراب سے توبہ کیوں نہیں کرتا۔ سبب یہ ہے کہ میرا شراب پینا حرام نہیں ہے۔ جو لوگ اہلِ مجاز یعنی اہلِ ظاہر ہیں ان کے لئے شراب یقیناً حرام ہے لیکن جو اہلِ باطن ہیں ان کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ یہ اُن کے لئے حرام نہیں ہے۔

یارب ز قبول و رزم باز رہاں
مشغول خودم کن از خودم باز رہاں
(۱۴۶) تا ہشیارم زنیک و بد مے دانم
مستم کن و از نیک و بد باز رہاں

اس رباعی میں خیام کی مستی اور مے پرستی کی حقیقت اچھی طرح کھل گئی ہے۔ اور اس کے بعد اس پر یہ اعتراض کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ وہ بدمست اور شراب خوار تھا۔ وہ خدا سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے مقبولیت اور نامقبولیت کے ان تمام جھگڑوں سے نجات دیدے۔ تو مجھے اپنے دھیان میں ایسا منہمک کرلے کہ پھر مجھے اپنی ذات اور اپنے وجود کا خیال تک نہ آئے۔ میں جب تک ہوش میں ہوں اور جب تک مجھ میں اپنے اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں کے وجود کا احساس موجود ہے اس وقت تک ناممکن ہے کہ نیک اور بد کی تمیز مجھے نہ ہو اور رد و قبول کے جھگڑوں میں میں نہ پھنسوں تو اپنی کریمی سے ایسا کردے کہ میں بالکل مست اور بے خود ہو جاؤں اور اس طرح نیک اور بد کی تمیز کے جنجال سے میرا چھٹکارا ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ تو میرے دل کو اپنی محبت اور اپنے عرفان سے اس حد تک بھر دے کہ پھر اس میں ماسوا کے خیال کی قطعاً گنجائش ہی نہ رہے اور میں رات دن تیرے خیال میں مست اور تیری یاد میں منہمک رہا کروں اور دنیا کے اچھے بُرے سے مجھے کوئی مطلب رہے نہ بُرے سے۔

عرصۂ رندی و شراب خواری کا یکہ تاز شہسوار اور جام و مینا کا عاشق زار خیام

کہتا ہے:۔

بردار پیالہ و سبوائے دلجو
برگیر بگرد سبزہ زار و لب جو (۱۴۷)
کایں چرخ بسے قدِ بتان مہرو
صد بار پیالہ کرد و صد بار سبو

اے میرے دلبر و دلدار تو دنیا کے سارے دھندے چھوڑ کر بس صراحی اور پیالہ ہاتھ میں اُٹھالے اور نہر کے کنارے سبزہ زار میں بیٹھ کر خوب دل کھول کر شراب پی کیونکہ اس آسمان نے تجھ سے پہلے لاکھوں حسینوں اور مہ جبینوں کو خاک میں ملا کر ان کی خاک سے سیکڑوں مرتبہ پیالے اور صراحیاں بنوا دی ہیں۔ گویا اس زندگی کا انجام بہر حال فنا ہے اور بڑی سے بڑی ممتاز ہستیاں بھی قدرت کے اس قانون کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکیں ایسی صورت میں دو دن کی زندگی کو دنیا بھر کے غموں اور فکروں سے بھر لینا اور ہر وقت رنج و پریشانی میں مبتلا رہنا عبث ہے ہمیں چاہئے کہ دو چار روز کی جو فرصت حاصل ہے اُسے غنیمت سمجھیں اور اسے انتہائی خوشی و خرمی میں بسر کریں۔

اے آب حیات مضمر اندر لب تو
مگذار کہ بوسہ لب ساغر لب تو (۱۴۸)
گر خون صراحی نخورم مرد نیم
او خود کہ بود کہ لب نہد بر لب تو

کہتا ہے کہ اے میرے حبیب تیرے ہونٹوں میں آب حیات بھرا ہوا ہے گویا وہ عشاق کی زندگی کا باعث ہیں تو خدا کے لئے اس بات کی اجازت نہ دے کہ شراب کا پیالہ تیرے ہونٹوں کا بوسہ لے۔ بھلا اس پیالہ کو یا اس صراحی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ تیرے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھے۔ میں اگر مرد ہوں تو اس کا خون پئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ گویا میں جو صراحی کا خون یعنی شراب پیا کرتا ہوں تو اس کا باعث یہ ہے کہ اس نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے کہ بلا کسی استحقاق کے تیرے ہونٹوں کا بوسہ لیا ہے۔

چوں بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو
مدہوش مباش و جمل را خانہ مشو (۱۴۹)

خواہی کہ مے لعل حلالت باشد
آزار کسے مجوئے و دیوانہ مشو

خیام لوگوں کو شراب خواری کے آداب کی اس طرح تعلیم دیتا ہے کہ اگر تم شراب پینی چاہتے ہو تو کبھی اتنی اور اس طرح نہ پیو کہ عقل ہی سے بیگانہ بن جاؤ، کبھی مدہوش نہ ہو اور نادانی و جہالت کا گھر نہ بنو۔ اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ یہ رنگین شراب تمہارے لئے حلال ہو جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے کہ شراب پیکر کبھی کسی کو آزار نہ پہونچاؤ اور دیوانے نہ ہو جاؤ۔ ایسی شراب کہ جو انسان کو مدہوش نہ کرے اور اس کے اخلاق کو اس قدر بلند پایہ پر پہنچا دے معرفت الٰہی کی شراب ہو سکتی ہے۔

ایں چرخ فلک بہر ہلاکِ من و تو
قصدے دارد بجانِ پاکِ من و تو (۱۵۰)
بر سبزہ نشین پیالہ کش دیر نماند
تا سبزہ بروں دمد ز خاکِ من و تو

کہتا ہے کہ یہ آسمان کا چکر مجھے اور تجھے ہلاک کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے اور میری اور تیری دونوں کی جان لینے کے درپے ہے۔ گویا ہماری زندگیاں ہر وقت معرض خطر میں ہیں اور موت ہر وقت ہماری تاک میں رہتی ہے۔ ایسی حالت میں کیوں نہ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس تھوڑی سی مدت کو غنیمت خیال کر کے کسی سبزہ زار میں بیٹھکر شراب کے لطف اٹھائیں اور دنیا و مافیہا سے بے فکر اور بے پروا ہو جائیں کیونکہ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کہ جب ہم خود خاک ہو جائیں گے اور ہماری خاک پر سبزہ اُگنے لگے گا۔

ما عاشق و مست و مے پرستیم ہمہ
در کوئے خرابات نشستیم ہمہ
بگذشت ز قبح و حسن واز وہم خیال
از ما مطلب ہوش کہ مستیم ہمہ

کہتا ہے کہ ہم تو عاشق ہیں اور مست اور مے پرست ہیں ہمیں دنیا سے کچھ غرض اور واسطہ نہیں ہے۔ ہم تو دنیا کو چھوڑ کر میخانہ کی گلی میں آبیٹھے ہیں ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں نہ کسی چیز کی اچھائی اور برائی سے کوئی مطلب ہے نہ ہم وہم اور خیال کی دنیا کی سیر کیا کرتے ہیں

ہم سے تم ہوش کی باتیں نہ کیا کرو اور نہ یہ توقع رکھو کہ ہم ہوشمندی کی باتیں کریں گے۔ کیونکہ ہم تو مست اور لایعقل ہیں۔

ہر گہ توبہ کردیم شکستیم ہمہ
بر خود در نام و ننگ بستیم ہمہ
(۱۵۲) عیبم مکنید اگر کنم بے خردی
کز بادۂ عشق مست ہستیم ہمہ

کہتا ہے کہ ہم نے تو جب کبھی اور جتنی مرتبہ توبہ کی اسے توڑ ڈالا اور اپنے اوپر نام و ننگ کا دروازہ بالکل بند کر کے رسوائی اور بدنامی اختیار کر لی۔ مجھ پر انگلیاں نہ اٹھاؤ اور مجھ میں عیب نہ نکالو خواہ میں کیسی ہی بے عقلی کی باتیں کیوں نہ کروں کیونکہ ہم سب تو عشق کی شراب سے مست اور مخمور ہو چکے ہیں ہمارے پاس عقل و خرد کا کیا کام۔

ہر روز بر آنم کہ کنم شب توبہ
از جام و پیالہ لبالب توبہ
(۱۵۳) اکنوں کہ رسید وقت گل ترکم دہ
در موسم گل ز توبہ یارب توبہ

کہتا ہے کہ روزمرہ دن میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو توبہ کروں گا اور توبہ بھی کس چیز سے شراب کے جام اور لبالب بھرے ہوئے پیمانہ سے توبہ کروں گا مگر اب کہ بہار کا موسم آگیا ہے اور ہر طرف سبزہ و گل کے جلوے نظر آرہے ہیں ایسے موقعہ پر تو مجھے توبہ سے معافی ملنی چاہیے۔ بہار کے موسم میں تو یا اللہ میں توبہ سے توبہ کرتا ہوں۔

از درس علوم جملہ بگریزی بہ
واندر سر زلف دلبر آویزی بہ
(۱۵۴) زاں پیش کہ روزگار خونت ریزد
تو خون قرابہ در قدح ریزی بہ

کہتا ہے کہ مدرسوں اور مکتبوں میں جا جا کر قال اور اقوال کی بحث میں پڑنا ٹھیک نہیں ان جھگڑوں سے دور ہی رہنا اچھا ہے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ تم کسی معشوق کی زلف پیچاں کے اسیر بنجاؤ گویا علوم و فنون کے ظاہری اکتساب سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ تم

اپنے دل کو ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو۔ اور محض زبان سے اقرار توحید اور اعتراف عبودیت کرنے کی بجائے دل میں اس ہستی کی محبت اور احترام پیدا کرو جسے خدا کہتے ہو اور اس سے پہلے کہ زمانہ کا زبردست اور طاقتور ہاتھ تمہارا خون بہائے تم صراحیوں اور کنٹروں کا خون اگر پیالوں میں بہاتے رہو تو بہتر ہے گویا مرنے سے پہلے ہی اگر تم دنیا اور اس کے تمام جھگڑوں سے قطع تعلق کر کے معرفت الٰہی میں مست اور مدہوش ہو جاؤ تو زیادہ اچھا ہے۔

بنگر ز صبا دامن گل چاک شدہ
بلبل ز جمالِ گل طربناک شدہ
ہیں! بادہ خور بدکاے بسا گل کز باد (۱۵۵)
بر خاک فرو ریختہ و خاک شدہ

کہتا ہے کہ اس فرحناک اور نشاط انگیز موسم کو دیکھ کہ بادِ صبا کی موجوں نے پھولوں کے دامن چاک کر دیئے اور انہیں شگفتہ و خندان بنا دیا۔ اور گلوں کا یہ جمال دیکھ دیکھ کر بلبلوں کا یہ عالم ہے کہ خوشی سے پھولی نہیں سماتیں۔ ہاں تو یہ وقت بیکاری میں کھونیکا نہیں ہے بس اٹھ بیٹھو اور خوب دل کھول کر شراب پیو کیونکہ اس بہار کا انجام یہ ہے کہ لاکھوں پھول اسی صبا اور اسی ہوا کے ہاتھوں شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر خاک پر بکھر چکے ہیں اور خاک میں مل کر خاک ہو گئے ہیں۔

اس رباعی میں خیام نے پھر اسی بے ثباتی دہر کا رونا رویا ہے اور اس بات کی تلقین کی کوشش کی ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر چیز کے حسن اور ہر شے کی خوبی پر نظر ڈالے اور ان خوبیوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے کہ جب دنیا میں ہر چیز فانی اور مٹ جانے والی ہے اس سے دل لگانا اور اس کے حاصل ہو جانے پر خوش اور اس کے کھو جانے پر رنجیدہ ہونا بالکل عبث اور فضول ہے۔ رنج و غم اور خوشی و انبساط سب مہمل اور لایعنی چیزیں ہیں اور ایک صاحب عقل انسان کو ان جذبات کا مطیع نہ ہونا چاہیئے۔ اس کا نصب العین دولت دنیا سے بہت بالاتر ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائک بن سکے۔ اور یہ نصب العین کمال انسانیت ہے جس کی آرزو اور جس کی جستجو میں ہمیں دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو جانا چاہیئے۔

خیام کی تمام تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ ہمیں اس چند روزہ زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اپنی بہت سی رباعیوں میں اس نے اسی فلسفہ کو بار بار دہرایا ہے

اور صدہا مختلف قسم کی مثالیں دے کر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان اس دور روزہ فرصت کو رنج و غم اور فکر و اندیشہ کی نذر نہ کر دے بلکہ ہر قسم کے افکار سے آزاد ہو کر دل میں سود و زیاں کا کبھی خیال تک نہ لائے اور جو کچھ کر سکتا ہے اس کے کرنے میں دریغ نہ کرے وہ کہتا ہے۔

در دہ مے لعلِ مشکبوا اے ساقی
(۱۵۶) تا باز دہم ز گفتگو اے ساقی
یک کوزۂ مے بدہ ازاں پیش کہ در
خاکِ من و تو کنند سبو اے ساقی

ساقی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ مجھے وہ شراب دے جس کا رنگ بالکل سرخ ہے اور جس میں مشک کی سی خوشبو آتی ہے تاکہ مجھے بات کرنے کا بھی ہوش نہ رہے اور فضول بک بک کرنے کی مصیبت سے نجات مل جائے، وہ کہتا ہے کہ اے ساقی دیر نہ لگا اور مجھے جلدی سے شراب کا ایک کوزہ دے دے اس سے پہلے کہ میں اور تو دونوں خاک میں ملکر خاک ہو جائیں اور ہماری خاک سے کوئی کمہار ٹھلیاں اور مٹکے بنا لے۔

بشگفت شگوفہ می بیار اے ساقی
دست از عملِ زہد بدار اے ساقی
(۱۵۷) زاں پیش کاجل کمین کند روزے چند
جامِ مے لعل و روئے یار اے ساقی

اسی مضمون کو پھر اس رباعی میں دہرایا ہے، ور کہتا ہے کہ اے ساقی کلیاں کھل گئیں اور درختوں کی شاخیں پھولوں سے لد گئیں اس بہار کے موسم میں تو بخل نہ کر اور جلدی سے شراب لا۔ تو اپنا یہ خشک زہد رہنے دے اور شراب کی فکر کر۔ موت ہماری گھات میں ہے اور اس سے پہلے کہ وہ ہم پر قابو پالے چند روز تو اس طرح گزر جائیں کہ ہاتھ میں مئے رنگیں کا لبالب بھرا ہوا پیالہ ہو اور آنکھوں کے سامنے محبوب مطلوب کا چاند سا چہرہ

چوں مے ندہد اجل اماں اے ساقی
(۱۵۸) دردہ قدحِ شراب ہاں اے ساقی
غم خوردنِ بیہودہ نہ کارِ دلِ ماست

با ایں دو سہ روزہ در جہاں اے ساقی

پھر اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ اے ساقی جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ موت کے زبردست ہاتھ سے کہیں اور کسی طرح اماں نہیں مل سکتی تو پھر یہ دیر کیوں لگا رکھی ہے اور فکر و اندیشہ کس بات کا ہے بس اُٹھ اور شراب کا پیالہ بھر کر دے دے۔ اس دنیا میں کسی کو ہمیشہ نہیں رہنا ہے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ہماری زندگی صرف دو روز کی ہے یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ بیٹھ کر بے فائدہ غم کھائیں اور فکر و رنج میں اپنا وقت عزیز گنوائیں۔

صبح خوش و خرم است خیز اے ساقی
در شیشہ بکن شراب از شب باقی (۱۵۹)
بایارِ خوابم و عیش را تازہ کنیم
ایں یک دم عمر را کہ فردا عاقی

اس رباعی میں بھی اسی مضمون کی تکرار ہے۔ کہتا ہے کہ اے ساقی دیکھ تو صبح کیسی دلکشا اور خنداں ہے ایسے سہانے وقت کو بے کار ضائع نہ کر اور جلدی سے شیشہ میں شراب بھر لے۔ یہ ایک دم بھر کی فرصت جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے اور جو کل ہم سے چھوٹ جائیگی مفت میں رائیگاں نہ جانی چاہئے بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تھوڑے سے وقت میں اپنے محبوب کے ساتھ شراب نوشی میں گزار کر زیادہ سے زیادہ عیش کریں۔

زاں کوزۂ مے کہ نیست در وے ضررے
پُر کن قدحے، بخور، بمن دہ دگرے (۱۶۰)
زاں پیشتر اے صنم کہ در رہگذرے
خاک من و تو کوزہ کند کوزہ گرے

اس رباعی میں پھر وہی مضمون ہے۔ کہتا ہے کہ اس شراب کے کوزہ میں سے شراب نکال کر پیالہ بھر کہ جس میں نقصان پہونچانے والی کوئی چیز نہیں ہے اور خود بھی پی اور مجھے بھی پلا قبل اس کے کہ وہ وقت آجائے کہ میں اور تو دونوں خاک ہو جائیں اور ہماری خاک سے صراحیاں بنا بنا کر کوئی کمہار گلیوں میں بیچتا پھرے۔

در دہ مے لعل لالہ گوں اے ساقی
بکشائے ز حلق شیشہ خوں اے ساقی (۱۶۱)

کام روز بروں زجام مے نیست مرا
یک دولت که پاک اندرون اے ساقی

احباب زمانہ کی سرد مہریوں سے شکستہ دل ہو کر خیام کہتا ہے کہ اے ساقی گل لالہ کے رنگ کی سُرخ سُرخ شراب دیدے اور خون کے شیشہ کا گلا کھول دے کیونکہ زمانے کی حالت آج کل میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ دنیا بھر میں سوائے اس شراب کے پیالے کے مجھے کوئی اور ایسا نظر نہیں آتا جس کا دل صاف ہو اور کوئی دوست ایسا نہیں ملتا جس کا ظاہر اور باطن ایک سا ہو۔

(۱۶۲)

افتادہ مرا بامے و مستی کارے
خلقم زچہ مے کند سلامت بارے
اے کاش کہ ہر کدام مستی کردے
تا من بجہاں ندیدے ہشیارے

کہتا ہے کہ شراب اور مستی میرے خمیر میں پڑی ہوئی ہے اور قدرت نے مجھے اسی کام کے لئے بنایا ہے پھر یہ دنیا کو کیا ہو گیا ہے کہ خواہ مخواہ کے لئے بھی میرے پیچھے پڑ گئی ہے اور ہر وقت مجھ پر ملامت کی بوچھار ہوتی رہتی ہے۔ کاش کسی طرح خدا ایسا کر دیتا کہ یہ مستی ہر شخص پر طاری ہو جاتی اور دنیا میں ہر طرف مست ہی مست نظر آتے اور کہیں کوئی ہشیار ڈھونڈے نہ ملتا۔

(۱۶۳)

گر دست دہد زمغز گندم نانے
وزمے دو منے زگوسپندے رانے
با ماہ رخے نشستہ در ویرانے
عیشے است کہ نیست حد ہر سلطانے

کہتا ہے کہ اگر خدا ایسا کر دے کہ پیٹ بھرنے کے لئے اطمینان کے ساتھ ایک روٹی گیہوں کی مل جایا کرے اور زیادہ نہیں صرف دو سیر شراب مہیا ہو جایا کرے اور بکرے کی فقط ایک ران اور اس تمام سامان تعیش کے ساتھ ساتھ اتنا اور ہو کہ کسی حسین مہ جبین کے ساتھ آبادی سے دور کسی ویرانے میں بیٹھ کر شراب نوشی کرنے کو ملے۔ تو یہ ایسا لطف اور ایسا عیش ہے کہ جو ہر ایک بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

ابریق مے مرا شکستی ربی
برمن در عیش را بہ بستی ربی
(۱۶۴) بر خاک فگندی مے گلگون مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

ایک لاڈلہ بیٹا جس طرح باپ کی محبت پر کامل اعتبار کر کے بعض اوقات اس حد تک ناز کرنے لگتا ہے کہ جسے گستاخی اور بے ادبی میں داخل کیا جائے اسی طرح خیام بھی اس محبوب ازلی کی رحمت و محبت پر بھروسہ کر کے کہ جو سرچشمۂ محبت ہے بعض اوقات اپنا لہجہ بہت کچھ گستاخانہ بنا لیتا ہے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گزرتا ہے کہ جنہیں معمولی حالات میں سوء ادب کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عالم مستی میں شراب کی صراحی ہاتھ سے گر کر ٹوٹ جانے پر وہ خدا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ باری تعالیٰ تو نے میری شراب کی بوتل توڑ دی اور اس طرح میرے عیش میں خلل ڈال دیا۔ تو نے میری گلابی رنگ کی شراب تمام خاک میں ملا دی میرے منہ میں خاک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداوندا تو بھی عالم مستی میں ہے۔

ہنگام صبوح اے صنم فرخ پے
بر ساز ترانہ و بہ پیش آور مے
(۱۶۵) کافگند بخاک صد ہزاراں جم و کے
ایں آمدن تیر مہ و رفتن دے

کہتا ہے کہ اے نیک اختر محبوب صبح کا وقت ہے اسے ضائع نہ کر شراب لا کر سامنے رکھ اور شیریں اور دلکش ترانوں سے سامعہ کو لطف اندوز ہونے کا موقعہ دے کیونکہ اس دنیا میں کسی کو زیادہ فرصت حاصل نہیں ہے اور کسی کا عیش دائمی اور پائدار نہیں ہوتا یہاں تو یہ حالت ہے کہ بہار کے مہینے کی آمد اور خزاں کے موسم کی روانگی گویا موسم اور زمانے کی تبدیلیوں کی بدولت ہزاروں جمشید اور لاکھوں کیخسرو خاک و خون میں مل چکے ہیں اور ملتے رہتے ہیں جبکہ ایسے ایسے زبردست اور صاحب طاقت بادشاہوں کا بھی زمانہ کے چکر کے سامنے کچھ بس نہ چلا اور وہ بھی قضا و قدر کے احکام کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے تو بھلا میں اور تو کس شمار میں قطار میں ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ اس دنیا میں ہمارا قیام صرف چند روزہ ہے اور یہ ہماری انتہائی حماقت ہوگی اگر ہم اس مختصر سی مدت کو بھی غم و فکر کی نذر کر کے ایک مغموم اور مایوس زندگی گزارتے رہیں گے۔

یہ خیال کہ دنیا ناپائدار ہے اور اس میں ہمارا قیام بہت ہی مختصر ہے اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس قلیل فرصت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور لایعنی افکار اور بے سود رنج وغم میں مبتلا رہ کر اپنی عمر تباہ نہ کریں خیام کے دل میں ہر وقت جاگزیں رہتا ہے اور ہر چار چھ رباعیوں کے بعد ایک رباعی اسی مضمون کی آجاتی ہے کہ ہمیں چاہئے کہ آئندہ و گذشتہ سے بے فکر ہو کر موجودہ زمانے میں جو آرام وعیش بھی ہمیں میسر ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنا ہر لحہ خوشی اور خرمی میں گذاریں۔ وہ کہتا ہے

پیرے دیدم بخانۂ خمارے
گفتم نکنی ز رفتگان اخبارے
(۱۶۶) گفتا مے خور کہ ہمچو من بسیارے
رفتند وکسے باز نیامد بارے

یعنی میں نے شراب خانے کے دروازے پر ایک بڈھے کو بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا کہ بابا جو لوگ اس دنیا سے جا چکے ہیں کچھ ان کا حال نہیں سناتے بڑے میاں کہنے لگے کہ بھائی ان باتوں سے کیا حاصل ہے اس ذکر کو چھوڑ دو اور بیٹھ کر مزے سے شراب پیو کیونکہ دنیا میں لاکھوں کروروں انسان مجھ جیسے ہو ہو کر یہاں سے گئے اور ان میں سے لوٹ کر کبھی کوئی ایک بھی نہ آیا۔

یارب بکشائے برمن از رزق درے
(۱۶۷) بے منت مخلوق رساں ماحضرے
از بادہ چناں مست نگہدار مرا
کز بے خبرے نباشدم دردسرے

ممکن ہے کہ بڑے میاں کی نصیحت سے متاثر ہو کر ہی خیام نے یہ دعا مانگی ہو یا شاید ان کا اپنا خیال ہو بہر حال کہتے ہیں کہ اے اللہ تو مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دے اور ایسا کر دے کہ مجھے روٹیوں کی خاطر تیرے کسی بندے کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں اور اے اللہ مجھے اس حد تک شراب سے مست کر کے رکھ کہ بے ہوشی کی وجہ سے مجھے کبھی اس درد کا بھی ہوش نہ ہوا کرے جو شراب کا نشہ اترتے وقت سر میں ہوا کرتا ہے۔

اے دل تو بہ سرّ ایں معما نرسی

در نکتۂ زیرکان و دانا نہ رسی
اینجا زمے و جام بہشتی می ساز
کانجا کہ بہشت است رسی یا نہ رسی

کہتا ہے کہ اے دل تو اسرار خداوندی کے اس معمے کو جس کا نام دنیا ہے نہیں پہونچ سکتا اور بڑے بڑے عقلمندوں اور حکیموں کے نکات تک میری رسائی ناممکن ہے۔ تو ان سب خیالات کو چھوڑ کہ یہ دنیا کیا ہے اور اس میں رنج و راحت اور شادی و غم کیوں اور کس طرح ہوتے ہیں تو تو بس یہ کر کہ شراب اور پیالے سے واسطہ رکھ اور مستی اور بے خبری کی بدولت اس دنیا کو بہشت بنا لے اور وہ بہشت کہ جس کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں تک تو کون جانتا ہے کہ تو پہونچ سکے گا یا نہیں۔

برگیر ز خود حساب اگر باخبری
کاول تو چہ آوردی و آخر چہ بری (۱۶۹)
گوئی نخورم بادہ کہ مے باید مرد
می باید مرد گر خوری یا نخوری

پھر کہتا ہے کہ اگر تو عقلمند اور ذی ہوش ہے تو ذرا اپنا حساب لگا کہ جب تو دنیا میں آیا تھا تو کیا لیکر آیا تھا اور جب مر کر یہاں سے جائے گا تو اپنے ہمراہ کیا لے جائے گا۔ تو یہ کہتا ہے کہ میں اس خوف سے شراب نہیں پیتا کہ اب مجھے مرنا ہے لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تو نے شراب نہ پی تو کیا مرنے سے بچ جائے گا مرنا تو بہر صورت یقینی ہے خواہ تو شراب پئے یا نہ پئے پھر خواہ مخواہ اس کے خوف سے اپنا عیش بھی کیوں تلخ کیا۔

خواہی کہ اساس عمر محکم یابی
یک چند بعالم دل بے غم یابی (۱۷۰)
فارغ منشیں ز خوردن بادہ و مے
تا لذت عمر خود دمادم یابی

کہتا ہے کہ اگر تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری عمر کی بنیاد مضبوط اور مستحکم ہو جائے اگر تمہاری یہ تمنا ہے کہ دنیا میں کچھ دیر کے لئے تمہارا دل غم والم سے خالی رہے تو اس کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دم بھر بھی شراب کے شغل سے فارغ ہو کر نہ بیٹھو اور برابر

جام پر جام لنڈھاتے رہو۔ اس وقت ایسا ہوگا کہ تمہیں ہر وقت اپنی زندگی کا پورا پورا لطف حاصل ہوتا رہے گا۔

(۱۷۱)
تا کے غم آں خورم کہ دارم یا نے
ویں عمر بہ خوش دلی گذارم یا نے
پُر کن قدح بادہ کہ معلومم نیست
کایں دم کہ فرو برم برآرم یا نے

کہتا ہے کہ آخر میں کب تک اس غم و فکر میں مبتلا رہوں کہ میرے پاس کچھ ہے یا کچھ نہیں ہے، اور کب تک میں یہ سوچتا رہوں کہ اس اپنی عمر کو خوشی اور خرمی میں گذار نا مناسب ہے یا نہیں۔ بس اب غور و فکر کی انتہا ہو چکی اور اب میں اس سے زیادہ غم نہیں کما سکتا۔ لاؤ شراب کا پیالہ بھر کر دو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ یہ سانس جو میں نے اندر کو لیا ہے باہر بھی آئے گا یا نہیں۔ گویا زندگی کا تو اتنا بھی بھروسا نہیں ہے کہ دوسرا سانس لینے کا بھی یقین ہو۔

(۱۷۲)
تا کے ز غم زمانہ محزوں باشی
با چشم پُر آب و دل پُر خوں باشی
مے نوش و بعیش کوش و خوشدل می باش
زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

کہتا ہے کہ آخر کب تک دنیا کے رنج و اندوہ سے غمگین و محزوں رہے گا۔ اور کب تک تیری یہ حالت رہے گی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل خونی ہے۔ ان فضولیات اور لغویات پر خاک ڈال اور بیٹھ کر مزے سے شراب پی اور عیش کر، اور ہر وقت خوش و خرم رہ کہ وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب تو اس حلقہ سے کہ جس کا نام دنیا ہے باہر کر دیا جائے اس لئے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی زندگی کے لطف اُٹھا لے۔

(۱۷۳)
از آمدنِ بہار و ز رفتنِ دے
اوراق وجود ما ہمی گردد طے
مے خور، مخور اندوہ کہ گفت است حکیم
غمہائے جہاں چو زہر و تریاقش مے

کہتا ہے کہ ہر سال بہار آتی ہے اور خزاں جاتی ہے، اور اس طرح ان دونوں

کی آمد و رفت میں ہماری ہستی اور زندگی کے ورق الٹتے چلے جاتے ہیں نہ ہمارا بہار پر کچھ زور چلتا ہے اور نہ خزاں پر، اور ہم کسی طرح بھی وقت کو گذارنے اور ہماری عمروں کو کم کرنے سے نہیں روک سکتے۔ پھر ایسی بے بسی کی حالت میں کیا کیا جائے یہی مناسب ہے کہ دن رات خوب شراب پیو اور مست و مدہوش رہو کیونکہ ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ دنیا کی فکریں اور رنج انسان کی تندرستی کے لئے زہر کا حکم رکھتی ہیں، اور اس زہر کی تریاق شراب ہے۔

گویند مخور مے کہ ہلاکش باشی
(۱۷۴) در روز مکافات در آتش باشی
ایں ہست و لے زہر دو عالم خوشتر
آں یکدم کز شراب سرخوش باشی

کہتا ہے کہ لوگ مجھے سمجھاتے ہیں کہ شراب نہ پیا کرو وہ تمہیں ہلاک کر دے گی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کی بدولت جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ یہ سب سچ ہے، مگر دشواری تو یہ ہے کہ وہ ایک لمحہ کہ جس میں ہم شراب کے اثر سے مدہوش اور دنیا کے غم سے آزاد ہوں دونوں جہان کی نعمتوں سے بھی زیادہ اچھا ہوتا ہے، اسے کس طرح چھوڑا جائے۔

اے بادۂ نوشربت من لالائی
(۱۷۵) چنداں بخشم تراز روشن رائی
کز دور مرا ہر کہ بہ بیند گوید
اے خورده شراب از کجا می آئی

کمال اخلاص اور انتہائی محبت کے ساتھ اب اہل دنیا کو چھوڑ کر خیام خود شراب کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میری لالہ فام اور خوش رنگ شراب میری تو یہ تمنا اور یہ آرزو ہے کہ اپنی روشن ضمیری اور عقلمندی کی بنا پر میں تجھے اتنا پیوں اتنا پیوں کہ کثرتِ نشہ کی وجہ سے میری چال میں مستانہ پن آجائے اور دور ہی سے مجھے دیکھ کر یہ کہنے لگیں کہ یہ متوالا شرابی شراب پیئے کہاں سے آرہا ہے۔

بادہ خواری اور مے گساری کے متعلق خیام کی جس قدر رباعیاں منتخب کی گئی تھیں وہ ختم ہو گئیں اور اچھا ہی ہوا کہ ختم ہو گئیں کیونکہ غالباً بعض قارئین کرام اتنے عرصہ دراز تک وہی ایک بادہ و جام کا ذکر سنتے سنتے اکتا گئے ہوں گے آئندہ اشاعتوں میں اگر فضل ایزدی

شامل حال رہا تو ہم خیام کی دوسری رباعیاں ترجمہ کرکے شائع کریں گے اور جب حکیم کی مدہوشی و مستی ابتک آپ ملاحظہ کرتے رہے ہیں اس کی خدا پرستی کے نظارے آپ کو محوحیرت بنادینگے۔

خیام کی رندی اور بادہ نوشی کا نمونہ بہت کافی پیش کیا جاچکا، اور قارئین پیشوا اغالباً اس وقت تک اس کے متعلق یہ رائے قائم بھی کرچکے ہوں گے کہ خیام ایک بدمست رند سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی وہ شراب خواری اور بدمستی بھی کہ جس کا نمونہ آپ اس کی رباعیوں میں اب تک ملاحظہ کرتے رہے ہیں اس درجہ بلند اور وقیع چیز ہے کہ اس پر بہت سی ہوشیاریاں اور پرہیزگاریاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ وہ متوالا تھا، مگر وہسکی اور برانڈی کا نہیں بلکہ بادۂ معرفت کا، اور وہ سرمست و مدہوش تھا لیکن ان ساقی بچوں کے ہاتھ کے پیالوں کا نہیں کہ جو شراب خانوں میں لوگوں کو جام بھر بھر کر پلایا کرتے ہیں بلکہ ساقی ازل کے بخشے ہوئے اس جام کا کہ جس میں شراب عرفان بھری ہوئی تھی اور جس کے پیتے ہی وہ بایں ہمہ مدہوشی و بدمستی ہزاروں ہوشیاروں سے زیادہ ذی ہوش بن گیا تھا۔ آیندہ ان صفحات میں اس کی جو رباعیاں پیش کی جائیں گی وہ آپ کو بتادیں گی کہ درحقیقت خیر کیا تھا اور اس کا وہ کونسا فلسفہ ہے جس پر آج اہل مشرق ہی نہیں بلکہ حکمائے مغرب بھی سر دھن رہے ہیں۔

دنیا اپنی تنگدستی اور ناداری کا رات دن رونا رویا کرتی ہے اور اکثر ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنہیں قسام ازل نے حسن صورت، جسمانی صحت، اور نیک سیرت جیسی نعمتیں عطا کردی ہیں اس بات کے شاکی نظر آتے ہیں کہ ان کے پاس دولت نہیں ہے، لیکن خیام کی حکیمانہ نگاہ میں دولت دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہے اور وہ مطمئن اور خوش ہے کہ وہ دولت سے جسے وہ بجا طور پر ذریعہ گناہ خیال کرتا ہے محروم ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

چوں زآب و گل آفرید صانع مارا
کردہ بہ غم زمانہ قانع مارا (۱۷۶)
پیوستہ مرا زمے ہمی منع کنی
خود دوست تہی بس است مانع مارا

یعنی جب خلاق عالم نے ہمیں مٹی اور پانی سے ترکیب دے کر پیدا کیا تو اسی وقت اس نے ہمیں دنیا کے غم و فکر اور زمانے کے درد دکھ پر قانع کردیا تھا۔ تو جو مجھے رات دن شراب خواری سے

کتاب پیام خیام



چوں می ندهند اجل اماں اے ساقی ـ درده قدح شراب هاں اے ساقی
هم خور دن بیهوده نه کار دل ماست ـ با این دوسه روزه در جهاں اے ساقی

Calcutta Art Press Delhi.

منع کیا کرتا ہے اس سے حاصل کیا اور اس کی ضرورت کیا ہے' میرا خالی ہاتھ' اور میری مفلسی اور ناداری خود ہی مجھے گناہ سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔ میرے پاس اتنی دولت کہاں رکھی ہے کہ عیش و عشرت کے سامان مہیا کروں اور گناہگار بنوں۔ گویا میری بے مائگی فی الحقیقت ایک رحمت الٰہی ہے کہ وہ مجھے گناہ سے محفوظ رکھتی ہے۔

بت گفت بہ بت پرست کاے عابد ما
دانی زچہ روئے گشتۂ ساجد ما
بر ما بہ جمال خود تجلی کرد است
آں کس زتست ناظر و شاہد ما (۱۷۷)

خود طالب و خود مطلوب اور خود عابد و خود معبود کا مسئلہ سالہا سال سے ارباب فکر کے زیر غور رہا ہے۔ اور حقیقت خواہ کچھ بھی ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ذی فہم و ذی خرد انسانوں کی ایک اچھی خاصی بڑی جماعت وثوق کامل کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ جو کچھ بھی ہے خدا ہے اور خدا کے سوا اس دنیا میں اور کچھ بھی نہیں ہے خیام کا مسلک بھی یہی ہے اور اسے ہر انسان میں بلکہ ہر بت میں باری تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک روز ایک بت نے اپنے پجاری سے کہا کہ اے میرے پرستار تجھے کچھ یہ بھی خبر ہے کہ تو کیوں میرے قدموں پر سر رکھا کرتا ہے اور کیوں مجھے سجدے کیا کرتا ہے آ میں تجھے بتاؤں کہ اس کا باعث یہ ہے کہ مجھ میں اس ذات پاک کے جمال کی تجلی موجود ہے کہ جو تیرے اندر چھپکر مجھے دیکھا اور میری عبادت کیا کرتا ہے گویا تو اور میں دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ اسی ایک جمال کے دو پرتو ہیں تجھ میں وہ طالب یا عابد بن کر ظاہر ہوا ہے اور مجھ میں اس نے شان معبودی اختیار کی ہے اور پھر جبکہ تو اور میں دونوں اسی ایک جلوہ اور ایک جمال کے مظہر ہیں تو پھر تو اور میں ہی کہاں رہے تو بھی وہی ہے اور میں بھی وہی ہوں بلکہ نہ تو ہے نہ میں ہوں بس وہی وہ ہے۔

دانی کہ چہ مدتیست اے دلبر ما
با ایں جہتے کہ رفتہ از بر ما (۱۷۸)
خود کسی نظر ستی و نپرسی ہرگز
تا بے تو چہا می گذرد بر سر ما

معشوق ظاہری سے خطاب کر کے خیام درحقیقت مطلوب حقیقی کی بے اعتنائی کی

شکایت کرتا ہے اور اس کی بے نیازی اور بے توجہی کا اس طرح ذکر کر کے چاہتا ہے کہ وہ مائل بہ کرم ہو جائے کہتا ہے کہ اے دلبر و دلدار تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ اس حالت کو کتنی مدتیں گذر گئیں کہ تو میری آغوش شوق سے اٹھ کر چلا گیا تھا اور اس وقت سے ابتک نہ تو کسی کو تو نے میری خبر لینے کو بھیجا اور نہ خود ہی کبھی اتنا پوچھا کہ میرے بغیر تجھ پر کیا گذر رہی ہے۔

ہر چند کہ رنگ و بوئے زیباست مرا
چوں لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا (۱۷۹)
معلوم نہ شد کہ در طرب خانۂ خاک
نقاش من از بہر چہ آراست مرا

اس حسین اور دلکش دنیا پر حیرت اور استعجاب کے ساتھ نگاہ ڈالکر خیام اس فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آخر اس بے بود اور خالی طلسم کی نیرنگیوں کا مطلب کیا ہے اور جبکہ یہ تمام رعنائی و زیبائی ایک آن واحد میں فنا ہو جایا کرتی ہے تو اس کے بنانے والے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے عرصۂ دراز کے غور و فکر کے بعد بھی جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو ہار کر وہ کہتا ہے کہ اگرچہ رنگ و بو مجھے بہت اچھی حاصل ہے اور حسن ظاہری کی مجھ میں کمی نہیں گل لالہ کی طرح میرا چہرہ سرخ اور سرو کی طرح میرا قد سیدھا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس خاکی عشرتکدہ یعنی دنیا میں میرے نقاش نے مجھے کس لئے آراستہ کیا ہے اور میں اتنی خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ اس فانی دنیا میں کس مقصد سے بھیجا گیا ہوں۔

غافل بچہ امید دریں شوم مرا
بر دولت او دل بنہد از بہر خدا (۱۸۰)
ہر گاہ کہ خواہد کہ نشیند از پا
گیرد اجلش دست کہ بالا بیا

خیام کی نگاہ میں دنیا کی دولت کوئی وقعت نہیں رکھتی اور یہی اس کی عالی خیالی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ انجام سے غافل شخص آخر کس امید پر اس منحوس دنیا میں اپنی دولت اور اپنے مال سے دل لگاتا ہے اور کیوں روپے پیسے کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے اسے یہ بھی خبر ہے کہ جب کماتے کماتے اور جمع کرتے کرتے تھک کر یہ آرام کرنے کے لئے بیٹھنے کی خواہش کرے گا اور چاہے گا کہ اب اپنے اندوختہ سے فائدہ اٹھاؤں اسی وقت موت کا قاصد

آ کے ہاتھ پکڑے گا اور کہے گا کہ چلئے بس اب کھڑے ہو جائیے۔

اے آنکہ گزیدۂ جہانی تو مرا
خوشتر ز دل و دیدۂ و جانی تو مرا
از جاں صنما عزیز تر چیزے نیست
صد بار عزیز تر از آنی تو مرا (۱۸۱)

اپنے محبوب حقیقی سے کچھ کہنے سننے کا یہ طریقہ بہت ہی اچھا ہے کہ کسی ظاہری معشوق کو اپنا مخاطب بنا کر جو کچھ دل میں ہے وہ کہہ دیا جائے اور جس عشق کا اظہار کہ اپنے محبوب اصلی کے رو برو نہیں کیا جا سکتا تھا اس کا بیان نہایت شرح و بسط اور کمال بے تکلفی کے ساتھ دوسروں پر ڈھال کر کر دیا جائے۔ خیام بھی اپنے جذبات محبت کے اظہار کے لئے یہی طریقہ اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے وہ ہستی کہ جسے میں نے تمام جہان میں سے منتخب کیا ہے اور جو مجھے دل سے آنکھوں سے اور جان سے زیادہ عزیز ہے، اے صنم تو جانتا ہے کہ دنیا میں انسان کو جان سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوتی۔ مگر تو مجھے جان سے بھی سو گنا زیادہ پیارا اور عزیز ہے۔ گویا میں اپنی جان خوشی کے ساتھ تیری راہ میں قربان کر سکتا ہوں۔

اے دل ز زمانہ رسم احساں مطلب
وز گردش دوراں سر و ساماں مطلب
درماں طلبی درد تو افزوں گردد
با درد بساز و ہیچ درماں مطلب (۱۸۲)

راحت و آرام کی تلاش اور عیش و عشرت کی طلب میں آوارہ و سرگرداں رہنے اور جو کچھ میسر ہے اسے ناکافی سمجھ کر ہر وقت شکوہ و شکایت یا نوحہ و ماتم میں وقت گذارنے کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ ہمیں جو تھوڑا بہت آرام اور عیش حاصل ہے اسے بھی تلخ کر لیں اور کوشش و محنت کے ذریعے سے جو ترقی ممکن ہے اس سے بھی باز رہیں۔ اس لئے خیام کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ اے دل زمانہ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا اس سے کسی قسم کے احسان کی توقع نہ رکھ اور نہ کچھ مانگ اور وقت کے چکر سے اپنے لئے عیش و آرام کا سامان طلب نکر تو اپنے درد کا یعنی اپنی ناداری کا علاج چاہتا ہے لیکن جس قدر دوا کی طلب یعنی عیش و آرام کی ہوس بڑھتی جائے گی اسی قدر تیرے درد میں ترقی ہوتی رہے گی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہوس

کبھی پوری نہیں ہو سکتی اور جب تک ہوس باقی ہے اس وقت تک موجودہ آرام کا کچھ لطف حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے خیام کہتا ہے کہ زیادہ اچھا اور زیادہ آرام دہ طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے دکھ اور اپنی تکلیف ہی کے ساتھ موافقت کرلے تاکہ وہ خود ہی اس سازگاری کی بدولت تیرے لئے تکلیف و مصیبت نہ رہے بلکہ آرام بنجائے۔ درد کی دوا طلب کرنا لاحاصل اور غیر مفید ہے اس لئے تجھے چاہئے کہ اپنی تکلیفوں کا علاج ہرگز ہرگز طلب نہ کرے۔

خیام کے مذہب میں زیادت طلبی اور خرمی بالکل جائز نہیں ہے۔ وہ حاصل ناشدہ سامان عیش کے لئے متفکر اور پریشان رہ کر عیش موجودہ و حاصل کو تلخ کرلینے پر اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ جو کچھ بھی میسر ہے اسی کو کافی سمجھ لیا جائے تاکہ زندگی کے جتنے لمحے بھی مسرت واطمینان میں گذر سکیں گذار لئے جائیں۔ وہ کہتا ہے۔

(۱۸۳)

گر گل نبود نصیب ما خار بس است

ور نور نمی رسد بہ ما نار بس است

گر سبحہ و سجادہ و شیخ نبود

ناقوس و کلیسیا و زنار بس است

اگر ہمارے نصیب میں پھول نہیں ہے اور قسام ازل نے ہمیں اس نعمت سے محروم رکھا ہے تو کچھ پرواہ نہیں ہم اس کی ہوس ہی کیوں کریں ہمارے لئے کانٹے ہی کافی ہیں کیونکہ جس طرح پھول کو دیکھ کر ہم صانع قدرت کے کمال پر دنگ رہ جاتے ہیں اسی طرح ایک کانٹے میں بھی صنعت باری تعالیٰ کا کچھ کم اظہار نہیں ہوتا اور ایک صاحب نظر کے نزدیک صنعت کی حیثیت سے کانٹا بھی پھول سے کسی طرح کم وقیع نہیں ہے۔ پھول کی طرح اگر نور میں بھی ہمارا حصہ نہیں ہے اور وہ ہم تک نہیں پہنچتا تو کیا مضائقہ ہے ہم نار یعنی آگ ہی پر قناعت کرلیں گے۔ اور طاقت الٰہی کے لئے ہمیں تسبیح اور مصلے اور شیخ یا امام جیسے ظاہری سامان مہیا نہیں ہیں تو رنج اور فکر کی کونسی بات ہے ہمارا کام ان کی غیر موجودگی میں بھی چل سکتا ہے اور ہم ناقوس اور مندر اور جنیؤ سے بھی وہی کام لے سکتے ہیں۔ گویا سامان ظاہر کوئی چیز نہیں ہے اصل چیز ہماری نیت اور ہمارا ارادہ ہے۔

(۱۸۴)

امروز ترا دسترس فردا نیست

و اندیشۂ فردات بجز سودا نیست

ضائع مکن از دولت شیدائیست
کیں باقی عمر را بہا پیدا نیست

خیام ہمیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہے کہ ہم فکر ماضی اور اندیشۂ مستقبل سے کوئی واسطہ نہ رکھیں، اور جہاں تک ہو سکے وقت موجودہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں وہ کہتا ہے کہ کل جو کچھ پیش آنے والا ہے اس پر تجھے آج کوئی اختیار اور کوئی قدرت حاصل نہیں اس لئے ظاہر ہے کہ کل کی فکر میں آج بے چین اور مضطرب رہنا حماقت اور جنون کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے وہ ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تمہارا دل ابھی تک فکر ماضی و مستقبل میں پڑا ہوا ہے اور عشق سے خالی ہے تو خدا کے لئے اب اور زیادہ وقت ضائع نہ کرو کیونکہ جو عمر ضائع ہو چکی وہ تو ضائع ہو ہی چکی جو باقی ہے وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اگر وہ ضائع ہو گئی تو اس کی تلافی کسی طرح نہ ہو سکے گی۔

اے چرخ فلک خرابی از کینۂ تست
بیدادگری عادت دیرینۂ تست (۱۸۵)
اے خاک اگر سینۂ تو بشگافند
بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

آسمان اور گردش آسمان کی شکایت شعرائے مشرق کی دیرینہ رسم ہے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ خیام اس سنت کو نہ ادا کرتا۔ وہ آسمان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے گردش کرنے والے آسمان ہماری تمام تباہی اور بربادی کا باعث تیری دشمنی اور تیرا کینہ ہے کیونکہ اہل دنیا پر ظلم و ستم ڈھانا تیری پرانی عادت ہے۔ اس کے بعد وہ زمین کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے زمین اگر تیرا سینہ چیر کر دیکھا جائے تو اس کے اندر کیسے کیسے قیمتی موتی چھپے ہوئے ملیں گے یعنی کیسے کیسے کامل اور اکمل انسانوں کو تو کھا گئی اور وہ تجھ میں مدفون ہیں۔

ہر دل کہ درو مہر و محبت بسرشت
گر ساکن مسجد است و در اہل کنشت (۱۸۶)
در دفتر عشق نام ہر کس کہ نوشت
آزاد ز دوزخ است و فارغ ز بہشت

کہتا ہے کہ جس دل کے اندر صانع حقیقی نے مہر اور محبت رکھدی ہے وہ خواہ مسجد میں رہے یا مندر میں سب یکساں ہے اس کا دل عشق الٰہی سے لبریز ہے اور مسجد اور مندر اس کی

نگاہوں میں نہ کوئی وقعت رکھتے ہیں اور نہ فرقِ وامتیاز اور عاشقانِ الٰہی کی فہرست میں جس کسی کا نام لکھا گیا وہ دوزخ اور جنت کے جھگڑوں سے کلیتاً فارغ اور آزاد ہے کیونکہ بہشت اور دوزخ کا خیال تو انہی دلوں میں سما سکتا ہے کہ جو عشق و محبت سے خالی ہے۔ عشاق کے دلوں میں اتنی گنجایش ہی کہاں ہے کہ ماسوا کا خیال آسکے۔

دورے کہ درو آمدن و رفتن ماست
(۱۸۷) آں را نہ بدایت و نہایت پیداست
کس می نہ زند دمے دریں معنی راست
کایں آمدن از کجا و رفتن بہ کجاست

تخلیق عالم یا موت اور حیات کا جب کبھی ذکر آجاتا ہے تو خیام کی کبھی یہ کوشش نہیں ہوتی کہ خواہ کسی کے لئے بھی کوئی بعید از قیاس اور دور از فہم نظریہ پیش کر کے ہم پر اپنے علم اور اپنی عقل کی فوقیت و فضیلت ظاہر کرے، بلکہ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر سچائی سے کام لے کر اپنی ہار مان لیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ یہ وہ اسرار ہیں کہ جن تک ہماری عقلوں کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ زمانے کے جس چکر میں کہ ہمارا آنا اور جانا یعنی ہمارا پیدا ہونا اور مرنا وقوع پذیر ہوا کرتا ہے اس کی نہ ہمیں کہیں ابتدا نظر آتی ہے اور نہ انتہا اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو صحیح طور پر ہمیں یہ بتا سکے کہ آخر روز روز کا یہ آنا اور یہ جانا کہاں سے اور کس طرف کو ہوا کرتا ہے۔

ہر گہ کہ غمے ملازم دل شودت
(۱۸۸) یا قصہ کار خویش مشکل شودت
حال دل دیگرے بباید پرسید
تا خوشدلی تمام حاصل شودت

مسرت اور اطمینان قلب اس دنیا میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب چیزیں ضرور ہیں اور ایک زمانہ ان کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے۔ خیام ہمیں یہ نکتہ بتاتا ہے کہ رات دن اپنے عیش و آرام کی فکر میں یا اپنے غم و رنج کی وجہ سے پریشان رہنے سے اندوہ و ملال کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ اپنے آرام کے متعلق ہماری فکریں جس قدر بڑھتی جائیں گی وہ فکریں بہر حال ہمارے ہی دل کو تو ہوں گی اور جب دل پہ افکار کا ہجوم رہا

تو مسرت یا اطمینان کہاں اس لئے ہمیں چاہیے کہ اپنے آرام کی بجائے دوسروں کے آرام کی فکر میں منہمک ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب ایسا ہو کہ غم و رنج تیرے دل پر چھا جائے یا تیرے اپنے کاموں کے جھگڑوں اور قصوں کی وجہ سے تجھے دشواریاں پیش آئیں تو تجھے چاہیے کہ دوسروں کے دل کا حال پوچھے اور ان کی دلبستگی کے سامان مہیا کرے تا کہ تجھے تیرے غم فراموش ہو جائیں اور کامل مسرت حاصل ہو جائے۔

در چشم محققاں چہ زیبا و چہ زشت
در نگہ عاشقاں چہ دوزخ چہ بہشت (۱۸۹)
پوشیدن بیدلاں چہ اطلس چہ پلاس
زیر سر عاشقاں چہ بالیں و چہ خشت

یہ چیز اچھی ہے اور یہ بُری، اور اس صورت میں ہمیں آرام ہے اور اس صورت میں تکلیف، یا یہ کہ ہم تو پیدل چل رہے ہیں اور فلاں نواب صاحب یا راجہ صاحب موٹروں میں چڑھے پھرتے ہیں یہ اور اسی نوعیت کے تمام خیالات صرف انہی دلوں میں آیا کرتے ہیں جو ابھی بہیمیت کی سطح سے بلند نہیں ہوئے ہیں اور جن میں اللہ کی محبت یا تحقیق حق کا جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو خیام اس طرح بیان کرتا ہے کہ محققوں کی نظر میں اچھا اور برا کیا کیونکہ ان کی نظر تو چیزوں کے ظاہر پر نہیں بلکہ حقائق پر ہوتی ہے اور ذات باری تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے نزدیک بہشت اور دوزخ میں فرق اور امتیاز کیا کیونکہ محبت کے نشہ نے ان کے دلوں سے آرام اور تکلیف کا احساس ہی کھو دیا ہے اور جن کے پہلو میں دل ہی نہیں ہے انہیں اس کی کیا پروا کہ وہ اطلس اور کمخواب کا لباس پہنے ہوئے ہیں یا ٹاٹ کا ٹکڑا بدن پر لپیٹ رکھا ہے اور جو عشق الٰہی کی شراب سے سرشار ہیں انہیں اس کی کیا خبر کہ ان کے سر کے نیچے نرم اور ملایم تکیہ رکھا ہوا ہے یا کوئی سخت اور کرخت اینٹ ہے۔

ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستہ است
گویا ز لب فرشتہ خوئے رستہ است (۱۹۰)
پا بر سر سبزہ تا بخواری ننہی
کاں سبزہ ز خاک لالہ روئے رستہ است

حیرت انگیز خیالات لکھنے میں خیام کو کمال حاصل ہے۔ سبزہ و گل رات دن کس کی نگاہ سے نہیں گذرتے، لیکن کتنے ایسے زندہ دل ہیں جو وہی اثر قبول کرتے ہوں جو خیام کرتا ہے اور کہہ اٹھتے ہوں کہ دریا کے کنارے پہ جتنی بھی گھاس اُگی ہے اس کی ایک ایک پتی گویا ایک ایک صاحب کمال کے ہونٹوں سے اُگی ہے کہ جو زیرِ خاک مدفون ہیں ہم جو بلاتکلف اپنا دل خوش کرنے کے لئے اس سبزہ کو پامال کرتے پھر رہے ہیں ہمیں چاہئے کہ اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں اور اس بری طرح اور ایسی حقارت اور ذلت کے ساتھ اسے روندتے نہ پھریں کیونکہ یقینی طور پر وہ کسی نہ کسی حسین اور گل رخسار معشوق کی خاک سے اُگا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی کمال اور کسی حسن کو بقا نہیں ہے اور دنیا میں اس کثرت سے صاحب جمال اور صاحب کمال انسان فنا ہو چکے ہیں کہ اب جو گھاس زمین پر اُگتی ہے اس کا ایک ایک پتہ گویا کسی نہ کسی ایسے ہی انسان کی خاک سے بنا ہوا ہے۔

دنیا کی بے ثباتی، اور زندگی کی حباب صفتی کو خیام نے بار بار سیکڑوں مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے اور پیغام قضا کے سامنے انسان کی بے اختیاری اور مجبوری کا ہزار طرح سے ذکر کر کے سبق عبرت دیا ہے۔ خاک کے ایک ایک ذرہ کو ایک ایک حسین و جمیل محبوب کی آنکھ بتا کر وہ کبھی تو ہماری توجہ اجل کے تیر خوردوں کی کثرت کی طرف منعطف کرتا ہے اور کبھی گھاس کی ہر پتی اور لالہ و گل کی ہر پنکھڑی کو کسی معشوق کے ہونٹ کہہ کر ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ ہزاروں دلوں پر حکومت کرتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو فنا سے نہ بچا سکے تو عوام کا کیا ذکر۔ وہ کہتا ہے۔

خارے کہ بزیر پائے ہر حیوانیست
زلفِ صنمے و ابروئے جانانیست (۱۹۱)
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانے است
انگشتِ وزیرے و سر سلطانیست

چلتے پھرتے ببول کے یا گوکھرو کے کانٹے جو ہر انسان اور حیوان کے پاؤں کے نیچے آتے رہتے ہیں وہ کانٹے نہیں ہیں بلکہ فی الاصل کسی نہ کسی فنا شدہ معشوق کی زلف اور برباد رفتہ محبوب کی ابرو ہیں جن پر ایک زمانہ جان دیتا تھا۔ اور آج جو بڑے بڑے عالی شان محلوں کے کنگورے تمہیں نظر آ رہے ہیں ان کی ایک ایک اینٹ ایک ایک

عالیجاہ شہنشاہ کا سر ہا کسی وزیر باتدبیر کی انگلی ہے۔

آں بہ کہ دریں زمانہ کم گیری دوست
با اہل زمانہ صحبت از دور نکوست
آں کس کہ بجملگی ترا تکیہ بدوست (۱۹۲)
چوں چشم خرد باز کنی دشمنت اوست

احباب زمانہ کی خود غرضی اور بیوفائی دیکھ کر خیام کا دل ان سے پھر گیا ہے، اور اب وہ لوگوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر کم لوگوں سے دوستی اور محبت کا سلسلہ قائم کیا جائے اسی قدر بہتر ہے اور اس زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ لوگوں سے بس دور کی ملاقات رکھی جائے۔ اس زمانہ میں یہ حالت ہے کہ جس شخص پر تمہیں کامل اعتبار اور زیادہ سے زیادہ بھروسا ہو اسی کو اگر ذرا عقل کی آنکھیں کھول کر دیکھو گے تو اپنا پکا دشمن پاؤ گے۔

چندیں غم مال و حسرت دنیا چیست
ہرگز دیدی کسے جاوید بزیست
ایں یک نفسے کہ در تنت عاریت است (۱۹۳)
با عاریتے عاریتے باید زیست

دنیا میں رہ کر اپنی زندگی غم و الم میں بسر کرنا، اور دنیا اور اسباب دنیا کے لئے ہر وقت پریشانی اور فکر میں مبتلا رہنا خیام کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں ہے۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ یہ اس قدر مال و اسباب کا غم اور اس درجہ دنیا کی حسرت آخر کس لئے؟ کیا تم نے کبھی کسی کو ہمیشہ زندہ رہتے دیکھا ہے۔ پھر دو دن کی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں کیوں تلخ کئے بیٹھے ہو۔ تمہارے جسم میں رکھا ہی کیا ہے ایک ذرا سا سانس ہے وہ بھی اپنا نہیں بلکہ اُدھار کا ہے۔ جسے قرض دینے والا جب چاہے واپس لے لے۔ پھر ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اس بالکل عارضی، غیر مستقل اور اُدھار کی زندگی کو تو اُدھار ہی کی چیز کی طرح بسر کرنا چاہیے۔ اے خواہ مخواہ اپنی چیز سمجھ کر اس سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہو، اور اس کے لئے بے فائدہ رنج و غم کیوں مول لیتے ہو۔

گر کار تو نیک است تدبیر تو نیست (۱۹۴)

ور بد بود نیز ہم بتقصیر تو نیست
تسلیم و رضا پیش کن و شاد بزی
چوں نیک و بد جہاں بتقدیر تو نیست

کہتاہے کہ اگر تیرے کام اچھے ہیں اور تو خوش حال اور فارغ البال ہے تو درحقیقت یہ حالت تیری تدبیروں کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور اگر تجھے برائی پیش آتی ہے یا تو برے کام کرتا ہے اور یہ حالت بھی تیرے اپنے قصور کی وجہ سے نہیں ہے تو پھر تجھے رنج اور فکر کیوں ہو تو خوش رہ اور قضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ کیونکہ دنیا کا نیک و بد تیرے قبضۂ قدرت اور اختیار سے باہر ہے۔

گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت
از من خبرے کہ بے نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی و از کجا آمدۂ (۱۹۵)
می داں کہ چہ میکنی کجا خواہی رفت

اس دنیا میں آکر جانوروں کی طرح جہالت اور غفلت کی زندگی گذارنا اور صرف اپنے جذبات اور اپنی خواہشات کا بندہ بن جانا انسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کی زندگی کا مقصد بہائم سے ارفع و اعلیٰ ہونا چاہیئے خیام کہتا ہے کہ اگر تو صرف ہوا اور ہوس میں پھنسا رہے گا۔ اور صرف اپنی خواہشات کا غلام ہوگا تو مجھ سے سن لے کہ اس دنیا سے ناکام و نامراد جائیگا۔ تجھے خدا نے عقل دی ہے تو یہ دیکھ کہ تو کون ہے اور کہاں سے یہاں آیا ہے اور اس بات کو جاننے کی کوشش کر کہ مرنے کے بعد تجھے کہاں جانا ہے۔

نیکی و بدی کہ در نہاد بشر است
شادی و غمی کہ در قضا و قدر است (۱۹۶)
با چرخ مکن حوالہ کاندر رہ عقل
چرخ از تو ہزار بار بیچارہ تر است

لوگ بالخصوص شعراء رات دن آسمان کی کجروی کی شکایتیں کیا کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ دنیا میں جتنی فتنہ انگیزیاں ہوتی ہیں وہ سب اسی فلک مفسدہ پرداز کے ظلم و ستم کا نتیجہ

ہیں۔ لیکن خیام ان لوگوں کی عقلوں پر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ کسی انسان کی طبیعت میں نہیں نیکی نظر آئے یا بدی وہ قدرت نے اسے ودیعت کی ہے اور خوشی و غم جس میں کہ انسان مبتلا ہو وہ مشیت ایزدی ہے تم ان چیزوں کی ذمہ داری غریب آسمان کے سر نہ رکھو کیونکہ اگر عقل سے کام لو گے تو معلوم ہوگا کہ آسمان تو تم سے بھی ہزار گنا زیادہ مجبور اور بے بس ہے وہ کسی کے لئے کیا کر سکتا ہے۔

این کوزہ چو من عاشق زارے بودا ست
در بند سر زلف نگارے بودا ست (۱۹۷)
این دستہ کہ در گردن او مے بینی
دستے است کہ در گردن یارے بودا ست

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر پھر آگیا۔ صراحی کو دیکھ کر خیام کی دور رس نگاہ اس کے نقش و نگار یا اس کی ظاہری شکل و صورت کی خوبی میں محو نہیں ہوتی بلکہ وہ اس میں وہ چیز بھی دیکھتا ہے جو ہر آنکھ کو نظر نہیں آیا کرتیں اور کہتا ہے کہ یہ صراحی جس کی قلقل کی آواز آج ہمارے دلوں کو سرور سے بھر رہی ہے یہ بھی کسی انسان کی خاک سے بنی ہے جو میری طرح اپنے زمانے میں عاشقِ زار تھا اور جو کسی معشوق کی زلف کی قید میں پھنسا ہوا تھا۔ اس میں جو یہ دستہ لگا ہوا ہے یہ فی الحقیقت اسکا ہاتھ ہے کہ جو کبھی اس کے محبوب کی گردن میں حمائل رہا کرتا تھا۔

خیام ز بہر گنہ این ماتم چیست
در خوردن غم فائدہ بیش و کم چیست (۱۹۸)
آں را کہ گنہ نکرد غفران نبود
غفران ز برائے گنہ آمد غم چیست

باری تعالیٰ کی رحمت پر کامل بھروسا، اور اس کے حلم و عفو کی صفات پر کلی اعتماد جس قدر خیام کو ہے اتنا مشکل سے کسی کو ہو سکتا ہے۔ اُردو کا ایک بہت مشہور شعر ہے کہ ؂

بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا ۔ موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا

خیام کا مسلک بھی بالکل یہی ہے اور وہ بھی گناہ نہ کرنے کو گناہ اور خدائے پاک کی جناب میں گستاخی کا مترادف خیال کرتا ہے۔ اسی لئے کہتا ہے کہ اے خیام ہا اپنے گناہوں سے اس قدر خوف اور ان کی وجہ سے اس درجہ رنج و غم کیا معنے رکھتا ہے۔ اور پھر رنج و غم کیا بھی جائے تو آخر

اس رنج وغم سے حاصل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ معافی یا نجات معصوموں اور بیگناہوں کا حصہ تو نہیں ہو سکتی وہ تو گنہگاروں ہی کے حصہ میں آئے گی تو جبکہ اللہ تعالیٰ کی معافی صرف گنہگاروں کے لئے مخصوص ہے تو پھر غم کس بات کا ہے۔

خیام کے فلسفہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اس کو روا نہیں رکھتا کہ انسان اس دنیا کی تکلیفوں سے گھبرا کر اپنی تمام عمر شکوہ و شکایت یا رنج والم میں بسر کرے ماضی کا افسوس اور مستقبل کی فکر ہیں اس کے نزدیک بے معنی اور مہمل الفاظ ہیں وہ صرف اس زمانے کا قائل ہے کہ جو اس وقت موجود ہے اور اسے لاحاصل شکایتوں میں کھونے کی بجائے وہ اسے پسند کرتا ہے کہ جو کچھ بھی حاصل ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اور لطف اٹھا لیا جائے۔ وہ کہتا ہے

از ہرزہ بہر درے نمی باید تاخت
با نیک و بد زمانہ می باید ساخت (۱۹۹)
از طاس سپہر و کعبتین تقدیر
ہر نقش کہ پیدا شود آں باید باخت

یعنی ہر انسان کو عیش و مسرت یا آرام و راحت کی تلاش میں بے فائدہ در در بھیک مانگتے پھرنا نہ چاہئے اور زمانہ اچھا ہو یا برا اور موافقت کرے یا ناموافقت بہر حال ہمیں خود حالات کے ساتھ موافقت کر لینی چاہئے یہ آسمان کا طشت اور یہ تقدیر کے پانسے ہمارے لئے خود ہی اچھا یا برا کرتے رہتے ہیں اس لئے جس طرح چوسر کھیلتے وقت ہم جو داؤں بھی پڑ جائے اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح دنیاوی زندگی میں بھی تقدیر کے پانسے جو نقش نکال دیں اسی کو کھیلنا چاہئے۔

با دشمن و دوست فعل نیکو نیکوست
بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست (۲۰۰)
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو
با دشمن اگر نکو کنی گردد دوست

خیام اسے گوارا نہیں کرتا کہ ہم دوسروں کے درپئے آزار ہوں یا اگر دوسروں سے ہمیں تکلیف پہونچی ہے تو ہم بھی اس کا انتقام لیں اور انہیں ایذا پہونچائیں۔ وہ کہتا ہے کہ

خواہ کوئی ہمارا دشمن ہو یا دوست ہمیں بہر حال اس کے ساتھ بھلائی کرنی ہی مناسب ہے اور جو انسان کہ بالطبع نیک اور نیکی کرنے کا عادی ہے وہ بدی کر ہی کیسے سکتا ہے۔ تم اگر دوستوں کے ساتھ برائی کروگے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بھی تمہارے دشمن ہو جائیں گے لیکن اگر تم بھلائی دشمنوں کے ساتھ بھی کرو تو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ بھی تمہاری بھلائی دیکھ کر تمہارے دوست بنجائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں دشمن بنانے کی بجائے دوست بنانا بہر صورت بہتر ہے۔

اے دل چو نصیب تو ہمہ خوں شد نست
احوال تو ہر لحظہ دگر گوں شد نست (۲۰۱)
اے جان تو دریں تنم چہ کار آمدئ
چوں عاقبت کار تو بیروں شد نست

خیام انسان کی پیدائش کے معاملات پر غور کرتا ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ انسانی روحوں کی رات دن کی جو یہ آمد و رفت لگی ہوئی ہے اس کا فائدہ کیا ہے اور سوچتے سوچتے تنگ آ کر آخر کہہ اٹھتا ہے کہ اے دل جبکہ تیرے نصیب میں یہی لکھا ہے اور تیرا انجام یہی ہونا ہے کہ ایک روز خون ہو کر فنا اور ہلاک ہو جائے اور جبکہ تیرے لئے یہی مقدر ہے کہ تیری حالت ہر لحظہ بدلتی رہی تو پھر تیرا پیدا ہونا کس لئے ہے اور اے جان جبکہ آخر کار تجھے اس جسم سے باہر ہی نکل جانا ہے تو پھر تو اس جسم کے اندر آئی ہی کس لئے تھی۔

دارندہ چو ترکیب طبائع آراست
از بہر چہ اوفگندش اندر کم و کاست
گر نیک آمد شکستن از بہر چہ بود (۲۰۲)
ور نیک نیامد ایں صور عیب کراست

انتہائی غور و خوض کے بعد بھی جب خیام کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پیدائش و مرگ کا فلسفہ کیا ہے تو وہ اس صناع حقیقی پر اعتراضات شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارے طبائع آراستہ کئے تو ایسا کیوں ہونے دیا کہ ان کی ترکیب میں کمی اور بیشی واقع ہو گئی اور پھر جو طبیعتیں کہ مرضی کے مطابق ٹھیک بن گئی تھیں انہیں کیوں توڑا اور بگاڑا گیا اور جو ٹھیک نہیں بنی تھیں تو ان میں طبیعتوں کا کیا قصور تھا اگر قصور تھا تو بنانے والے کا تھا ان پر الزام کیوں لگایا جائے۔

عشق ار چہ بلاست آں بلا حکم خداست
بر حکم خدا سلامت خلق خطاست
(۲۰۳) چوں نیک و بد خلق بہ تقدیر خداست
پس روز پس حساب بہ بندہ چراست

کہتا ہے کہ عشق اگر بلا ہے تو یہ بلا میری اپنی پیدا کی ہوئی تو نہیں ہے بہر حال خدا ہی کے حکم سے ہے پھر جو کام کہ حکم الٰہی کے مطابق ہے اسپر دنیا مجھے کیوں بُرا کہتی ہے اہل دنیا کا یہ فعل کیوں خطا پر مبنی ہے۔ اس دنیا کی نیکی اور بدی کے متعلق جب یہ مسلم ہے کہ وہ حکم خدا کے مطابق ہوتی ہے اور ہم بھلائی کریں یا بُرائی سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے تو پھر قیامت کے دن بندوں سے کہ جو مجبور و ناچار ہیں حساب کتاب کیا؟

نے لایق مسجدم نہ در خور کنشت
ایزد داند گل مرا از چہ سرشت
(۲۰۴) چوں کافر درویشم و چوں قحبۂ زشت
نے دین و نہ دنیا و نہ امید بہشت

انسان کی حقیقت اور اس کی مجبوری و بے چارگی پر غور کرنے کے بعد خیام کہتا ہے کہ میں تو نہ مسجد ہی کے قابل ہوں اور نہ بتخانے کے خدا ہی جانے کہ اس نے میری مٹی کس جگہ سے لی تھی اور کس کام کے لئے مجھے پیدا کیا تھا۔ میری حالت تو ایسی ہے کہ فقیر ہوں مگر کافر فقیر ہوں کہ جو فقر کی فضیلت سے بھی محروم رہتا ہے اور بھوکوں بھی مرتا ہے یا پھر ایک بدکار زن بازاری کی طرح کہ نہ دین کے مطلب کا ہوں نہ دنیا کے مطلب کا اور نہ بہشت ہی کی کوئی امید ہے

در ہر دشتے کہ لالہ زارے بوداست
آں لالہ ز خون شہریارے بوداست
(۲۰۵) ہر برگ بنفشہ کہ زمیں می روید
خالیست کہ بر رخ نگارے بوداست

کہتا ہے کہ جس جنگل میں بھی خود رو لالہ کھلا ہوا نظر آ رہا ہے اس کا ایک ایک پھول در اصل ایک ایک بادشاہ کے خون سے بنا ہے اور بنفشہ کا ایک ایک پتہ جو زمین سے اُگتا ہے فی الحقیقت ایک ایک تل ہے جو کسی حسین مہ جبین کے چہرہ پر تھا مراد یہ ہے کہ دنیا نے بڑے سے بڑے

بادشاہ اور بہتر سے بہتر حسین اتنی کثیر تعداد میں بنا بنا کر مٹائے ہیں کہ ہر ہر پتا اور ہر ہر پھول گویا ایک ایک شہریار اور ایک گلعذار کی خاک سے بن کر نکلتا ہے۔

(۲۰۶)

از گردش دہر ہیچ مفہومم نیست
جز رنج زمانہ ہیچ مو ہومم نیست
ہر چند بکارِ خویش در می نگرم
عمرے بگذشت و ہیچ معلومم نیست

غور و فکر سے تنگ آ کر خیام کہتا ہے کہ اس آسمان کے چکر سے میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آتی اور میرے خیال میں اس کے سوا اور کچھ نہیں آیا ہے۔ کہ زمانے کے ہاتھ سے ہمیں رنج و الم کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا میں اپنے حالات پر جس قدر غور کرتا ہوں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ساری عمر گذر چکی اور مجھے آج تک کچھ بھی معلوم نہیں۔

(۲۰۷)

پیش از من و تو لیل و نہارے بوداست
گردندہ فلک برائے کارے بوداست
زنہار قدم بخاک آہستہ نہی
کاں مردمک چشم نگارے بوداست

کہتا ہے کہ یہ صبح و شام کا ہونا کچھ آج سے نہیں ہے بلکہ مجھ سے اور تجھ سے پہلے بھی اسی طرح دن نکلتا تھا اور اسی طرح رات ہوا کرتی تھی، اور یہ آسمان کا دور بھی کوئی حال کے زمانے کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی اسی طرح برابر چکر لگاتا چلا آیا ہے۔ اسی طرح انسان پیدا ہوتے اور مرتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح قومیں بنتی اور بگڑتی رہی ہیں اور پیدائش و مرگ کا یہ سلسلہ اتنے عرصہ سے جاری ہے کہ خاک کے جس ذرے پر بھی تو پاؤں رکھے گا وہ درحقیقت کسی نہ کسی معشوق کی آنکھ ہے جسے زمانے نے فنا کر دیا اس لئے زمین پر ذرا آہستہ قدم رکھا کر اور اس ناپائیدار دو روزہ زندگی پر غرور نہ کر۔

(۲۰۸)

ایں گنبد لاجوردی و زریں طشت
بسیار بگشت است و دگر خواہد گشت
یک چند ز اقتضائے دوراں قضا
ما نیز چو دیگراں رسیدم و گذشت

خیام کہتا ہے کہ یہ نیلا گنبد یعنی آسمان اور یہ سنہرا طشت یعنی آفتاب مدت ہائے دراز سے اسی طرح چکر لگاتے رہے ہیں اور اسی طرح چکر لگاتے رہیں گے اور جس طرح کہ ہم سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے اسی طرح ہمارے ساتھ بھی یہی ہوگا کہ ہماری اپنی مرضی اور ارادہ کے دخل کے بغیر قضا و قدر کے حکم کے مطابق یکایک دوسروں کی طرح ہم بھی اس دنیا میں آئیں گے اور بالکل ناگہانی طور پر کسی دوسرے ہی کی مرضی کے مطابق چند روز میاں سے چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔

دیر و حرم اور سبحۂ و زنار کا فرق انسان کی نگاہوں میں اسی وقت تک اہم رہتا ہے کہ جب تک اس کی نظریں مجاز اور ظاہر کے طلسم میں پھنسی رہتی ہیں۔ جو لوگ کہ اس حد سے تجاوز کرکے حقیقت کی ایک جھلک دیکھ لیتے ہیں ان کی نظر میں عبادت کے ان ظاہری وسیلوں کی نہ کوئی وقعت باقی رہتی ہے نہ اہمیت۔ ان کی نگاہوں کے سامنے دیر میں بھی وہی جلوہ ہوتا ہے جو حرم میں نظر آتا ہے اور زنار گلے میں ڈال کر بھی ان کا دل صرف اسی ایک ہستی کے آگے جھکتا ہے کہ جو معبودِ حقیقی ہے۔ اسی حقیقت کو خیام نے اس طرح بیان کیا ہے۔

(۲۰۹)
بت خانہ و کعبہ خانۂ بندگی است
ناقوس و اذاں ترانۂ بندگی است
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب
حقا کہ ہمہ نشانۂ بندگی است

کہتا ہے کہ بت خانہ اور کعبہ دونوں بندگی اور عبادت کے گھر ہیں اور سنکھ اور اذان دونوں بندگی اور عبادت کے ترانہ ہیں۔ اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کسی جگہ اور کسی مخصوص آواز کی ضرورت نہیں ہے جب دل اس کے آگے جھک گیا تو سر اور پاؤں کہیں بھی ہوں اور کسی حالت میں بھی ہوں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح مسجد کی محراب اور گرجا اور تسبیح اور صلیب یہ تمام چیزیں صرف بندگی اور عبادت کی نشانیاں ہیں اور اگر خدا کی بندگی مقصود ہے تو پھر ہاتھ میں تسبیح ہو یا صلیب سب برابر ہے۔

(۲۱۰)
از منزلِ کفر تا بدیں یک نفس است
وز عالمِ شک تا بہ یقیں یک نفس است
ایں یک نفسِ عزیز را خوش میدار

کز حاصل عمر ما ہمیں یک نفس است

خیام کہتا ہے کہ کفر اور ایمان کے درمیان صرف ایک سانس کا فاصلہ یا وقفہ ہے اور شک کے عالم سے یقین کے عالم تک پہونچنے کے لئے صرف ایک سانس کو کہ جو کفر اور ایمان میں حد فاصل ہے بہت ہی عزیز اور خوش رکھنا چاہئے کیونکہ ہماری تمام عمر کا حاصل اگر کچھ ہے تو بھی ایک سانس ہے۔

جز حق حکمے کہ حکم را شاید نیست
ہستی کہ ز حکم او بروں آید نیست (۲۱۲)
ہر چیز کہ ہست آں چناں می باید
آں چیز کہ آں چناں نمی باید نیست

کہتا ہے کہ خدائے پاک کے سوا کوئی اور ایسا حکمراں نہیں ہے جو حکمرانی کے لائق ہو اور تمام عالم میں کوئی ایک ہستی بھی ایسی موجود نہیں ہے جو اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ اس دنیا کا نظام کچھ ایسا عجیب وغریب ہے کہ ہر چیز یہاں ٹھیک اسی طریقہ پر اور اسی جگہ ہے کہ جیسی اور جہاں ہونی چاہئے تھی، اور کوئی ایسی چیز کہ جو اس طرح نہ ہونی چاہئے تھی کہ جس طرح خدا کی موجود نہیں ہے اس رباعی میں کلام پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ان الحکم الا اللہ (حکومت سوائے خدا کے اور کسی کے لئے نہیں ہے۔

بس خون کساں کہ چرخ بے باک بریخت
بس گل کہ برآمد از گل و پاک بریخت (۲۱۳)
بر حسن و جوانی اے پسر غرہ مشو
بس غنچۂ ناشگفتہ بر خاک بریخت

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر خیام اس طرح کرتا ہے کہ اس آسمان نے بہت سے انسانوں کا خون بیدریغ بہایا ہے اور اس زمین سے نکل نکل کر بہت سے پھول مرجھا چکے ہیں اور ان کی پتیاں بکھر چکی ہیں۔ نوجوانوں کے لئے کسی طرح بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنی جوانی اور اپنے حسن پر غرور کریں کیونکہ زمانہ کے ہاتھوں بہت سی سربند کلیاں بھی بن کھلے مرجھا مرجھا کر خاک میں مل چکی ہیں۔

سر دفتر عالی معانی عشق است (۲۱۴)

سر بیت قصیدہ خوانی عشق است
اے آنکہ خبر نداری از عالم عشق
ایں نکتہ بداں کہ زندگانی عشق است

عشق و محبت کے جذبات کی بہت سے شعراء نے تعریفیں کی ہیں اور خوب خوب کی ہیں خیام نے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ عشق کیا چیز ہے وہ کہتا ہے کہ باطن و معنی یعنی حقیقت کے دفتر کا سر دفتر عشق ہے پھر کہتا ہے کہ جوانی جو انسان کی عمر کا بہترین زمانہ ہے اس کے قصیدہ کا چوٹی کا شعر عشق ہے۔ بے خبروں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عشق کیا چیز ہے یہ نکتہ مجھ سے سن لو کہ درحقیقت زندگی ہی عشق کا نام ہے گویا جس انسان میں یہ جذبۂ عالی موجود نہ ہو اسے زندہ کہنا فضول ہے۔

طور یست کہ صد ہزار موسیٰ دیدا ست
دیر یست کہ صد ہزار عیسیٰ دیداست (۲۱۵)
قصر یست کہ صد ہزار قیصر بگذشت
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیداست

دنیا کے متعلق خیام کہتا ہے کہ یہ تو وہ طور ہے کہ جس نے لاکھوں موسیٰ دیکھے ہیں، اور یہ وہ گرجا ہے کہ جس میں لاکھوں عیسیٰ پند و وعظ کہہ چکے ہیں، یہ وہ محل ہے کہ جس میں لاکھوں قیصر رہے اور چلے گئے اور یہ وہ طاق ہے کہ جس نے لاکھوں نوشیروانوں کا راج دیکھا ہے یہاں کسی چیز کو ثبات اور قیام نہیں ہے جو آتا ہے وہ چار دن کے لئے اپنی نوبت بجاتا ہے۔ اور چلا جاتا ہے۔

در عشق تو از ملامتم ننگے نیست
با بے خبراں دریں سخن جنگے نیست (۲۱۶)
آں شربت عاشقی پئے مرداں است
نامرداں را ازیں قدح رنگے نیست

خیام کہتا ہے کہ تیرے عشق کی وجہ سے لوگ اگر مجھے ملامت کرتے ہیں تو کیا کریں مجھے نہ اس کی کچھ پروا ہے اور نہ اس سے شرم آتی ہے اور نہ میں بے وقوفوں اور نادانوں سے کہ جو اس جذبۂ عالی سے واقف ہی نہیں لڑنا ہی چاہتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ عشق کا شربت

صرف دلیروں اور دل والوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس شراب میں نامردوں اور بزدلوں کا کہ جنہیں ہر وقت اپنی جان کا خوف لگا رہتا ہو کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔

(۲۱۷)
گل گفت بہ از لقائے من روئے نیست
چندیں ستم گلاب گر بر من چیست
بلبل بزبان حال با او می گفت
یک روز کہ خندید کہ سالے نگریست

پھول نے جب اپنے حسن و جمال پر نظر ڈالی تو بے ساختہ ایک آہ کھینچکر کہنے لگا کہ مجھ سے زیادہ حسین تو دنیا کے پردہ پر خدا نے کسی کو پیدا ہی نہیں کیا ہے پھر یہ کیا ستم ہے کہ گلاب بنانے والے مجھ پر اس قدر ظلم ڈھاتے ہیں اور آگ پر رکھ کر میرا عرق کشید کرتے ہیں۔ ایک بلبل نے اس کی یہ شکایت سن لی اور اس سے کہا اے نادان اس دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جسے ایک دن کبھی ہنسنا نصیب ہوا ہو اور وہ اس کی پاداش میں سال بھر تک رونا نہ پڑا ہو تیرا ہنسنا یا کھلنا ہی تیرے لئے مصیبت تھی۔

(۲۱۸)
در صومعہ و مدرسہ و دیر و کنشت
ترسندۂ دوزخ اند و جویائے بہشت
آں کس کہ ز اسرار خدا باخبر است
زیں تخم در اندرون دل ہیچ نہ کشت

خیام کہتا ہے کہ صومعہ ہو یا مدرسہ اور دیر ہو یا کنشت ان مقامات پر خدا کی تلاش میں جانا لاحاصل ہے۔ ان مقامات پر تو سب کے سب وہ لوگ رہتے ہیں کہ جن کے دلوں پر یا تو دوزخ کا ڈر غالب ہے اور وہ ڈر انہیں عبادت کرنے پر مجبور کرتا ہے یا پھر وہ لوگ ہیں کہ جن کے دل میں جنت اور حور کی ہوس بھری ہوئی ہے اور اس لالچ میں وہ تسبیحیں گھمایا کرتے ہیں۔ خدا کے بھیدوں کی معرفت جسے حاصل ہو گئی اس کا ان عبادت خانوں میں کیا کام وہ تو خوف اور طمع دونوں ہی چیزوں کو دل سے نکال کر پھینکدیتا ہے اور اس بیج کو اپنے دل کی کھیتی میں کبھی بوتا ہی نہیں۔

(۲۱۹)
با مطرب و مے حور سرشتے گر ہست
یا آب رواں و لب کشتے گر ہست

بہ زیں مطلب دوزخ فرسودہ متاب
حقاکہ جز ایں نیست بہشتے گر ہست

عیش موجودہ کی پوری پوری قدر کرنا خیام کا بہت ہی پسندیدہ مسلک ہے وہ کہتا ہے کہ اگر شراب کی بوتل اور مطرب خوش گلو کے ساتھ ساتھ تمہیں کسی حور پیکر کے جمال کی خوشہ چینی اور اس کی ہم نشینی بھی میسر ہے، یا ہرے بھرے کھیتوں کے پاس دریا کے کنارے صحبت یار کا لطف اٹھانے کا موقع مل رہا ہے تو پھر اب تمہیں اور کیا چاہئے اس سے زیادہ اور کچھ مت مانگو اور دوزخ کی آگ مت بھڑکاؤ۔ میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر بہشت کا کوئی وجود ہے اور اگر جنت کہیں موجود ہے تو وہ یہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خیام ہمیں شراب خواری اور عیش پسندی کی تعلیم دینا چاہتا ہے بلکہ اس خوبصورت طریقہ پر وہ ہم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ دنیا کا عیش اور دنیا کا مال و زر ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ انسان ہر وقت ان ہی کی تلاش میں مصروف رہے۔ اگر معمولی خوش حالی اور فارغ البالی میسر ہے تو بس وہ کافی ہے اس سے زائد کی ہوس میں اپنا وقت عزیز گنوانا عقل کے خلاف ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور کائنات کی بے بنیادی اور بے حقیقی کا خیام کے دل پر بڑا گہرا اثر تھا لیکن یہ اثر اس قسم کے اثر سے بالکل مختلف تھا جیسا تاریک بیں اور پست ہمت اصحاب پر ہوا کرتا ہے جو دنیا اور کاروبار دنیا کو ہیچ اور ناپائیدار خیال کر کے اپنے اوپر عیش و راحت حرام کر لیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو دریافت کرتا ہے کہ دنیا کی تمام لذتیں بالکل ناپائیدار اور عارضی ہیں اور اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ ایسی فنا ہو جانے والی چیزوں سے دل نہ لگانا چاہئے اور ان کا رنج و غم کرنے کی بجائے وقت موجودہ میں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا لینا چاہئے۔ کہتا ہے۔

ہیہات کہ ایں جسم مجسم ہیچ است
ویں دائرہ و سطح مخیم ہیچ است (۲۲۰)
دریاب کہ در کشاکش موت و حیات
وابستۂ یک دمیم و آں ہم ہیچ است

یعنی افسوس کہ یہ اشکال دنیوی جو ہمیں مجسم نظر آ رہی ہیں سب بے بود اور ہیچ ہیں اور یہ زمین کہ جس پر خیمہ تنا ہوا ہے بے بنیاد محض ہے وہ لوگوں کو یہ نکتہ سمجھاتا ہے کہ

موت اور زندگی کی کشاکش میں ہم صرف ایک سانس سے وابستہ ہیں اور اس سانس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے وہ بھی بے حقیقت اور ناقابل اعتبار ہے۔

(۲۲۱)

با ہر بد و نیک راز نتوانم گفت
دائم سخنے دراز نتوانم گفت
حالے دارم کہ شرح نتواں دادن
رازے دارم کہ باز نتوانم گفت

کہتا ہے کہ ہر کس و ناکس اور ہر نیک و بد سے میں راز کی بات نہیں کہہ سکتا اور لمبی چوڑی باتیں ہمیشہ نہیں بنائی جا سکتیں۔ میں جس حال میں ہوں وہ ایسا نہیں ہے کہ میں اس کی شرح کر سکوں اور جو راز معرفت کہ میرے سینے کے اندر پنہاں ہے اسے میں علی الاعلان نہیں کہہ سکتا۔

(۲۲۲)

در خواب بدم مرا خردمندے گفت
کز خواب کسے را گل شادی نشگفت
کارے چہ کنی کہ با اجل باشد جفت
بر خیز کہ زیر خاک مے باید خفت

شعرا کا بالخصوص ہندوستان کے شعرا کا طبقہ اپنی آسان پسندی اور سستی کے لئے مشہور ہے۔ دلچسپ اور دلفریب دنیائے تخیل کے سرسبز و شاداب لالہ زاروں کو چھوڑ کر دنیائے عمل کے خشک اور نوک دار خاروں میں الجھنا شعرا کے لئے ہمیشہ ایک بہت ہی ناخوشگوار کام رہا ہے۔ لیکن خیام اس حقیقت سے واقف ہے کہ زندگی نام ہے حرکت و عمل کا اور سکون و جمود در حقیقت موت کے دوسرے دو نام ہیں۔ اسے شعر اور شاعر کی قوت کا بھی صحیح اندازہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ قوموں کے اخلاق اور ان کی سیرتیں بنانے اور بگاڑنے میں قوم کے شعراء کو سب سے بڑا دخل ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو آرام طلبی کا مشورہ دے کر گمراہ کرے اس لئے کہتا ہے کہ میں سو رہا تھا اور خواب میں مجھ سے ایک عقلمند شخص نے یہ کہا کہ سونے اور بے کار پڑے رہنے سے تو کبھی کسی کی قسمت نہیں جاگی اور کسی کو خوشی و خوش حالی میسر نہیں آئی ہے۔ بھلا یہ تو کیا کر رہا ہے یہ بھی کوئی کام ہے جسے موت سے مثال دی جا سکتی ہے اٹھ اور دنیا میں کوئی کام کر۔ کیونکہ

سونے کی جگہ تو قبر ہے۔ وہاں زمین کے نیچے اچھی طرح آرام کر لینا۔

چوں چرخ بکام یک خردمند نہ گشت
خواہی تو فلک ہفت شمر خواہی ہشت (۲۲۳)
چوں باید مُرد آرزو ہا ہمہ ہست
چہ مور خورد بگور و چہ گرگ بہ دشت

خیام کہتا ہے کہ جب کسی ایک حکیم اور کسی ایک فلسفی کے ساتھ بھی آسمان نے اتنی رعایت نہ کی کہ اس کی مراد اور اس کی خواہش کے مطابق چکر لگاتا تو پھر اس سے حاصل کیا ہے کہ انسان اپنا تمام وقت اس فضول فکر میں ضائع کرے کہ آسمان سات ہیں یا آٹھ کیونکہ جب وہ کسی کے کام ہی نہیں آتے تو سات ہوئے تب کیا اور آٹھ ہوئے تب کیا۔ اسی طرح ہمارے دل میں یہ آرزوئیں بھری رہتی ہیں کہ اس طرح مریں اور اس طرح مریں لیکن جب مرنا ہی ہے تو پھر اس میں کیا فرق ہے کہ ہمارے جسم کو اچھی طرح گور وکفن نصیب ہو گیا اور اسے چیونٹیوں نے کھایا یا کسی جنگل میں بے کسی کی حالت میں مرنے پر وہ بدن بھیڑیے کے پیٹ میں گیا۔

شادی مطلب کہ حاصل عمر غمے ہست
ہر ذرہ ز خاک کیقبادے و جمے است (۲۲۴)
احوال جہاں و اصل ایں عمر کہ ہست
خوابے و خیالے و فریبے و دمے است

خیام کہتا ہے کہ زمانہ سے اس بات کی امید نہ رکھ کہ وہ تجھے خوشی اور شادمانی دے گا کیونکہ زندگانی کا ماحصل تو موت اور غم ہے۔ دنیا نے اتنے کیقباد اور جمشید مارے ہیں کہ اب خاک کا ایک ایک ذرہ جو تو دیکھتا ہے کسی نہ کسی کیقباد یا جمشید ہی کی خاک کا ذرہ ہے۔ اس دنیا کا حال اور اس زندگی کی اصلیت خواب وخیال اور دھوکے اور فریب سے زیادہ نہیں ہے

ایں کہنہ رباط را کہ عالم نام است
آرام گہ ابلق صبح و شام است (۲۲۵)
بزمے است کہ درماندہ صد جمشید است
قصر یست کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

دنیا کی حقیقت خیام کی نگاہوں میں یہ ہے کہ یہ پرانا قلعہ جس کا نام دنیا رکھ دیا گیا ہے

وہ اس ابلق گھوڑے کا اصطبل ہے جسے صبح و شام کہتے ہیں وہ ایک ایسی محفل ہے جسے سیکڑوں جمشیدوں نے آباد کیا اور چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے اور وہ ایک ایسا محل ہے کہ جس میں صدہا بہرام آرام کر چکے ہیں۔

یارب تو کریمی و کریمی کرم است
عاصی زچہ رو برون زباغ ارم است
باطاعتم ار ببخشی آن نیست کرم (۲۲۶)
بامعصیتیم اگر ببخشی کرم است

خیام درگاہ باری تعالیٰ میں بہت گستاخ ہے اور کبھی کبھی ایسے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیتا ہے جو کسی دوسرے کی زبان سے مشکل ہی سے نکل سکتے ہیں۔ اسے خدائے پاک پر کامل بھروسہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کبھی سختی نہ کرے گا۔ وہ کہتا ہے کہ یا اللہ تیرا نام تو کریم ہے۔ اور کریم کہتے ہیں بخشش کرنے کو پھر اس کے کیا معنے کہ گنہگاروں کو جنت کے باغ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔ میں رات دن تیری بندگی اور اطاعت کروں اور پھر تو مجھے بخشے تو یہ تو بخشش اور کرم نہیں ہے البتہ اگر میری گناہگاری کے باوجود مجھے بخشدے تو وہ تیرا کرم ہوگا۔

پیش از تو بسے مرد و بسے زن بوداست
کافاق زجملہ شان مزین بوداست
زوداکہ تن تو خاک گردد زیرا (۲۲۷)
خاک تو دگر ہزارہ تن بوداست

کہتا ہے کہ تم سے پہلے بھی یہ دنیا اسی طرح آباد تھی اور لاتعداد مرد اور عورتیں اس میں اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے ہیں اور ہر زمانے میں یہ دنیا ان کی موجودگی کی وجہ سے بارونق اور آراستہ و پیراستہ رہ چکی ہے۔ جلدی کرو کہ تمہارا جسم بھی خاک میں مل کر خاک ہو جائے کیونکہ جس خاک کے ذروں سے تمہارا بدن بنا ہے وہ اس سے پہلے بھی ہزارہا جسموں کی خاک بن چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں اس قدر انسان آئے اور گئے ہیں اور اتنے پیدا ہو ہو کر خاک میں ملے ہیں کہ اب کسی جگہ کی خاک کے ذروں سے بھی کسی شخص کا جسم بنے لازمی طور پر وہ خاک اس سے پہلے بھی دو چار دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں اور

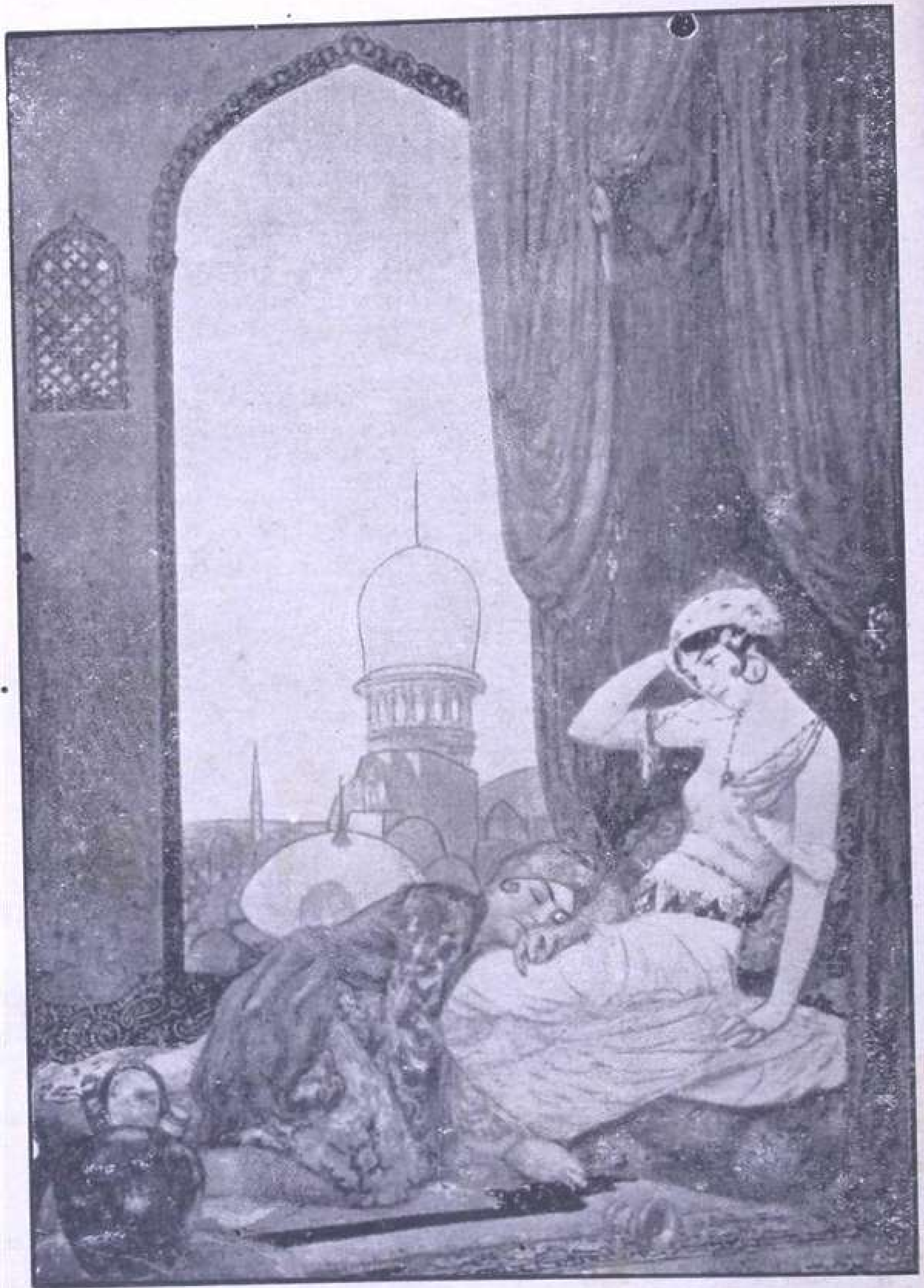
لاکھوں جسموں کے بنانے میں کام آچکی ہوگی۔

ازبادِ صبا دلم چو بوئے تو گرفت
مارا بگذاشت جستجوئے تو گرفت (۲۲۸)
اکنوں ز منش ہیچ نہ می آید یاد
بوئے تو گرفتہ بود خوئے تو گرفت

عشاق کا معشوق کے رنگ میں رنگ جانا کوئی نیا مسئلہ یا نئی بات نہیں ہے اور سیکڑوں شاعروں نے اس مضمون کو مختلف طریقوں سے لکھا ہے لیکن خیام کا اسلوب بیان بہت ہی سادہ اور بہت ہی موثر ہے کہتا ہے کہ بادِ صبا تیری خوشبو لے کر آئی اور اسے میرے دل نے سونگھا اسی دن سے اس کی یہ حالت ہوگئی کہ مجھے تو چھوڑ دیا اور رات دن تیری تلاش اور جستجو میں رہنے لگا۔ اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اسے میرا خیال تک نہیں آتا۔ یہ نئی عادت یعنی مجھے بھول جانا اس نے مجھ سے سیکھی ہے۔ تو کبھی مجھے یاد نہیں کرتا تھا۔ اور اب میرے دل کی بھی وہی عادت ہوگئی گویا تیری بو سونگھ کر یہ تجھ پر ایسا ریجھا کہ بالکل تیرے ہی رنگ میں رنگ گیا۔

آں قصر کہ بہرام درو جام گرفت
روبہ بچہ کرد و شیر آرام گرفت (۲۲۹)
بہرام کہ گور مے گرفتے دائم
امروز نگر کہ گور بہرام گرفت

دنیا کی بے ثباتی اور عیش دنیا کی بے حقیقی اور ناپائداری کا ذکر خیام کے کلام میں اس قدر بھرا پڑا ہے کہ اکثر سطحی نگاہیں اس کے متعلق یہ خیال کرنے لگتی ہیں کہ وہ خود بھی یاس پسند ہیں اور روتی صورت تھا اور یہی اس کی تعلیم کا ماحصل ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے اس کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ چونکہ یہ دنیا اور اس کے تمام عیش و آرام ناپائدار ہیں اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہر وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے یا اپنی ساری عمر روتے اور نالہ و آہ کرنے میں گنوائے وہ تو یہ کہتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے عیش جن پر تم فریفتہ ہو اور جن کی نظر فریبیوں نے تمہیں حقیقت کی تلاش سے بے پرواہ بنا دیا ہے درحقیقت ایک سراب ہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آنا اور جب تک دنیا میں رہو اپنی زندگی کے نصب العین سے ایک لمحہ کے لئے بھی



Calcutta Art Press Delhi.

غافل نہ ہو کیونکہ یہ دنیا اور اس کے تمام لطف جنہیں حقیقت سمجھ کر تم ان کے دیوانے ہو گئے ہو یہ تمام تر ناپائدار اور بے بنیاد ہیں اور حقیقت ان سے ایک بالکل جداگانہ چیز ہے جس کی تلاش میں تمہیں ہر وقت اور ہمہ تن مصروف رہنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ محل کہ جس میں بہرام بیٹھ کر داد عیش دیتا تھا اور شراب پیا کرتا تھا آج اس کی یہ حالت ہے کہ اس میں لومڑیوں نے بچے دے رکھے ہیں اور شیروں نے اپنے بھٹ بنائے ہیں۔ اور وہی بہرام کہ جو گورخر شکار کرنے کے لئے آج تک مشہور ہے اس کی بے کسی اور بے لبسی کا یہ عالم ہے کہ گورخر کا شکار کرنا تو کجا خود گور یعنی قبر نے اس کو شکار کر لیا اور وہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے۔

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست
تاریک دلم نور صفائے تو کجاست (۲۳۰)
مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی
ایں مزد بود لطف و عطائے تو کجاست

خدائے پاک کے ساتھ گستاخانہ طرز خطاب میں خیام اپنا جواب نہیں رکھتا لیکن اس کی یہ گستاخیاں کبھی باغیانہ سرکشی کی حد کو نہیں پہونچتیں بلکہ فی الحقیقت دلیرانہ صاف گوئی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے باری تعالیٰ کے رحم اور انصاف پر کامل بھروسہ ہے۔ وہ دوسروں کی طرح خدا کو ایک معمولی بادشاہ نہیں سمجھتا کہ جو "گاہے بہ سلامے برنجند وگاہے بہ دشنامے خلعت دہند" کے مصداق ہوتے ہیں اور جن کے درباروں میں خواہ کوئی بھی آ جائے لیکن انصاف کبھی دخل نہیں پاتا ہے اسے اپنے پیدا کرنے والے سے سچی محبت ہے، اور اسے کامل یقین ہے کہ خدا کی محبت اور خدا کا انصاف کبھی اس کو گوارا نہ کرے گا کہ اپنے ایک حقیر بندہ کو جو اسے عزیز بھی ہے بے وجہ و بے سبب صرف تھوڑی سی صاف گوئی کی بنا پر سزا دیدے۔ وہ کہتا ہے اور ببانگ دہل کہتا ہے کہ میں ایک گناہگار اور خطا کار بندہ ہوں لیکن مجھے تیری رضاجوئی کی اور تیری خوشنودی کی تلاش ہے وہ کہاں ہے، اور میرے اس دل کے حجرہ میں اندھیرا پڑا ہوا ہے وہ تیرا نور کہاں ہے، جو اس گھر کے چراغ کا کام دے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ بارالٰہا میں سنتا ہوں کہ اگر میں تیری بندگی اور طاعت کرتا رہوں گا تو تو مجھے اس کے بدلے میں بہشت عطا کرے گا۔ لیکن خداوندا اگر یہ صحیح ہے تو یہ تو اچھی خاصی تجارت اور دوکانداری ہو گئی، یا یہ کہ میرے کام کی مزدوری تو نے مجھے دیدی

وہ تیری بخشش اور وہ تیرا لطف و کرم کہاں ہے جس کا اس قدر شہرہ ہے؟ لطف و کرم کے تو یہ معنی تھے کہ تو مجھے مجھ سے کام لئے بغیر کچھ دیتا۔

(۲۳۱)
تا کے ز چراغ مسجد و دود کنشت
تا کے ز زیان دوزخ و سود بہشت
او بر سر لوح بین کہ استاد قضا
اندر ازل آنچہ بودنی بود نوشت

زاہد و واعظ کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ خدا کے بندو! آخر یہ تم اپنی تمام عمر دوزخ کے عذابوں اور بہشت کی نعمتوں کے ذکر میں کیوں برباد کیا کرتے ہو۔ اس سے حاصل کیا ہے؟ مان لیا کہ دوزخ بھی ہے اور بہشت بھی ہے اور ان میں عذاب اور نعمتیں بھی ہیں۔ لیکن رات دن اسی ایک تذکرہ کو دہرانے سے حاصل کیا۔ جو عبادت کہ حور و قصور اور شراب طہور کے لالچ سے کیجائے اس کی وقعت ہی کیا' اور جو نیکیاں کہ دوزخ کی آگ کے خوف سے عمل میں آئیں انہیں کس حد تک نیکی کہا جا سکتا ہے دوزخ اور بہشت سب کا خیال چھوڑ کر یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم خدا کی تلاش اور خدا کی عبادت میں صرف اس لئے منہمک ہو جائیں کہ وہ خدا ہے کیونکہ بہشت و دوزخ تو ہمارے اختیار کی چیزیں نہیں ہیں تو خود جاکر دیکھ لے کہ قضا اور قدر کے مالک نے ازل ہی کے دن جبکہ کچھ بھی نہ ہوا تھا سب کچھ لوح محفوظ پر لکھدیا ہے اور اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۲۳۲)
در مجلس دہر ساز مستی پست است
نہ چنگ نہ نائے و نہ دلم در دست است
رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند
جز محتسب شہر کہ دائم مست است

اہل حال اور اہل قال کی حالتوں کے انقلاب کا ذکر خیام اس طرح کرتا ہے کہ اب تو کچھ عجب زمانہ آگیا ہے کہ اس زمانہ میں رندی اور مستی کے سازوں کی آواز سست اور مدہم پڑ گئی ہے، اور آج میرے ہاتھوں میں نہ تو میرا دل ہے اور نہ چنگ و رباب۔ انقلاب طبائع کا یہاں تک اثر ہو چکا ہے کہ رندوں نے شراب پینی چھوڑ دی گویا صوفیا کی مجلسوں میں بادۂ معرفت کا دور اب نہیں ہوتا' ہاں البتہ وہ محتسب کہ جو کل تک رندوں کو پکڑتا اور سزا

دنیا پھرتا تھا وہ اب ضرور ہر وقت مست پڑا رہتا ہے۔

پُرخوں ز فراقت جگرے نیست کہ نیست
شیدائے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست
با آں کہ ندارہی سر سودائے کسے
سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست (۲۳۳)

کہتا ہے کہ تیرے فراق کا زخمی دنیا میں ایسا کونسا کلیجہ ہے جو نہیں ہے اور وہ کونسا صاحب نظر ہے کہ جو تیرے جمال کا شیدا اور وارفتہ نہیں ہے۔ یہ دنیا تمام کی تمام تیرے ہی طلبگاروں اور عاشقوں سے بھری پڑی ہے جسے دیکھو تیرا شیدائی اور جس سے ملو تیرا سودائی باوجود اس کے کہ تجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے اور تو اپنے ہزار در ہزار عشاق میں سے کسی ایک کے لئے بھی مضطر و بے قرار نہیں، خلقت کا یہ عالم ہے کہ ہر سر میں صرف تیرا ہی سودا بھرا ہوا ہے۔

بیگانہ اگر وفا کند خویش من است
ور خویش جفا کند بد اندیش من است
گر زہر موافقت کند تریاق است
ور نوش مخالفت کند نیش من است (۲۳۴)

اپنے اور بیگانے یا آشنا و ناآشنا کی پہچان کا دنیا میں اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ وفاداری ہے۔ سعدی صاحب نے کہا ہے کہ دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی۔ خیام کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص بالکل غیر ہوا اور وہ وقت پر میرے کام آئے تو اسے میں اپنا خیال کرتا ہوں، اور اگر کوئی اپنا میرا بُرا چاہے یا وقت پر دغا دے جائے تو وہ میرا دوست نہیں بلکہ دشمن ہے سنکھیا اور بچھلہ اگر موافق آجائے اور اس سے مرض دور ہو تو ظاہر ہے کہ وہی میرے لئے اکسیر اور تریاق ہے لیکن اگر خالص شہد ہو اور وہ میرے مزاج کے موافق نہ پڑے اور صحت کو نقصان پہونچائے تو وہی میرے لئے بچھو اور بھڑ کے ڈنک کا زہر ہو جائے گا۔

نا آوردن من نبود گردوں را سود
ور بردن من جاہ و جلالش نہ فزود (۲۳۵)

ور ہیچ کسے نیز دو گوشم نہ شنید
کاوردن و بردن من از بہر چہ بود

ایشیا کا یہ مایۂ ناز فلاسفر جب اپنی ہستی کے راز پر غور کرتا ہے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ موت وزیست اور یہ مرگ وحیات کیا چیزیں ہیں، ہم کیوں اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر کیوں بادل ناخواستہ یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں، نہ اپنے پیدا ہونے پر ہمیں اختیار ہے اور نہ اپنی موت پر اپنی خواہش اور اپنی مرضی کے بغیر ہم یہاں آتے ہیں اور پھر بالکل اپنی رضا و رغبت کے خلاف یہاں سے جانے پر مجبور کر دیے جاتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے اور جب مجبور ہو کر اس کی عقل جواب دیدیتی ہے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ میرے پیدا کرنے میں آسمان کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ اور پھر مجھے یہاں سے لیجانے سے بھی اس کے مرتبہ اور جلال میں کوئی خاص زیادتی نہیں ہو سکتی، اور اس کے باوجود یہ عجیب تماشہ ہے کہ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو مجھے یہ بتا سکے کہ مجھے یہاں لانے اور پھر واپس لیجانے کا مقصد کیا تھا۔

(۲۳۶)

بوئے خوش گل بہ زخم خارے ارزد
گر بادہ خوری ہم بہ خمارے ارزد
یارے کہ ازو ہزار جاں تازہ شود
انصاف بدہ کہ انتظارے ارزد

انتظار یار کی گھڑیوں کو پُرلطف، اور ہجر کی تکلیفوں کو راحت و مسرت بنانے کے لئے خیام کہتا ہے کہ پھول میں ایک ذراسی خوشبو ہوتی ہے اور اس کی اتنی سی بات کو اس قابل خیال کیا جاتا ہے کہ لوگ اسے توڑنے میں کانٹوں سے ہاتھ لہولہان کریں۔ شراب پینے میں ایک خفیف سا سرور ہوتا ہے اور اس کے لئے بھی لوگ خمار کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور اسے اس لائق سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے تکلیف اٹھائی جائے تو پھر معشوق کہ جس کے ایک جلوہ سے ہزار جانیں تازہ ہو جاتی ہیں اور جس کے دیدار کی بدولت عشاق کی زندگی ہو جاتی ہے انصاف سے کہو کہ کیا وہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ اس کے لئے انتظار کی تکلیف اٹھائی جائے

(۲۳۷)

در ملک تو از طاعت من ہیچ فزود
در معصیتے گر رفت نقصانے بود

بگذارو مگیر، زانکہ معلومم شد
گیرندۂ دیری و گذارندۂ زود

عالمِ تصور میں اپنے خدا کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ بار الٰہا! کیا میرے عبادت کرنے سے تیرے ملک یا سلطنت میں کچھ اضافہ ہو گیا اور میں نے جو گناہ کئے ہیں ان سے کچھ تجھے یا تیری بادشاہت کو کچھ نقصان پہنچا۔ اگر اس کا جواب "نہیں" ہے تو پھر مجھے چھوڑ دے اور مجھ سے مواخذہ مت کر کیونکہ مجھے تیری شانِ رحیمی کا علم ہو چکا ہے تو دیر میں پکڑ ہے اور جلدی چھوڑ دیا کرتا ہے۔

چوں رزق تو آنچہ عدل قسمت فرمود
یک ذرہ نہ کم شد و نخواہد افزود (۲۳۸)
آسودہ ز ہر چہ ہست می باید شد
آزادہ ز ہر چہ ہست می باید بود

خیام دنیا کے رنج و غم اور نہ آنے والے کے متعلق فکر اسے تو صرف یہ بات پسند ہے کہ انسان جس حال میں بھی ہو خوش رہے اور بیکار کڑھ کڑھ کر اپنی جان نہ دے۔ وہ کہتا ہے کہ جب تمہارا وہ رزق جو از روئے انصاف تمہاری قسمت میں لکھ دیا گیا تھا نہ تو ذرہ بھر کبھی کم ہوا اور نہ کبھی اس میں ایک ذرہ کے اضافہ کی توقع تو پھر جو کچھ میسر ہے اس سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مسرور رکھو، اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس سب کی فکر سے بالکل آزاد اور بے تعلق رہو۔

جانم بفدائے آں کہ او اہل بود
سر در قدمش اگر نہم سہل بود (۲۳۹)
خواہی کہ بدانی بہ یقیں دوزخ چیست
دوزخ بہ جہاں صحبتِ نا اہل بود

خیام کہتا ہے کہ میری جان اس شخص پر قربان ہے کہ جو لائق اور قابل ہو اور ایسے انسان کے قدموں پر اگر میں اپنا سر بھی رکھ دوں تو برا نہیں ہے۔ تم اگر یقین کے ساتھ یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ دوزخ کیا چیز ہے تو آؤ میں تمہیں بتا دوں کہ دنیا میں دوزخ فی الحقیقت نالائق کی صحبت کا نام ہے۔

چوں کار نہ بر مراد ما خواہد بود،
اندیشہ و جہد ما کجا دارد سود،
پیوستہ نشستہ ایم در حیرت آنکہ
دیر آمدہ ایم رفتہ مے باید زود (۲۴۰)

کہتا ہے کہ جب یہ یقینی ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ ہماری مرضی اور مراد کے مطابق نہیں ہوتا تو پھر ہمارا رات دن فکروں میں گھلنا اور کوشش کرتے کرتے مرنا بالکل بے کار ہے۔ ہم فکر اور کوشش کریں تب اور نہ کریں تب بہرحال ہونا وہی ہے کہ جو کچھ ہونا ہے تو پھر خواہ مخواہ اپنی جان کو دکھ دینے سے کیا حاصل۔ ہم تو ہر وقت اسی حیرت میں مستغرق رہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہم بہت دیر سے آئے ہیں اس لئے وقت پر وقت پر واپس پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ جلدی سے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

ایں چرخ جفا پیشہ دغائے بنیاد
ہرگز گرہ بستۂ کس را نہ کشاد
ہر جا کہ یکے دید کہ داغے دارد
داغے دگرش بر سر آں داغ نہاد (۲۴۱)

آسمان کی شکایت کرنا شعرائے مشرق کا ہمیشہ شعار رہا ہے۔ خیام بھی انہی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کہتا ہے کہ یہ ظالم اور مکار آسمان کبھی کسی کے دل کی گرہ نہیں کھولتا اور اس کے ہاتھوں کبھی کسی کی مراد پوری نہیں ہوا کرتی۔ اس کی تو یہ عادت ہے کہ جہاں اس نے یہ دیکھا کہ کسی شخص کے دل پر ایک داغ ہے تو ایک داغ اس کے دل پر دیدیتا ہے اور مصیبت سے کسی کو نجات دینے کی بجائے ہمیشہ اس کو تازہ مصیبتوں میں گرفتار کرتا رہتا ہے۔

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید
آں نیم مرا خوشتر از یں نیم آید
جانیست مرا بعاریت دادہ خدا
تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید (۲۴۲)

اپنی رفتار طبیعت کے متعلق خیام کہتا ہے کہ میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں جو موت سے ڈرتا ہو۔ اگر ہماری زندگی دو حصوں میں منقسم ہے اگر ایک اس دنیا کے اندر جسم

وجود کہتے ہیں اور دوسری اُس ابدی دنیا کے اندر کہ جسے عدم کہا جاتا ہے تو مجھے وہ دوسرا
نصف حصہ اس نصف سے زیادہ پسند ہے۔ یہ زندگی مجھے خدا کی طرف سے قرض ملی ہے میری
اپنی کوئی چیز نہیں ہے اس لئے جب اسے پھر خدا کے سپرد کر دینے کا وقت آئے گا تو میں
بخوشی سپرد کر دوں گا۔

کم کن طمع از جہاں کہ میسری خورسند
وز نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
خوش باش دمے کہ ایں دورِ فلک (۲۴۳)
ہم بگسلد و نماید ایں روزے چند

دنیا سے دل لگانا اور مافیہا سے تعلقات بڑھانا خیامؔ کو کسی حالت میں بھی پسند
نہیں ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اس عالم میں آکر اس درجہ بے تعلقی کی زندگی بسر
کرے کہ کبھی کسی خوشی اور عیش کا لالچ اس کے دل میں نہ آئے اور کبھی کسی تکلیف اور مصیبت
سے اس کے دل کو رنج نہ پہونچے۔ خوش حالی اور فارغ بالی میسر ہو تو اس پر مغرور نہ ہو اور
فقر و فاقہ کی نوبت ہو تو اس سے دل گرفتہ اور پریشان نہ ہو جائے وہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ
چاہتے ہو کہ مرتے وقت تم خوش و خرم ہو اور تمہارے دل پر کوئی بوجھ نہ ہو تو اس دنیا
کا لالچ کم کرو جس قدر لالچ کم ہو گا، اسی قدر تمہاری طبیعت مرتے وقت ہلکی ہو گی، اور
دنیا کی اچھائی اور بُرائی سے تعلق قطع کر لو۔ جو تھوڑا سا وقت حاصل ہے اسے غنیمت سمجھکر
خوش رہو کیونکہ یہ آسمان کا چکر جس کی تم شکایت کیا کرتے ہو یہ بھی ایک عارضی چیز ہے
اور یہ بھی دو چار روز بعد نہ رہے گا۔

در عالمِ جاں بہ ہوش می باید بود
در کارِ جہاں خموش می باید بود
تا چشم و زبان و گوش بر جا باشد
بے چشم و زبان و گوش می باید بود

خیامؔ کا خیال یہ ہے کہ اس دنیا میں آکر انسانوں کو اپنی دل کی آنکھیں کھلی
رکھنی چاہئیں۔ وہ ظاہری علم و فن کو کوئی بہت قابل و قعت چیز نہیں خیال کرتا اور یہ
چاہتا ہے کہ انسان حقیقی علم حاصل کرے اسی لئے کہتا ہے کہ آدمی کو جان یعنی روح

کی دنیا میں عقل اور ہوش کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ دل کی آنکھوں سے ہر چیز کی اصلیت اور حقیقت پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ کہتا ہے کہ جب تک ہماری آنکھیں اور زبان اور کان یعنی حواس خمسہ درست اور صحیح رہیں گویا کہ جب تک ہم زندہ رہیں اس وقت تک ہمیں اس طرح رہنا چاہیے کہ جیسے ہماری آنکھ اور زبان اور کان ہیں ہی نہیں۔

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند
در کشف علوم شمع اصحاب شدند (۲۴۵)
رہ زیں شب تاریک نہ بردند بروں
گفتند فسانۂ و در خواب شدند

کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی ساری عمر علم و فضل کے حاصل کرنے میں بسر کر دی اور علم و ادب کے سمندر بن گئے یہی نہیں بلکہ جن کا علم دوسروں کے لئے شمع ہدایت کا کام دینا ان سب کی بھی یہی حالت ہے کہ اس تاریکی اور جہالت سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں بھی نہ ملا اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی کر سکے کہ ایک افسانہ لوگوں کو سنا کر سو گئے گویا حکیموں اور فلسفیوں کی قیاس آرائیاں بہت سے بہت جو درجہ حاصل کر سکی ہیں وہ ایک افسانہ ہے انہیں حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تا بود دلم ز عشق محروم نہ شد
کم بود ز اسرار کہ مفہوم نہ شد (۲۴۶)
اکنوں کہ ہمی بنگرم از روئے خرد
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

کہتا ہے کہ جب تک میرے پہلو میں دل رہا یعنی جب تک میں زندہ رہا کبھی عشق اور طلب سے محروم اور بے بہرہ نہ رہا اور علوم ظاہری کے بھیدوں میں سے ایسے بہت ہی کم تھے جو مجھے معلوم نہ ہوں، لیکن اب جو اپنی عقل کی مدد سے میں غور کر کے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تو فی الحقیقت کچھ بھی معلوم نہیں ہے اور حقیقتوں کے علم سے میں اسی قدر دور ہوں کہ جس قدر ایک جاہل ہوتا ہے۔

تا چند اسیر رنگ و بو خواہی شد
چند از پئے ہر زشت و نکو خواہی شد (۲۴۷)

گر چشمۂ زہری و اگر آبِ حیات
آخر بدلِ خاک فرو خواہی شد

کہتا ہے کہ آخر تو کب تک اس رنگ و بو کی دنیا کے طلسم میں پھنسا رہے گا اور کب تک اس کی نمائشی اور ظاہری دل فریبیاں میرے دل کو الجھائے رکھیں گی۔ اور کب تک تو کسی چیز کو اچھا اور کسی چیز کو بُرا سمجھ کر ان کے پیچھے پڑا رہے گا۔ تو یہ سمجھ کہ تو خواہ زہر کا چشمہ بن جائے یعنی کوئی ایسی ہستی بن جائے کہ جس سے سب ڈریں یا آبِ حیات بن جائے کہ جس کی سب کو طلب اور آرزو ہو بہر حال و بہر صورت انجام یہی ہوتا ہے کہ خاک ہو کر خاک میں مل جائے گا۔

(۲۴۸)
در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد
وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادمِ کس بود نہ مخدومِ کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

کہتا ہے کہ اس دنیا میں جس شخص کے پاس پیٹ میں ڈالنے کو آدھی روٹی موجود ہو اور سر چھپانے کے لئے کوئی ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا بھی اسے میسر ہو نہ وہ خود کسی کا غلام ہو اور نہ کوئی اور اس کی غلامی کرتا ہو اس سے کہدو کہ اس دنیا میں عیش و کامرانی کے ساتھ زندہ رہ کیونکہ زندگی کا عیش اور حقیقی مسرت تجھے حاصل ہے۔

(۲۴۹)
روزے کہ جزائے ہر صفت خواہد بود
قدرِ تو بہ قدرِ معرفت خواہد بود
در حسنِ صفت کوش کہ در روزِ جزا
حشرِ تو بہ صورتِ صفت خواہد بود

زاہدانِ ریاکار کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ جس دن نیکی کی جزا انسان کو ملے گی اس دن نہ جبہ و قبا کام آئے گی نہ عمامہ و دستار کچھ فائدہ پہنچائے گی وہاں نہ ڈاڑھی کی لمبائی کی مناسبت سے تیری قدر ہو گی اور نہ پیشانی کے گٹے کی نسبت سے وہاں تو جو کچھ قدر و قیمت دی جائے گی اس نورِ معرفت کو دی جائے گی جس سے تمہارا دل روشن ہو اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان ظاہری نمائشوں اور آرائشوں کو چھوڑ کر حسنِ صفت حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ حشر کے دن جب تم اٹھائے جاؤ گے تو اسی صورت پر اٹھائے جاؤ گے

کہ جیسی صفت تم میں موجود ہو۔ وہاں ذات اور نسب کو کوئی نہیں پوچھے گا صرف صفات دیکھی جائیں گی۔

قومے زگزاف در غرور افتادند
(۲۵۰) قومے بہ پئے حور و قصور افتادند
معلوم شود چو پردہا بر دارند
کز کوئے تو دور دور افتادند

خیام کہتا ہے کہ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ایک گروہ نے تو غرور اور شیخی کو اپنا شغل بنالیا ہے اور وہ اپنے آپ کو سب سے بہتر خیال کر کے ہر وقت جھوٹی بڑائیاں مارتے رہتے ہیں، اور دوسرا گروہ بہشت اور بہشت کی حوروں کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اسی لالچ کی وجہ سے عبادت کیا کرتا ہے لیکن اگر ظاہری حجاب دور کر دیئے جائیں اور حقیقت حال بے نقاب ہو جائے تو معلوم ہو کہ یہ سب کے سب تیری گلی سے کوسوں دور جا پڑے ہیں اور ان میں سے ایک بھی صحیح راستے پر نہیں ہے۔

شب نیست کہ آہِ من بہ جوزا نرسد
(۲۵۱) وز گریۂ من سیل بہ دریا نرسد
گفتی کہ بتو بادہ خورم پس فردا
شاید کہ مرا عمر بہ فردا نرسد

خیام کا خیال ہے کہ اس دنیا میں عیش و آرام شاذ و نادر ہی میسر آتا ہے اور چونکہ یہاں کی کسی چیز کو قیام و دوام حاصل نہیں ہے اس لئے نہ تو ہمیں رنج و افسوس میں وقت گنوانا چاہئے اور نہ مستقبل کی امیدوں پر زندگی بسر کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ایک شب بھی ایسی نہیں ہوتی کہ میری آہیں آسمان پر نہ پہونچتی ہوں، اور میرے آنسوؤں کا نالہ بہ کر دریا میں نہ مل جاتا ہو۔ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پرسوں میرے ساتھ بیٹھکر شراب نوشی کرے گا لیکن پرسوں تو بڑی چیز ہے مجھے تو یہ بھی امید نہیں کہ میری عمر کل تک بھی میرے ساتھ وفا کرے گی۔

در راہ چناں رو کہ سلامت نہ کنند
(۲۵۲) با خلق چناں زی کہ قیامت نہ کنند

در مسجد اگر روئے چناں رو کہ ترا
در پیش نخواہند و امامت نہ کنند

خیام کو نمود و نمائش اور تجبّر اور غرور سے سخت نفرت ہے وہ کہتا ہے کہ دنیا میں ہمیں اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ اگر ہم راستے میں جاتے ہوں تو لوگ ہمیں سلام نہ کریں نہ لوگوں کے دلوں پر ہمارا خوف اس قدر چھایا ہوا ہو کہ ہمیں دیکھتے ہی ادب و تعظیم کی غرض سے اُٹھ کھڑے ہوں۔ مسجد میں اگر ہم جائیں تو ایسے انداز سے جائیں کہ کسی کو ہماری طرف کوئی خاص توجہ نہ ہو اور یہ نہ ہو کہ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ آیئے اور امامت کیجئے۔

(۲۵۳)

در راہ خرد بجز خرد را مپسند
چوں ہست رفیق نیک بد را مپسند
خواہی کہ ہمہ جہاں ترا بپسندد
می باش بہ خوش دلی و خود را مپسند

اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے متعلق خیام کی دوسری تعلیم یہ ہے کہ جہاں عقل کی ضرورت ہے وہاں عقل کے سوا اور کسی کا مشورہ پسند مت کر اور جب تک کہ ایک نیک رفیق مل رہا ہے اس وقت کسی برے رفیق کو اختیار نہ کر۔ تو اگر یہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا تجھے اچھا سمجھے اور تجھے پسند کرے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہمیشہ اور ہر حالت میں خوش اور بشاش رہ اور اپنے آپ کو کبھی پسند نہ کر یعنی کبھی مغرور اور متکبر نہ ہو۔

دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے خیام نے "مرنجان و مرنج" کا اصول پسند کیا ہے وہ دل آزاری سے کسی گناہ کو زیادہ نہیں سمجھتا اور ہے بھی یہی کہ راحت و آرام اور مسرت و اطمینان کی زندگی اگر گذار سکتے ہیں تو کچھ وہی لوگ گذار سکتے ہیں کہ جن کے ضمیر پہ یہ بوجھ نہ ہو کہ ان کے ہاتھ سے کسی کا دل دکھا ہے۔ خیام کہتا ہے کہ:۔

(۲۵۴)

خواہی کہ ترا رتبت ابرار رسد
مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور
کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

یعنی اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تجھے کاملوں کا اور بزرگوں کا درجہ نصیب ہو تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تو کسی کو ستانا یا کسی کا دل دکھانا پسند نہ کرے۔ پھر کہتا ہے کہ اس مرتبہ کو پہونچنے کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ نہ تو موت کا خوف تجھ پر غالب ہو اور نہ کبھی رزق کی فکر تیرے دل میں آئے کیونکہ موت اور رزق تو دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ چاہے تو کتنا ہی ان سے بچے اور کتنا ہی انہیں تلاش کرے وہ تجھ تک پہونچیں گی اور اپنے وقت پر پہونچیں گی۔

(۲۵۵)
گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود
واں یارِ عزیز تند خو خواہد بود
از خیر مگر بجز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حشر کے دن باز پرس اور گفتگو ہوگی اور وہ عزیز محبوب یعنی خدائے تعالیٰ تند خو اور غصہ ناک ہوگا۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ حشر کا نتیجہ بھلائی کے سوا کوئی برائی نکلے۔ نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا تو مطمئن رہ انجام یقیناً بخیر ہوگا۔ اور باری تعالیٰ کی رحمت ہرگز اسے گوارہ نہ کرے گی کہ اس کے بندوں کو تکلیف اور اذیت پہونچے۔

(۲۵۶)
گر یک نفست ز زندگانی گذرد
مگذار کہ جز بہ شادمانی گذرد
زنہار کہ سرمایۂ ایں ملک جہاں
عمر است چناں کش گذرانی گذرد

خیام کہتا ہے کہ اگر تجھے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی گذارنے کے لئے ملے تو اسے بھی تو خوشی و خرمی کے سوا اور کسی طریقے پر نہ گذار تجھے اس بات سے آگاہ ہونا چاہئے کہ اس دنیا کا سرمایہ جو کچھ بھی وہ تیری عمر ہے اور اسے تو جس طرح بھی گذارے گا گذر جائیگی اور اچھی یا بری خوشی یا غمگینی جیسی بھی زندگی تو نے گذاری ہے وہی تیرا سرمایہ ہوگی۔

(۲۵۷)
آورد بہ اضطرابم اول بوجود
جز حیرتم از حیات چیزے نہ فزود
رفتیم بہ اکراہ و ندانیم چہ بود

زیں آمدن و بودن و رفتن مقصود

ہم کیا چیز ہیں ؟ دنیا میں کہاں سے آگئے اور ہمارے اس جگہ آنے کا مقصد کیا ہے ؟ ان سوالات نے تقریباً ہر اس دماغ کو پریشان کر رکھا ہے کہ جس میں سوچنے اور فکر کرنے کی قوت تھی۔ خیام بھی اسی فکر میں مبتلا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے تو یہ ہوا کہ ایک اضطراب کے ساتھ مجھے اس عالم وجود میں لایا گیا پھر میں نے یہ دیکھا کہ میری زندگی نے اگر مجھ میں کسی چیز کی زیادتی کی تو وہ صرف میری حیرت تھی جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اس کے بعد ہم بادل ناخواستہ یہاں سے رخصت ہو گئے اور اب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہمارے آنے، یہاں رہنے، اور یہاں سے چلے جانے کا مقصد کیا تھا۔

آنہا کہ خلاصۂ جہاں انسانند
بر اوج فلک براق ہمت رانند (۲۵۸)
در معرفت ذات تو مانند فلک
سرگشتہ و سرنگوں و سرگردانند

ذات واجب الوجود کی معرفت میں پریشان و سرگرداں ہونے کے بعد خیام کہتا ہے کہ تیری ذات ایسی ہے کہ وہ لوگ کہ جو اس دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں اور جو اپنی ہمت کے گھوڑے آسمان پر دوڑایا کرتے ہیں وہ بھی تیری ذات کی معرفت کے معاملہ میں بالکل عاجز و ناچار ہیں اور آسمان کی طرح سرگشتہ سرنگوں اور سرگرداں رہنے کے سوا ان سے بھی کچھ بن نہیں پڑتا۔

خوش باش کہ دہر بیکراں خواہد بود
بر چرخ ز اختراں نشاں خواہد بود (۲۵۹)
خشتے کہ ز قالب تو خواہد بودن
دیوار سرائے دگراں خواہد بود

کہتا ہے کہ رنج و غم نہ کر اور خوش رہ کیونکہ یہ دنیا ختم ہونے والی نہیں ہے آسمان پر جو ستارے تجھے نظر آرہے ہیں یہ اسی طرح چمکتے رہیں گے اور تیری مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ دوسروں کے گھروں کی دیوار کے کام آئے گی۔

افسوس کہ نامۂ جوانی طے شد (۲۶۰)

وین تازہ بہار شادمانی طے شد
واں مرغ طرب کہ نام او بود شباب
فریاد کہ آمد و ندانم کے شد

اپنی جوانی کو یاد کر کے خیام کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ جوانی کا نامہ ختم ہو گیا اور خوشی کی یہ تازہ بہار جو میسر آئی تھی باقی نہ رہی۔ خوشی اور خرمی کا وہ پرند کہ جسے شباب کہتے ہیں آیا تو مگر افسوس کہ یہ خبر نہ ہوئی کہ کب چل دیا۔

(۲۶۱) در دہر کسے بہ گلعذارے نہ رسید
تا بر دلش از زمانہ خارے نہ رسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نہ شد
دستش بہ سر زلف نگارے نہ رسید

تکلیف اور رنج کے بغیر کوئی راحت میسر نہیں آتی۔ ایک مشہور و معروف بات ہے اسی کو خیام نہایت خوبصورتی سے اس طرح کہتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص کبھی کسی گلعذار تک بجز اس صورت کے نہیں پہونچا ہے کہ زمانہ کے ہاتھوں اس کے دل میں کانٹے نہ چبھے ہوں گنگھی کو یہ فخر اور یہ شرف حاصل ضرور ہے کہ معشوق کی زلف تک اس کی رسائی ہے لیکن وہاں تک پہونچنے سے پہلے اسے اپنے جسم کو سو جگہ سے شگافتہ کرنا پڑا ہے۔

از آب عدم تخم مرا کاشتہ اند
(۲۶۲) از آتش غم روح من افراشتہ اند
سرگشتہ چو باد میدوم گرد جہاں
تا خاک من از چہ جائے برداشتہ اند

کہتا ہے کہ میں وہ پیڑ ہوں کہ جس کے بیج کو بو کر عدم کے پانی سے سینچا ہے گویا ناپید ہونا اور مر جانا میرے خمیر میں داخل ہے اور میری روح کو غم کی آگ سے بلند کیا ہے اب میری یہ حالت ہے کہ ہوا کی طرح سارے جہاں میں مارا مارا پھرتا ہوں خدا جانے میری مٹی کہاں کی ہے۔

(۲۶۳) کس را پس پردہ قضا راہ نہ شد
وز سر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد

ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد

کہتا ہے کہ قضا و قدر کے پردے کے اس طرف کسی کو جانا نصیب نہ ہوا کہ وہ دیکھ سکتا کہ اس کے پیچھے کیا ہے اور خدائے تعالےٰ کے بھید سے کسی کو آگاہی حاصل نہ ہوئی۔ اپنے اپنے قیاس کے مطابق لوگوں نے اس کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا ہے لیکن اصلیت سے کوئی واقف نہیں ہے، اور یہ قصہ آج تک طے نہ ہو سکا۔

یک ناں چو بدو روز شود حاصل مرد
(۲۶۴) وز کوزۂ بشکستہ دمے آب سرد
مامورِ کسے دگر چرا باید بود
یا خدمتِ چوں خودے چرا باید کرد

خیام غلامی کا دشمن ہے۔ اسے کسی طرح یہ گوارا نہیں ہے کہ کوئی انسان پیٹ کی خاطر اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کی غلامی کرے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر کسی شخص کو دو دن میں ایک روٹی میسر آجائے، اور ایک ٹوٹی ہوئی صراحی سے گھونٹ بھر ٹھنڈا پانی پینے کو مل جائے تو پھر اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی نوکری اختیار کرے اور انسان ہو کر اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان کی خدمت کرتا پھرے۔

چنداں مرو ایں رہ کہ دوئی برخیزد
(۲۶۵) گر نیست دوئی زرہ رومی برخیزد
تو او نشوی ولیک گر جہد کنی
جائے برسی کز تو توئی برخیزد

خیام کہتا ہے کہ اس ظاہری عبادت و ریاضت کے راستہ میں آنا مت دوڑ کہ دوئی پیدا ہو جائے اور تو اپنے آپ کو خدا سے الگ کوئی ہستی تصور کرنے لگے۔ یہ دوئی اگر آج موجود نہیں ہے تو کل پیدا ہو جائے گی کیونکہ عبادت و ریاضت کی کثرت تجھ میں غرور اور انانیت پیدا کر دے گی اور انانیت پیدا ہوتے ہی دوئی کا پیدا ہو جانا لازمی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ تو جادۂ اعتدال سے قدم باہر نہ نکالے اور اپنی عبادت ہی کو اپنی گمراہی کا باعث نہ بنالے۔ تو خدا تو کبھی اور کسی طرح نہیں بن سکتا، یہ تو ناممکن ہے لیکن اگر تو

کوشش کرے تو تو ایسے مقام تک ضرور پہونچ سکتا ہے کہ جہاں پہونچ کر تجھ پر خود فراموشی طاری ہو جائے اور تو اپنے آپ کو بھول کر اسی ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا ہو جائے۔

آنہا کہ جہان زیرِ قدم فرسودند
(۲۶۶) واندر طلبش ہر دو جہاں پیمودند
آگاہ نمی شوم کہ ایشاں شب و روز
زیں حال چنانکہ ہست آگہ بودند

خیام کو ان لوگوں کے حال پر سخت تعجب او ر افسوس ہے کہ جو رات دن خود اپنی آنکھوں سے اس جہانِ فانی کی ناپائداری کے ثبوت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور پھر بھی اپنی تمام عمر عزیز اسی کی طلب اور جستجو میں ضائع کیا کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے اس دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے گھس ڈالا، اور اس کی طلب میں جنہوں نے دونوں جہان ملادیے میری تو سمجھ میں نہیں آتا اور مجھے معلوم نہیں کہ اس دنیا میں شبانہ روز جو کچھ ہوا کرتا ہے اور جو حال کہ گذرتا رہتا ہے اس سے واقف و آگاہ تھے۔

کس مشکلِ اسرارِ ازل را نگشاد
(۲۶۷) کس یک قدم از نہاد بیروں نہ نہاد
من می نگرم ز مبتدی تا استاد
عجز است بدستِ ہر کہ از مادر زاد

خیام کا عقیدہ ہے کہ آفرینش کے بھید ہماری عقلوں کی رسائی سے باہر ہیں اور وہ کہتا ہے کہ آج تک کوئی بھی اتنا نہ کر سکا کہ ازل کے سربستہ راز کے عقدہ کو کھولتا، اور کسی سے بھی اتنا نہ ہو سکا کہ اپنی ذات اور اپنی اصلیت کی حد سے قدم باہر نکال سکے میں نے تو شاگرد سے لے کر استادوں تک سب کو دیکھ لیا اور دنیا میں جو شخص بھی پیدا ہوا ہے اسے اس رازِ نہفتہ کی عقدہ کشائی سے عاجز ہی پایا۔

بد خواہِ کساں ہیچ بہ مقصد نہ رسد
(۲۶۸) یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بدِ من
تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

کہتا ہے کہ دوسروں کا برا چاہنے والا کبھی اپنی مراد کو نہیں پہونچا کرتا، وہ اگر کسی کے ساتھ ایک برائی کرتا ہے تو اُسے لازمی طور پر سو برائیاں خود مل جاتی ہیں۔ میں تو تیرا بھلا چاہتا ہوں اور تیرا برا چاہتا ہے تیری مرضی ایسا ہی کر، لیکن یہ اچھی طرح یاد رکھ کہ تجھے کوئی بھلائی یا فلاح نصیب نہ ہوگی، اور تیری برائی چاہی ہوئی مجھے کوئی نقصان نہ پہونچائے گی۔

خرم دلِ آں کسے کہ معروف نہ شد
(۲۶۹) درجبہ و دراعہ و درصوف نہ شد
سیمرغ صفت بہ عرش پروازے کرد
وز کنج خرابۂ جہاں بوف نہ شد

خیام کو نمود و نمائش اور طلب جاہ و شہرت سے سخت نفرت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سچی خوشی اسی شخص کو حاصل ہے اور خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس دنیا میں مشہور نہ ہو اور جسے نام کی طلب نے اپنے جال میں پھنسا کر اس بات پر مجبور نہ کیا کہ وہ جبہ و دستار اور خرقہ و زنار پہنکر لوگوں کے سامنے آئے اور اپنا لباس دکھا دکھا کر ان سے اپنی عزت کرائے، اور اسی شخص کو اطمینان قلب حاصل ہے کہ سیمرغ کی طرح ہو اور اس دنیا کے دھندوں اور دنیا کی دلفریبیوں سے بالاتر رہ کر عرش پر پرواز کرتا رہے، اور کبھی بھول کر بھی اس دنیا کے کھنڈروں میں الو کی طرح بسیرا نہ لیا کرے۔

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد
(۲۷۰) در دستِ اجل بسے جگر ہا خوں شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو
کاحوال مسافرانِ عالم چوں شد

کہتا ہے کہ افسوس صد افسوس زندگی کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہا اور مرنے کا وقت آگیا اور اس موت کے ہاتھوں لاکھوں اور کروڑوں جگر خون ہو گئے لیکن آج تک اس دنیا سے لوٹ کر کوئی ایک متنفس بھی نہ آیا جس سے اتنا پوچھ لیتا کہ آخر جو لوگ کہ یہاں سے سفر کر کے گئے تھے ان پر کیا گذری۔

فردا کہ نصیب نیک بختاں بخشند
(۲۷۱) قسمے بہ منِ رند پریشاں بخشند

گر نیک آیم مرا از یشان شمرند
ورزبد باشم مرا بدیشاں بخشند

خیام کو رحمت باری تعالیٰ پر کامل اعتماد ہے، اور وہ کسی طرح بھی اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ رحیم و رحمان اور فیاض و مہربان خدا اپنے گناہ گار بندوں کو عقوبت دوزخ میں مبتلا کرے گا۔ اس کا اعتقاد ہے کہ بندوں کا کام ہی خطا اور گناہ کرنا ہے، اور ہماری خطاؤں سے درگذر کرنا اس کی شان غفاری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیک بختوں کو ان کا حصہ تقسیم کیا جائے گا تو مجھ رند خستہ حال کو بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہی ملے گا۔ اگر میں نیک ثابت ہوا تب تو کوئی بات نہیں ہے میرا شمار نیک بختوں میں ہو جائے گا اور اگر میں بُرا قرار پایا تو اللہ کی رحمت میری پشت پناہی کے لئے موجود ہے جہاں اور ہزاروں بُرے بخشے جائیں گے وہاں ایک میں بھی بخشند یا جاؤں گا۔

خطے کہ زروئے یار بر خاستہ شد
توظن نہ بری کہ حسن او کاستہ شد (۲۷۳)
در باغ رخش بہر تماشا گہ جان
گل بود بہ سبزہ نیز آراستہ شد

دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ کہ جو ہر چیز کا صرف بُرا ہی پہلو دیکھا کرتے ہیں، اور ان کی نگاہ بُرائیوں اور عیبوں کے سوا کبھی رعنائیوں اور اچھائیوں پر نہیں پڑتی، چاند میں بھی اگر وہ دیکھتے ہیں تو صرف داغ، اور پھولوں میں بھی اگر انہیں کچھ نظر آتا ہے تو صرف کانٹے اچھی سے اچھی چیز بھی اُن کے نزدیک معیوب ہوتی ہے اور حسین سے حسین شے ان کے دل کے لئے نامرغوب۔ مسرت اور اطمینان سے ان کے دل ناآشنا رہتے ہیں، اور دنیا کی کوئی دلچسپی انہیں خوش نہیں کر سکتی لیکن اسی دنیا میں وہ لوگ بھی آباد ہیں کہ ہر شر میں بھی ایک خیر تلاش کر لیتے ہیں اور جن کی حسن نگر نگاہیں بُرائیوں میں بھی بھلائیاں تلاش کر لیتی ہیں۔ وہ کسی چیز سے ناخوش نہیں ہوتے حتیٰ کہ رنج و غم میں بھی ان کے لئے مسرت کا پہلو نکل آتا ہے۔ خیام اسی قسم کے خوش باش اور حسن شناس لوگوں میں سے ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ معشوق کے صاف ستھرے چہرے پر اگر خط نکل آیا ہے

تو اس میں بُرائی کیا ہے اور تم یہ کیوں خیال کرتے ہو کہ اس سے اس کی دلکشی اور حسن میں کوئی کمی واقع ہو گئی۔ اس کا چہرہ ہماری روح کی تفریح اور سیر کے لئے ایک باغ ہے۔ اس باغ میں پھول تو پہلے ہی سے موجود تھے اب سبزہ بھی اُگ آیا اور اس کی خوبصورتی اور رنگینی اور بھی بڑھ گئی۔

خون از دلِ افگار بروں می آید
وز دیدۂ خونبار بروں مے آید (۲۷۳)
گر خوں بچکید از مژہ ام نیست عجب
زیرا کہ گل از خار بروں می آید

خیام اس دنیا کو دارالمحن سمجھتا ہے۔ اسے یہ توقع ہی نہیں ہے کہ اس دنیا سے ہمیں کبھی کوئی خوشی میسر آسکتی ہے اسی لئے اسے کبھی مایوسی نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہر حال میں خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا دل زخمی ہے اور اس سے خون بہ رہا ہے اور اس قدر کثرت سے بہ رہا ہے کہ آنسوؤں کے ساتھ آنکھوں سے بھی ٹپکنے لگا لیکن اگر ایسا ہے اور میری پلکوں سے خون کے سُرخ سُرخ قطرے گر رہے ہیں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پلکیں ہوتی ہی اس لئے ہیں کہ ان سے خون ٹپکا کرے پھول آخر کانٹوں ہی سے تو نکلا کرتے ہیں۔ ایک طبعی اور سقدرتی بات پر اتنا تعجب کیوں؟

دشمن کہ مرا ہمیشہ بد می بیند
حقا کہ نہ از روئے خرد می بیند (۲۷۴)
در آئینہ درونِ خود می نگرد
آں صورت مردہ رنگ خود می بیند

کہتا ہے کہ اگر دشمن مجھے ہمیشہ بُرا خیال کیا کرتا ہے اور ہر وقت میرے عیب ہی نکالا کرتا ہے تو خدا گواہ ہے کہ اس کا یہ فعل عقل پر مبنی نہیں ہے۔ وہ بیوقوف ہے اور اپنے دل کے آئینہ پر جب نظر ڈالتا ہے تو چونکہ اس کا دل حسد اور بغض سے کالا ہو رہا ہے اس لئے اسے جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس کی اپنی ہی بدرنگ اور کریہ المنظر صورت ہے نہ کہ میری۔ وہ مجھ میں وہی بُرائیاں دیکھتا ہے جو اس کے اپنے دل میں بھری ہوئی ہیں اس لئے وہ حقیقتاً میری بُرائیاں نہیں بلکہ اس کے اپنے عیب ہیں۔

(۲۷۵)

بامردمِ نیک بد نہ می باید بود
در بادیہ دیو ودو نہ می باید بود
مفتونِ معاش خود نہ می باید بود
مغرور بہ فضل خود نہ می باید بود

مردم آزاری، زر پرستی، اور غرور فی الحقیقت بھی بدترین قسم کے گناہ ہیں اور خیام بھی انہیں انسان کی انتہائی پستی خیال کرتا ہے اور بہت سی انسانی کمزوریوں کو ممکن ہے کہ خیام معاف کر دے لیکن یہ تینوں جرم اس کے نزدیک ناقابلِ معافی ہیں اسی لئے وہ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ اس دنیا میں اچھے لوگوں کو برا بنکر نہیں رہنا چاہئے یعنی اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے کہ ہمارے ہاتھ سے کسی اچھے آدمی کو تکلیف نہ پہونچے یہ نہ ہونا چاہئے کہ جنگل کے جانوروں کی طرح ہم ایک دوسرے کے پیٹ میں سینگ بھونکتے اور کتوں کی طرح ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچتے اور کاٹتے ہیں۔ اپنی روزی کا بھی ہمیں دیوانہ اور مفتون نہ ہونا چاہئے کہ جو سارا وقت بس اسی کی دُھن میں گذار دے، اور اگر ہم میں کوئی خوبی یا کمال ہے تو اس پر مغرور بھی کبھی نہ ہونا چاہئے۔

خیامؔ کے دل میں نہ اس دنیا کی کوئی عزت ہے اور نہ اس دنیا کے اندر ہمارے چندروزہ قیام کی۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں ہمارا آنا ہمارے اپنے اختیار میں ہے اور نہ یہاں سے ہمارے جانے میں ہماری مرضی اور پسند کو کوئی دخل ہے تو وہ اس تمام کارخانے اور اس میں انسان کے اس طرح مجبور ہو کر آنے جانے کو بالکل ہیچ اور ناقابلِ اعتنا خیال کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ:۔

(۲۷۶)

یارانِ موافق ہمہ از دست شدند
در پائے اجل یگاں یگاں پست شدند
بودند بیک شراب در مجلسِ عمر
دورے دو سہ پیشتر ز ما مست شدند

یعنی جتنے بھی ہمارے ساتھی اور دوست تھے وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ سے نکل گئے اور ایک ایک کرکے موت کے قدموں کے نیچے کچلے جا چکے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم اور وہ زندگی کی محفل میں ساتھ ساتھ شراب پی رہے تھے اور جس طرح ہم زندہ ہیں

اسی طرح وہ بھی زندہ تھے۔ بس فرق صرف اتنا ہوا ہے کہ وہ ہم سے دو ایک روز پہلے ہی مست ہو گئے ہیں اور ہمارے مست ہونے میں ابھی دو ایک دن کی کسر اور باقی ہے

ساقی علم سیاہ شب صبح ربود
(۲۷۷) برخیز و مے میخانہ را در دہ زود
بکشائے زہم دو نرگس خواب آلود
برخیز کہ خفتنت بسے خواہد بود

اس زندگی کے عبرتناک انجام کے متعلق خیام کہتا ہے کہ اے ساقی رات کی تاریکیوں کو صبح کی سپیدی نے دور کر دیا بس اب اٹھ اور جلدی سے شراب دیدے اپنی یہ نیند بھری آنکھیں خدا کے لئے کھول اور ہوشیار ہو جا اب یہ وقت سونے کا نہیں ہے بس اب اٹھ بیٹھ اگر تجھے سونے کا ایسا ہی شوق ہے تو اطمینان رکھ کہ اس کے بعد بس اب سونا ہی سونا ہے۔

گویند کہ مرد را ہنر می باید
(۲۷۸) یا نسبت عالی پدر می باید
امروز چناں شدہ است در نوبت ما
کاینہا ہمہ ہیچ ہست زر می باید

دنیا کی زر پرستی اور زر طلبی سے متنفر ہو کر خیام کہتا ہے کہ مشہور تو یہ تھا کہ انسان کو انسان بننے اور عزت حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہنر ہے، یا اگر ہنر نہیں تو خاندانی شرافت اور عالی نسبی کی ضرورت ہے گویا عام طور پر یا تو علم و ہنر کی قدر کیجاتی ہے یا خاندانی شرافت اور حسب و نسب کی لیکن یہ ہمارا زمانہ نہ معلوم کس قسم کا ہے کہ آج نہ کوئی علم و فضل کو پوچھتا ہے اور نہ حسب و نسب کی کوئی قدر کیجاتی ہے یہ دونوں چیزیں فضول اور بے کار ہو گئی ہیں اور اب شہرت و عزت حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ دولت و زر ہے۔

ہم دست من تشنہ بجامے نہ رسید
(۲۷۹) ہم پائے تمنا بہ مقامے نہ رسید
واں دل کہ بماندہ بود در ناکامی

ہم عاقبت الامر بہ کامے نہ رسید

بخت کی ناسازی اور چرخ کج رفتار کی فتنہ پردازی کی شکایت ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، خیام بھی اپنی نامرادیوں کا رونا اس طرح روتا ہے کہ مدت العمر پیاسے رہنے کے باوجود کبھی میرا ہاتھ جام تک نہ پہونچا۔ گویا تمام عمر طلب و تلاش میں سرگرداں رہنا بھی کچھ کام نہ آیا اور مطلب دلی حاصل نہ ہوا اسی طرح جس منزل کی تلاش میں میرے پاؤں چکر لگا رہے تھے اس منزل اور مقام تک بھی رسائی نہ ہو سکی۔ یہ دل ہمیشہ سے ناکامی ہی کا شکار رہا تھا اور افسوس ہے کہ اس کا انجام بھی ناکامی و نامرادی کے سوا اور کچھ نہ ہوا۔

آں قوم کہ سجادہ پرستند خرانند
(۲۸۰) زیرا کہ بزیر بارِ سالوس درانند
ویں از ہمہ طرفہ ترکہ در خرقہ' زہد
اسلام فروشند و زکافر بترانند

ایسے لوگ اس دنیا میں ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ جو گندم نما اور جو فروش ہیں اور جنہوں نے تسبیح و سجادہ اور جبہ و دستار دکھا دکھا کر لوگوں کو فریب دیا ہے اور دنیا کمائی ہے ایسے لوگوں کے متعلق خیام کہتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کو چھوڑ کر سجادہ اور تسبیح کی پرستش کیا کرتے ہیں گدھے ہیں کیونکہ ان کی پشت پر مکر و فریب کا پشتارہ لدا ہوا ہے اور وہ اس کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ زہد اور پارسائی کا لباس پہنکر یہ لوگ دین و ایمان کو بیچا کرتے ہیں اور کافروں سے بھی بدتر ہیں۔

چوں نیست ترا جز آنکہ رود از قرار
(۲۸۱) چندیں زپئے مراد دل رنجہ مدار
ہاں تا نہ نہی بر دل خود چندیں بار
بگذشتن و بگذاشتنش آخر کار

دنیا کی طلب میں پریشان اور حصول دولت کی خاطر سرگرداں و حیراں رہنا خیام کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس کا فلسفہ تو اسے صرف ایک بات سکھاتا ہے اور وہ یہ کہ کبھی کسی رنج یا تکلیف سے پریشان نہو بلکہ ہر حال میں خوش و خرم رہو۔ وہ کہتا ہے کہ جبکہ

تمہیں یہ معلوم ہے کہ تمہیں اس سے زیادہ یا اس کے سوا کچھ اور نہیں ملے گا جو کہ خدا نے دے رکھا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ دل کی خواہشوں کے پیچھے اپنے آپ کو رنجیدہ رکھنے سے کیا حاصل۔ بس بہتر یہی ہے کہ اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر لینے پر قناعت کر کے اپنے دل کی خواہشات کے پیچھے دیوانے نہ بنو اور منت کا یہ بوجھ اپنے دل پر نہ رکھو آخر یہی تو ہونا ہے کہ ایک دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس دنیا سے گذر جانا ہے۔

با یار چو آرمیدہ باشی ہمہ عمر
خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر (۲۸۲)
ہم آخرِ عمر رحلتت باید کرد
لذاتِ جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر

زندگی کے حسرتناک انجام پر جب خیام کی نگاہ جاتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ تمام عمر اگر تم نے اپنے محبوب مطلوب کے ساتھ عیش اڑایا تب کیا؟ اس کی وقعت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایک خواب تھا جو تم نے دیکھ لیا۔ انجام کو دیکھو کہ انجام کیا ہوتا ہے وہ تو یہی ہے کہ خواہ تم ساری عمر دنیا کی لذتوں کے مزے لیتے رہے ہو پھر بہر حالت و بہر صورت یہاں سے جانا اور دوسرا گھر بسانا ہے۔

با یار خوشم جام شراب اولیٰ تر
وز دستِ غمش دیدۂ پر آب اولیٰ تر (۲۸۳)
چوں عالمِ دوں وفا نخواہد کردن
در عالمِ دوں مست و خراب اولیٰ تر

خیام کہتا ہے کہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ اپنے محبوب کے ساتھ ایک جام شراب پیوں اور اس کے غم کے ہاتھوں میری آنکھیں ہمیشہ پُرنم اور اشکبار رہیں۔ جب یہ مانی ہوئی بات ہے کہ یہ ذلیل اور ناپاک دنیا کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی تو پھر اس کی دلچسپیوں کی خاطر رنجیدہ و پریشان رہنے سے کیا حاصل؟ یہی بہتر ہے کہ اس ذلیل عالم میں انسان جبتک رہے بس مست اور خراب رہے تاکہ اسے کسی بات کا ہوش ہی نہ ہو۔

چوں حاصلِ آدمی دریں جائے دو در
جز دردِ دل و دادنِ جاں نیست دگر (۲۸۴)

خرم دل آنکہ یک نفس زندہ نبود
واسودہ کسے کہ او نزاد از مادر

اس عمر بے بقا کا اختتام اور اس دنیاوی زندگی کا انجام خیام کے ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے اور اسی بنا پر وہ کہتا ہے کہ جبکہ اس دو دروازوں والی سرائے جس میں ایک راستہ آنے کا ہے اور ایک جانے کا انسان کو اس کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ مدت العمر اس کا دل دردمند رہے اور پھر آخر کار وہ اپنی جان دیدے تو پھر تو میں اس شخص کو خوش نصیب اور خوش دل کہوں گا کہ جو کبھی عالم وجود میں آیا ہی نہیں، اور اسی انسان کی زندگی کو آرام و اطمینان کی زندگی خیال کروں گا۔ کہ جو ماں کے پیٹ سے کبھی پیدا ہی نہ ہوا۔

دے کوزہ گرے بدیدم اندر بازار
برپارہ گلے ہمی لگد زد بسیار (۲۸۵)
واں گل بزبانِ حال با او می گفت
من ہمچو تو بودہ ام مرا نیکو دار

خیام خاک کے ایک ایک ذرہ سے سبق لیتا ہے اور درختانِ سبز کے ایک ایک پتے میں اسے معرفت کردگار کی کتابت لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کل بازار میں میں نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک برتن بنانے والا کمہار تھوڑی سی مٹی میں پانی ملاکر کوزہ بنانے کے لئے اسے پیروں سے کچل رہا ہے اور اس کے لاتوں پر لاتیں مارے چلا جاتا ہے اور وہ بے کس اور بے بس مٹی زبان حال سے رو رو کر اس سے یہ کہہ رہی ہے کہ او بے رحم اور ظالم انسان اپنے انجام کو نہ بھول تجھے بھی ایک دن خاک میں ملکر خاک ہو جاتا ہے۔ میرے عبرتناک انجام کو دیکھ اور اس سے سبق حاصل کر کیونکہ میں بھی ایک دن تیری ہی طرح انسان تھی اور اسی طرح فخر و غرور کے ساتھ زمین پر پاؤں مار مار کر چلا کرتی تھی لیکن آج خود ایک تودہ خاک ہوں

قبروں کا نظارہ ہر شخص کے لئے عبرتناک اور سبق آموز ہوا کرتا ہے، اور اگر وہ صاحب فکر ہے تو اس سے طرح طرح کے درس ہائے عبرت حاصل کیا کرتا ہے خیام بھی جب قبروں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اس کی فلسفیانہ طبیعت غور و فکر میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور وہ کہتا ہے کہ

ایں اہل قبور خاک گشتند و غبار (۲۸۶)

کتاب پیام خیام



Calcutta Art Press Delhi.

ہر ذرہ ز ہر ذرہ گرفتند کنار
آہ ایں چہ شرابیست کہ تا روز شمار
بیخود شدہ و بے خبر انداز ہمہ کار

یعنی یہ قبروں کے بسنے والے جو کل تک ہماری ہی طرح کے انسان تھے آج خاک در غبار کا ایک انبار بن گئے ہیں اور ان کے جسم کا ہر ہر ذرہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو چکا۔ خدا ہی جانے کہ انہیں یہ کس قسم کی شراب پلا دی گئی ہے۔ کہ اب وہ قیامت تک اسی طرح مست اور بے ہوش پڑے رہیں گے۔

مردانہ در آز خویش و پیوند ببُر
(۲۸۷) خود را تو ز بند زن و فرزند ببُر
ہر چیز کہ ہست سد راہست ترا
با بند چہ گونہ رہ روی بند ببُر

کہتا ہے کہ تو جو اس دنیا میں آکر علائق دنیوی میں پھنس گیا ہے یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ان علائق سے رشتہ توڑ دے اور مردوں کی طرح ان سے باہر نکل آ۔ یہ زن و فرزند کی بیڑیاں جو تو نے اپنے پاؤں میں پہن رکھی ہیں انہیں توڑ کر پھینک دے۔ اس دنیا کی جتنی چیزیں بھی ہیں خواہ وہ اہل و عیال ہوں یا مال و منال سب تیرے راستے کے روڑے ہیں اور تجھے صراط مستقیم پر چلنے نہیں دیتے بھلا ان بھاری زنجیروں کو لے کر تو کیسے چلے گا؟ ان سب کو توڑ کر آزاد ہو جا۔

عمر تو چہ دو صد و چہ سی صد چہ ہزار
(۲۸۸) زیں کہنہ سرا بروں برندت ناچار
گر بادشہی و گر گدائے بازار
ایں ہر دو بہ یک نرخ بود آخر کار

خیام کہتا ہے کہ تیری عمر چاہے دو سو برس کی ہو یا ہزار برس کی یا تین ہزار برس کی چار و ناچار تجھے ایک دن یہاں سے جانا پڑے گا اور لیجانے والے تجھے کشاں کشاں اس پرانے مکان سے نکال لے جائیں گے۔ تو خواہ کہیں کا بادشاہ ہو یا بازاروں میں بھیک مانگنے والا فقیر انجام یہی ہونا ہے کہ آخر وقت میں دونوں کی قدر و قیمت ایک سی ہو جائے اور امیر و

وغریب کا فرق اور امتیاز باقی نہ رہے۔

اے دل ہمہ اسباب جہاں خواستہ گیر
ویں خانہ پر از نعمت و آراستہ گیر (۲۸۹)
خوش باش دریں نشیمن کون وفساد
روزے دو سہ بنشستہ و برخاستہ گیر

دنیا میں رہ کر رنج وغم میں زندگی بسر کرنا اور ہر وقت غمِ فردا میں مرنا خیام کے مذہب میں گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے دل عیش وکامرانی کے تمام سامان مہیا کرلے اور اس گھر کو ہر قسم کی نعمتوں سے بھر کر آراستہ کرلے اور جب تک تجھے اس عالم کون وفساد میں رہنا ہے خوب خوش اور خرم رہ اور پھر دو چار روز میں آرام کرنے کے بعد اپنا راستہ پکڑ اور یہاں سے رخصت ہو جا۔

اے دل ہمہ اسباب جہاں خواستہ گیر
باغ طربت بہ سبزہ آراستہ گیر (۲۹۰)
وانگاہ بر آں سبزہ شبے چوں شبنم
بنشستہ و بامداد برخاستہ گیر

اسی پچھلی رباعی کے مضمون کو پھر اس طرح لکھتا ہے کہ اے دل دنیا کا تمام سامان مہیا اور فراہم کرلے، اور اپنی خوشی وشادمانی کے باغ کو سبزہ سے اچھی طرح آراستہ کر یعنی خوب خوش رہ اور اس کے بعد شبنم کی طرح رات کی رات اس سبزہ پر بیٹھ کر صبح ہوتے ہوتے اُڑ جا۔

اے دوست غمِ جہانِ بیہودہ مخور
بیہودہ غمِ جہانِ فرسودہ مخور (۲۹۱)
چوں بود گذشت ونیست نابود پدید
خوش باش وغمِ جہانِ نابودہ مخور

پھر کہتا ہے کہ دوستو! اس لغو اور بے ہودہ دنیا کا غم نہ کھاؤ اور بے فائدہ اس پرانے اور ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کی فکروں میں اپنے آپ کو نہ گھلاؤ۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جو کچھ یہاں موجود تھا وہ ضرور ناپید ہو گیا۔ اور جو کچھ ابھی تک ناپید ہے وہ نظر نہیں آتا

اور اس کی کسی کو خبر نہیں تو پھر یہی مناسب ہے کہ بے فکری اور خوشی کے عالم میں زندگی گذار دو اور کل کے متعلق کہ جس کا ابھی کوئی وجود ہی نہیں ہے غم نہ کھاؤ۔

گر گوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز
(۲۹۲) در گرد رہت ز رخ نہ رُفتم ہرگز
نومیدنیم ز بارگاہ کرمت
زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

خیام کو اللہ تعالےٰ کی بخشش پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے مانا کہ میں نے تیری عبادت کے موتی نہیں پروئے یعنی تیری عبادت کبھی نہیں کی اور تیرے راستہ کی گرد اپنے چہرہ سے کبھی نہیں جھاڑی یعنی کبھی تیرے راستہ پر چلا ہی نہیں جو اس راستے کی خاک میرے چہرے پر پڑتی اور اسے جھاڑنے کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن اس تمام قصور وخطا کے باوجود میں تیری بخشش کی بارگاہ سے ناامید نہیں ہوں کیونکہ میں نے کبھی کسی کو تیرا شریک نہیں گردانا ہے اور ایک کو کبھی دو نہیں کہا ہے۔

از جملۂ رفتگان ایں راہ دراز
باز آمدہ کو؟ کہ بما گوید راز
زنہار دریں سراچہ از روئے نیاز
چیزے نہ گذاری کہ نمی آئی باز

خیام کہتا ہے کہ آج تک اس دنیا سے جو لوگ جا چکے ہیں ان میں سے بھلا کبھی واپس ہی کون آیا ہے جو وہاں کا بھید ہمیں بتلائے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہاں کیا معاملہ پیش آئے گا اس لئے جو کچھ بھی اس دنیا میں حاصل ہے اسے کہیں عجز ونیاز کی وجہ سے چھوڑ نہ دینا کیونکہ پھر یہاں لوٹ کر کبھی نہیں آنا ہے۔

در کتم عدم خفتہ بدُم گفتی خیز
در آ بہ جہان و در جہاں شور انگیز
واکنوں کہ بہ فرمانِ تو ام حیرانم
القصہ چناں دار کہ کج دار و مریز

خیام کہتا ہے کہ بار الہا میں اپنی مرضی اور ارادہ سے تو اس دنیا میں آ نہیں گیا ہوں

میں تو عدم اور نیستی کے پردے میں پڑا سو رہا تھا تو نے حکم دیا کہ اٹھ اور دنیا میں جا کر سارے جہان میں شور برپا کر دے۔ میں تیرے حکم سے مجبور تنہا چلا آیا۔ اور اب جبکہ تیرے ہی حکم کی تعمیل میں مصروف ہوں تو مجھ پر سختی نہ ہونی چاہئے بس ایسا رکھ کہ شراب کی بوتل ٹیڑھی بھی رہے اور شراب بھی نہ گرے یعنی میں تیری مرضی اور تیرے ارادہ کے سامنے مجبور بھی رہوں اور مجھے تکلیف و اذیت بھی نہ پہنچے۔

بودے کہ نبودت بہ خور و خواب نیاز
(۲۹۵) کردند نیاز مندت ایں چار انباز
ہر یک بتو آنچہ داد بستانند باز
تا باز چناں شوی کہ بودی ز آغاز

اپنے آغاز اور اپنے انجام پر غور کرتے کرتے خیام جب پریشان ہو جاتا ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بھید اور کیا طلسم ہے تو مجبور ہو کر وہ اس طرح اعتراف عجز کرتا ہے کہ کاش میری جان کو یہ کھانے اور سونے کے جھگڑے نہ لگے ہوتے اور جس طرح میری روح آزاد ہے اسی طرح میرا جسم بھی ان قیود سے آزاد ہوتا لیکن کیا کیا جائے کہ میرے جسم کے چار شریکوں نے جن سے کہ میرا جسم بنا ہے، مجھے نیاز مند بنا دیا اور میرا سر ان ضرورتوں کے آگے جھکا دیا۔ یہ آتش و آب اور خاک و باد کی آلودگیاں اگر نہ ہوتیں تو میری روح کو نہ غذا کی ضرورت تھی اور نہ آرام اور خواب کی، اور ضرورت اگر نہ ہوتی تو پھر یہ نیاز مندی بھی نہ ہوتی جو باعث پستی و ذلت ہے۔ اور پھر یہ چاروں شریک بھی ایسے ہیں کہ میرے مرتے ہی جو جو کچھ جس کسی نے دیا تھا۔ واپس لے لے گا۔ آگ آگ میں، ہوا ہوا میں، خاک خاک میں اور پانی پانی میں مل جائے گا اور میں ویسے کا ویسا ہی رہ جاؤں گا کہ جیسا کہ ابتدا میں تھا۔

معشوق کہ عمرش چو غمم باد دراز
(۲۹۶) امروز تلطفے بنو کرد آغاز
بر چشم من انداخت دمے چشم و برفت
یعنی کہ نکوئی کن و در آب انداز

دوسرے شعرا کی طرح خیام نے بھی بعض رباعیاں محض ظاہری حسن کلام کی خاطر

کہی ہیں یہ رباعی بھی اسی نوعیت کی ہے۔ اس میں نہ فلسفہ و حکمت ہے اور نہ پند و موعظت صرف ایک مشہور ضرب المثل یا مقولے کو نظم کرنا مقصود تھا اور بس۔ کہتا ہے کہ میرے معشوق نے خدا اس کی عمر اتنی ہی لمبی کرے کہ جتنا میری مصیبتوں کا سلسلہ ہے آج پھر از سر نو مجھ پر مہربانی کرنی شروع کی ہے۔ اور وہ مہربانی یہ ہے کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے دیکھا اور چلا گیا گویا بالکل ایسا ہی کہ جیسے وہ مثل ہے کہ "نیکی کر اور دریا میں ڈال"۔ عاشق کی آنکھ چونکہ ہمیشہ پُرنم اور آنسوؤں سے بھری رہتی ہے اس لئے اسے دریا فرض کر لیا اور معشوق کا عاشق کی طرف دیکھنا ایک کارِ خیر تھا جسے انجام دے کر گویا اُس نے دریا میں ڈال دیا۔

از عمر تو چونکہ می تراشد شب و روز
گلزار کہ بر تو خاک پاشد شب و روز (۲۹۷)
روز و شب خویش را بشادی گذران
اے بس کہ نباشی تو و باشد شب و روز

اس رباعی میں پھر وہی مرغوب اور دلپسند خیال موجود ہے جو خیام کے فلسفہ کی رُوح ہے یعنی رنج و غم نہ کرو اور زندگی کو خوشی و شادمانی میں گذارو۔ کہتا ہے کہ جبکہ یہ مشاہدہ ہے کہ ہر دن اور ہر رات تیری عمر میں سے ایک جزو برابر کاٹتی اور چھیلتی رہتی ہے تو تو بھی اسے اتنا موقع نہ دے کہ وہ تو اسی طرح کم کرتے کرتے ایک دن تیری عمر کا خاتمہ ہی کر کے تجھے خاک کے نیچے دبا دے اور تو اس حسرت ہی میں رہ جائے کہ ہائے اس زندگی سے کوئی لطف نہ اُٹھایا۔ تو بھی ایسا کر کہ اپنے دن اور رات کو خوشی اور خرمی میں گذار کیونکہ ہونا یہی ہے کہ ایک دن تو نہ ہوگا۔ اور شب و روز اسی طرح رہیں گے۔

با مردمِ پاک اصل و عاقل آمیز
وز نا اہلان ہزار فرسنگ گریز (۲۹۸)
گر زہر دہد ترا خردمند بنوش
ور نوش رسد ز دستِ نا اہل بریز

غم و اندوہ اور رنج و پریشانی میں زندگی گذارنے کے بعد جس چیز سے خیام کو سخت نفرت ہے وہ جہالت اور نادانی ہے۔ وہ ایک جاہل انسان کو انسان نہیں سمجھتا چنانچہ کہتا ہے کہ صرف پاک اصل اور عقلمند آدمیوں سے دوستی کے تعلقات پیدا کرو اور نالائقوں سے

ہزاروں کوس دور بھاگو۔ اگر عقلمند آدمی تمہیں زہر بھی دے تو اسے پی جاؤ کیونکہ اس میں بھی کچھ نہ کچھ حکمت پوشیدہ ہوگی لیکن کوئی جاہل اور بے عقل شخص اگر شہد کا بھرا پیالہ بھی پیش کرے تو اسے پھینکدو۔

یارب تو جمالِ آں مہ مہر انگیز
آراستۂ بہ سنبل عنبر بیز
(۲۹۹) پس حکم ہمی کنی کہ در وے منگر
ایں حکم چناں بود کہ کج دار و مریز

گناہ کی لذت اور ممنوعات کی دلکشی پر شعراء نے بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے اور غالباً جب تک انسان کی مجبوریاں اور معذوریاں باقی ہیں اسی طرح یہ مسئلہ معرض بحث میں آتا رہے گا۔ خیام نے بھی اس مسئلہ کے متعلق بہت ہی نہایت دلچسپ اور پُر لطف رباعیاں کہی ہیں۔ اس رباعی میں بھی وہ کہتا ہے کہ یا اللہ یہ عجیب تماشا ہے کہ تو نے اس پری جمال کو تو اس قدر دلآویز حسن اور اس کے ساتھ ایسے مشکبو گیسو دیدیئے ہیں کہ جو دیکھتا ہے وہی لوٹ جاتا ہے اور ایسا کرنے کے بعد ہمیں تو یہ حکم دیتا ہے کہ اس کی طرف دیکھو بھی نہیں اب تو ہی انصاف کر کہ یہ کیسے ممکن ہے یہ تو بالکل ایسا ہی حکم ہے کہ کسی کو بھرا ہوا پیالہ یا بوتل دیدیجائے اور اس سے یہ کہا جائے کہ دیکھو اسے ٹیڑھا کر کے رکھو مگر کوئی قطرہ گرنے نہ پائے مطلب یہ ہے کہ حسن کی طرف اگر ہمارے دل کو رغبت ہے یا دنیا کی کسی اور لذت کی طرف ہماری طبیعت کا میلان ہے تو اس میں ہمارا قصور کیا ہے۔ تو ہی نے ہمیں ایسی طبیعت دی ہے جو حسن کا اثر قبول کرتی ہے اور تو نے ہی حسن و جمال کو اس درجہ دلکش بنایا ہے۔ پھر ہم سے یہ توقع کہنی فضول ہے کہ ہم مقتضائے بشریت سے بالاتر ثابت ہوں گے۔

اے واقفِ اسرارِ ضمیرِ ہمہ کس
(۳۰۰) در حالتِ عجز دستگیرِ ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
اے توبہ دہِ عذر پذیرِ ہمہ کس

کبھی کبھی خیام ایک سیدھے سچے مسلمان کی طرح بھی درگاہ باری تعالیٰ میں عرض نیاز گذارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس رباعی میں وہ بڑے خلوص دل سے دعا کرتے

ہاتھ اٹھاتا ہے، اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتا ہے کہ اے سب کے دلوں کے بھید جاننے والے، اور اے عجز اور بے کسی کی حالت میں ہر شخص کی دست گیری کرنے والے خدا! میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں تو میری توبہ قبول کر اور میرے عذر کو پذیرائی کا شرف بخش تو ہی سب کا عذر سننے والا اور سب کی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

آغازِ دوانِ گشتنِ ایں زریں طاس
وانجامِ خرابیِ چنیں نیک اساس (۳۰۱)
دانستہ نمی شود بہ معیارِ عقول
سنجیدہ نمی شود بہ مقیاسِ قیاس

اس دنیا کے آغاز اور اس کے انجام پر مدتوں غور و فکر کر کے پریشان اور عاجز ہو جانے کے بعد خیام کہتا ہے کہ آسمان پر جو یہ سنہری طباق دوڑتا پھرتا ہے اس کی ابتدا کی حقیقت اور اس نیک بنیاد کی بربادی و خرابی کے انجام کی ماہیت عقل کے معیار سے معلوم نہیں کی جا سکتی اور قیاس کی ترازو اسے تولنے سے عاجز ہے۔

از حادثۂ زمانِ آیندہ مپرس
وز ہر چہ رسد چو نیست پایندہ مپرس (۳۰۲)
ایں یک دم نقد را غنیمت می داں
از رفتہ میندیش وز آیندہ مپرس

خیام کہتا ہے کہ آیندہ زمانے کے حادثات کے متعلق کسی سے کچھ مت پوچھ اور اس بات کی مطلق فکر نہ کر کہ کل کیا ہو گا، اور اسی طرح جو کچھ اس زمانے میں تجھ پر گذر رہا ہے وہ چونکہ عارضی اور ناپائدار چیز ہے اس لئے اس کے متعلق بھی تشویش کی ضرورت نہیں۔ اگر ایک کامیاب زندگی کی خواہش ہے تو اسی ایک لمحہ کو غنیمت سمجھ کہ جو تجھے اس وقت حاصل ہے اور اسے خوشی و شادمانی میں گذار، نہ گذرے ہوئے سے کچھ مطلب رکھ کہ کیا کچھ گذر چکا اور نہ آیندہ کے متعلق یہ سوال دل میں پیدا ہونے دے کہ کل کیا ہو گا۔

اے چرخ خسیس دخس و دوں پرور خس
ہرگز نروی تو بر مرادِ دلِ کس
چرخا فلکا! ترا ہمیں عادت بس

ناکس تو کسے کنی و کس را ناکس

دوسرے شعرا کی طرح آسمان کی شکایت خیام کی زبان سے بھی کبھی کبھی نکل جاتی ہے۔ کہتا ہے کہ اے کمینے اور کمینوں اور نااہلوں کو پرورش کرنے والے آسمان تجھ سے کبھی یہ نہ ہو گا کہ تو کسی کے دل کی مراد پوری کر دے۔ اے چرخ اور اے فلک بس تیری تو یہی عادت ہے کہ تو نالائقوں کو تو نواز کر صاحب عزو شان بنا دیتا ہے اور جو لائق ہیں اور درحقیقت ہر عزت کے مستحق ہیں انہیں دبا دبا کر اور ان پر جور و ظلم کر کے نااہل اور ذلیل بنا دیتا ہے۔

مرغے دیدم نشستہ بر بارۂ طوس
در پیش نہادہ کلۂ کیکاؤس (۳۰۴)
باکلہ ہمی گفت کہ افسوس افسوس
کو بانگ جرسہا و کجا نالۂ کوس

اس دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کا بھی خیام کے دل پر بہت ہی گہرا اثر ہے اس کے متعلق اس نے طرح طرح سے بہت سی رباعیوں میں اظہار خیال کیا ہے۔ اس رباعی میں بھی یہی ذکر ہے۔ کہتا ہے کہ شہر طوس کے قلعہ پر میں نے ایک پرند کو بیٹھا ہوا دیکھا جس کے سامنے ایران کے مشہور اور جلیل القدر بادشاہ کیکاؤس کے جبڑے کی ہڈی رکھی تھی۔ وہ جانور اس کلے سے کہہ رہا تھا کہ جہاں پناہ افسوس! صد افسوس!! وہ حضور کے نوبت اور نقارے کیا ہوئے جو اس قلعہ پر بجا کرتے تھے! اور اب حضور کے اس ڈھول کی آواز کیوں نہیں آتی؟

تا چند کنم عرصۂ نادانی خویش
بگرفت دل من از پریشانی خویش (۳۰۵)
زنار مغاں کہ بر میان خواہم بست
دانی زچہ؟ از ننگ مسلمانی خویش

خیام نے یہ رباعی آج سے سیکڑوں برس پہلے لکھی تھی اور حیرت ہوتی ہے کہ اسے اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کی غیر مسلمانہ روش کے متعلق اس قدر شکایت ہے۔ آج اگر کسی طرح خیام چند روز کے لئے پھر اس دنیا میں آ سکے اور ہماری تباہ حالت اور ہمارے

پست اور ذلیل اخلاق کا مشاہدہ کر سکے تو شاید سچ مچ ہی اسلام سے توبہ کر کے کفر اختیار کرے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنی نادانیوں کے تذکرے کب تک کیے جاؤں اور کب تک یہ رونا روئے جاؤں کہ ہم ایسے گمراہ ہیں، ایسے ذلیل ہیں، اور ایسے ذلیل ہیں، اور ایسے پست اخلاق ہیں؟ میری پریشانی نے میرے دل کو غم سے بھر دیا ہے۔ اور میں ہر وقت قوم کی تباہی اور اس کے شیرازہ کے انتشار پر آنسو بہایا کرتا ہوں۔ میں جو ارادہ کر رہا ہوں کہ آتش پرستوں کی طرح گلے میں جنیو ڈال لوں، اگر میں ایسا کر گذروں تو تمہیں معلوم ہے کہ کیوں ایسا کروں گا۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مجھے خود کو مسلمان کہتے شرم آتی ہے اسلام نے جن اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی تھی اور ہمیں انسانیت کے جس عروج پر پہونچا دیا تھا وہاں سے گر کر اور ان تمام خوبیوں کو چھوڑ کر اب میں کس منہ سے کہوں کہ میں مسلماں ہوں۔

از نامدہا زرد مکن چہرۂ خویش
وز آمدہا آب مکن زہرۂ خویش (۳۰۶)
بردار ز دنیائے دنی بہرۂ خویش
زاں پیش کہ دہر می کشد دہرۂ خویش

غم فردا اور فکر ماضی خیام کے فلسفہ میں بے معنی اور لغو چیزیں ہیں نہ وہ اسے گوارا کرتا ہے کہ گذشتہ کے لیے سر پکڑے بیٹھا رہے اور نہ اسے یہ پسند ہے کہ آیندہ کی فکر میں اسے دل تنگ اور پریشان رکھیں وہ کہتا ہے کہ جو کچھ ابھی تک عالم وجود میں نہیں آیا ہے اس کے اندیشے سے اپنا چہرہ زرد نہ کر، اور جو کچھ آچکا اس کے خوف سے اپنا پتا پانی نہ کر۔ اس ذلیل اور کمینی دنیا سے جو کچھ حصہ تجھے ملے وہ لے لے اس سے قبل کہ زمانے کا سنگدل ہاتھ اپنا چھرا سنبھال لے اور تیرا کام تمام کر دے۔

ایامِ شباب رفت و خیل و حشمش
تلخ است مرا عیش و لے می چشمش (۳۰۷)
ایں قامت ہمچو تیر من گشتہ کماں
زہ کردہ ام از عصا و خوش می کشمش

کہتا ہے کہ میری جوانی اور اس کے ساتھ اس کا خیل و حشم سب گذر گیا اب بڑھاپے نے میرا عیش تلخ کر رکھا ہے لیکن اس تلخی کے باوجود میں اسے چھوڑتا نہیں بلکہ چکھے ہی لیتا ہوں

میرا تیر سا قد جھک کر کمان بن گیا ہے مگر مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے، میں نے ایک عصا کے ذریعہ سے اس کمان پر چلّہ چڑھا لیا ہے اور اسے برابر کھینچتا رہتا ہوں۔

اے چرخ مرا مکش بہ بدمستی خویش
بشناس بلندی من و پستی خویش (۳۰۸)
من خود ز غم عشق و تہیدستی خویش
پیوستہ ملول باشم از ہستی خویش

آسمان کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے آسمان اپنی بدمستی میں مجھے ہلاک نہ کر ذرا اپنی پستی پر اور میرے بلند مرتبہ پر نگاہ ڈال کہ تو کیا چیز ہے اور میں کون ہوں، میں وہی تو ہوں کہ جسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، اور جسے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا تو مجھ سے کیوں الجھتا ہے میں تو خود ہی عشق اور مفلسی کے غموں میں گرفتار ہوں اور ہمیشہ غمگین اور اپنی زندگی سے تنگ رہتا ہوں۔

غم چند خوری بکارِ نا آمدہ پیش
رنج است نصیب مردمِ دور اندیش (۳۰۹)
خوش باش و جہاں تنگ مکن بر دلِ خویش
کز خوردن غم قضا نہ گردد کم و بیش

کہتا ہے کہ جو مصیبتیں ابھی تک آئی ہی نہیں ہیں ان کا غم کب تک کھایا کرے گا اور کل کی فکر سے آج ہی تیرے دل پر ہول سوار رہے گا خوب سمجھ لے کہ جو لوگ دور اندیش ہیں اور پہلے سے آیندہ کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے ہیں ان کے نصیب میں غم اور پریشانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تجھے چاہئے کہ تو ہر وقت خوش و خرم رہے اور اپنے دل کے لئے اس دنیا کو ایک بوجھ اور ایک مصیبت نہ بنا لے کیونکہ قضا و قدر کا حکم تیرے غم کھانے اور آنسو بہانے سے بدل نہیں سکتا اور جو مصیبتیں پیش آئی ہیں ان میں کسی قسم کی کمی نہ آجائے گی۔

پندے دہمت اگر بمن داری گوش
از بہر خدا جامۂ تزویر مپوش (۳۱۰)
عقبےٰ ہمہ روزہ است و دنیا یکدم
از بہر دمے ملک ابد را مفروش

کہتا ہے کہ اگر تو نے تو میں تجھے ایک نصیحت کروں اور وہ یہ ہے کہ خدا کے لئے تو مکر و ریا کا جامہ نہ پہن اور اپنا تقدس اور اپنی پارسائی جتا جتا کر لوگوں کو دھوکا نہ دے کیونکہ یہ دنیا جس کے حاصل کرنے کے لئے تو مکر و فریب کا جال پھیلانا چاہتا ہے صرف چند روزہ بلکہ شاید دم بھر کے لئے ہے اور وہ عقبیٰ کہ جسے تو اس دنیا کے لئے قربان کرنا چاہتا ہے ہمیشہ رہنے والی چیز ہے ایسی صورت میں یہ مناسب نہیں ہے کہ تو لحظہ بھر کی دنیا کے بدلے میں عقبیٰ کی دائمی اور ابدی زندگی کو بیچ ڈالے۔

(۳۱۱)

در کارگہ کوزہ گرے بودم دوش
دیدم دو ہزار کوزہ گویا و خموش
ہر یک بزبانِ حال با من گفتند
کو کوزہ گر و کوزہ خر و کوزہ فروش

اس دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہر وقت خیام کے پیش نظر رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی رباعیوں میں اکثر یہ مضمون پایا جاتا ہے کہتا ہے کہ کل میں ایک کمہار کے کارخانے میں گیا تھا وہاں ہزار ہا کوزے نظر پڑے کہ جو بظاہر تو بے جان اور خاموش تھے لیکن بباطن ہر صاحب فکر کو ایک پیغام دے رہے تھے۔ زبانِ حال سے اُن کوزوں نے مجھ سے کہا کہ جناب اب وہ کوزے بنانے والے، اور کوزے خریدنے والے، اور کوزے بیچنے والے سب کہاں ہیں۔

(۳۱۲)

بس پیرہن عمر کہ ہر شب افلاک
بر دوختہ و کرد گریبانش چاک
ہر روز بسے زمانہ شاد و غمناک
از آب بر آورد و فرو برد بخاک

کہتا ہے کہ ہر رات کو یہ آسمان بہت سے لوگوں کی عمروں کے لباس سیتے اور پھر انہیں پھاڑ ڈالتے ہیں، اور ہر روز یہ زمانہ بہت سے خوش اور رنجیدہ آدمیوں کو پانی سے نکالتا ہے اور خاک میں دفن کر دیا کرتا ہے۔ گویا یہ دنیا ایک تماشا گاہ ہے جہاں رات دن یہی ہوا کرتا ہے کہ انسانی کٹھ پتلیاں کسی نچانے والے کی انگلیوں کے اشارے پر آتی ہیں اور تھوڑی دیر ناچ کر واپس چلی جاتی ہیں۔

اے چرخ فلک نہ نان شناسی نہ نمک
پیوستہ مرا برہنہ سازی چو سمک
(۳۱۳) از چرخ زنے دو شخص پوشیدہ شوند
پس چرخ زنے بہ از تو اے چرخ فلک

آسمان کو چرخ سے تشبیہ دے کر خیام کہتا ہے کہ اے آسمان کے چرخ تو اس قدر بے تمیز اور ناقدر شناس ہے کہ نہ تو روٹی کو پہچانے اور نہ نمک کو۔ تو ہمیشہ مجھے مچھلی کی طرح ننگا رکھتا ہے اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا تک نہیں دیتا۔ عورتوں کے چرخے سے اتنا تو فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے دو چار آدمیوں کے بدن تو ڈھک جاتے ہیں، پس تجھ سے تو عورتوں کا چرخہ ہی بہتر ہے۔

از آتش آخرت نہ می داری باک
(۳۱۴) در آب ندامت نشدی ہرگز پاک
چوں بادِ اجل چراغ عمرت بکشد
ترسم کہ ترا زننگ نپذیرد خاک

خیام کہتا ہے کہ تو ایسا گناہ گار ہے کہ تجھے آخرت کی آگ یعنی دوزخ کا خوف بھی گناہوں سے باز نہیں رکھتا۔ تجھے اپنے مذموم اور خراب افعال پر کبھی شرم بھی نہیں آتی کہ ندامت اور شرم کے پانی ہی سے تیرے گناہ دھل جاتے۔ جب وہ وقت آئے گا کہ موت کی آندھی تیری عمر کے چراغ کو گل کرے گی تو اس وقت مجھے اندیشہ ہے کہ شاید تجھ جیسے گناہگار کو خاک بھی قبول نہ کرے گی۔

گر گل نبود نصیب ما خارا ینک
(۳۱۵) ور نور نہ می رسد بہ ما نار اینک
ور خرقہ و خانقاہ و شیخی نبود
ناقوس و کلیسیا و زنار اینک

کہتا ہے کہ بلا سے اگر ہمارے نصیب میں پھول نہیں ہیں تو کانٹے ہی کیا برے ہیں، کانٹے تو ہیں۔ اگر نور تک ہماری رسائی نہیں ہے اور اس سے مستفید ہونے کا ہمارے لئے موقع نہیں ہے تو غم کس بات کا، آگ تک تو ہماری رسائی ہے۔ اسی طرح اگر جبہ و قبا

اور خانقاہ اور شیخوخیت کا مرتبہ ہمیں حاصل نہیں ہے تو نہ ہو، پروا کس بات کی؟ ناقوس اور گرجا اور جنیو تو موجود ہیں انہی سے کام چلا لیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہمیں دنیا کا عیش و آرام یا مذہب اسلام کا نمائشی سامان میسر نہیں ہے تو اس سے ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس دنیا کے چند روزہ قیام کو ہم تکلیف ہی میں بسر کر لیں گے اور تسبیح کا کام زنار سے لے لیں گے۔ خدا تو ہمارے دلوں کو اور ہماری نیتوں کو دیکھتا ہے، تسبیح کے دانوں یا جنیو کے تاگوں کو تھوڑا ہی دیکھتا ہے۔

(۳۱۶)
چوں باد بہ زلف او رسیدن مشکل
وز اسپ غمش عناں کشیدن مشکل
گفتند بدیدہ روئے او نتواں دید
گر دیدۂ ماست دیدہ دیدن مشکل

کہتا ہے کہ ہوا کی طرح معشوقوں کی زلف تک پہونچنا سخت دشوار ہے اور اس کے غم کے گھوڑے سے باگ کھینچ لینا بہت مشکل ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس محبوب مطلوب کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے سچ ہے اگر دیکھنے والی آنکھ ہماری آنکھ ہے تو واقعی اسے دیکھنا بہت مشکل ہے۔

(۳۱۷)
از جرم حضیض خاک تا اوج زحل
کردم ہمہ مشکلات گردوں را حل
بیروں جستم ز بند ہر مکر و حیل
ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

خیام کہتا ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک اس آسمان کی پیدا کی ہوئی جتنی بھی دشواریاں اور مشکلیں تھیں میں نے ان سب کا حل تلاش کر لیا اور ان سب کو آسان بنا دیا، اور ہر مکر اور ہر حیلے کی قید سے کود کود کر باہر نکل آیا لیکن ایک قید ایسی بھی ہے کہ جو کسی طرح نہ ٹوٹ سکی اور وہ اجل کی قید تھی۔

(۳۱۸)
اسرار حقیقت نشود حل بہ سوال
نہ نیز بہ در باختن نعمت و مال
تا جاں نہ کنی خون نخوری پنجہ سال
از قال ترا رہ نہ نمایند بہ حال

کہتا ہے کہ حقیقت کے بھید بحث و تمحیص کے ذریعہ سے حل نہیں ہوا کرتے، اور نہ مال و زر لٹا کے فقیر بن جانے سے یہ مقصد حاصل ہوا کرتا ہے۔ گویا معرفت الٰہی نہ تو علمی مباحث کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ دنیا کا عیش و آرام چھوڑ کر راہب بنجانا ہی اس کام کے لئے کچھ مفید ہوا کرتا ہے۔ جب تک آدمی برابر پچاس برس تک اپنی جان اپنے مقصد کے لئے قربان نہ کرے اور اپنا خون دل نہ کھائے اس وقت تک قال سے حال کی طرف رہنمائی نہیں کی جاتی اور ظاہر سے باطن کی طرف جانے کا رستہ نہیں ملتا۔

کس خلد و جحیم را ندید است ایدل
(۳۱۹) گو کس کہ از آن جہاں رسید ست ایدل
امید و ہراس ما بچیزیست کز ان
جز نام نشانے نہ پدید است ایدل

جنت و دوزخ کے افسانے سُن کر خیام کہتا ہے کہ اے دل آجتک نہ کسی نے جنت کو دیکھا ہے اور نہ دوزخ کو۔ دنیا میں ایسا شخص کونسا ہے جو اس جہاں سے آیا ہو اور اپنی آنکھوں دیکھے حالات سے ہمیں خبردار کرے۔ ہمارے دل میں بہشت کی امید اور دوزخ کا خوف صرف اسی لئے موجود ہے کہ ہم اصلیت سے تو آگاہ نہیں ہے اور ان چیزوں کے نام کے سوا کہیں ان کا نشان اور پتہ موجود نہیں ہے گویا امید ہو یا خوف سب فرضی اور خیالی چیزیں ہیں۔

ایزد چو نخواست انچہ من خواستہ ام
کے گردد راست انچہ من خواستہ ام
(۳۲۰) گر جملہ صوابست کہ او خواستہ است
پس جملہ خطاست انچہ من خواستہ ام

خیام کہتا ہے کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ کبھی خدا کو منظور نہ ہوا اور اس دنیا میں مجھے ہمیشہ ان ہی باتوں سے واسطہ پڑتا رہا کہ جو میری مرضی کے خلاف تھیں تو پھر بھلا میرا چاہا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ جو کچھ خدا نے چاہا وہ سب بھلائی اور صواب تھا تو ظاہر ہے کہ میں نے جو کچھ چاہا وہ سب غلط اور مبنی بر خطا تھا

(۳۲۱) از خالق کردگار و از رب رحیم

نومید مشو بہ جرم و عصیان عظیم
گر مست و خراب بودہ باشی امروز
فردا بخشد بر استخوا نہائے رحیم

خیام کا دل اُمیدوں سے لبریز ہے، وہ کبھی کسی حالت میں بھی مایوس ہونا پسند نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ اُس خالق کارساز اور اُس رحم و کرم والے خدا سے کبھی ناامید نہ ہو خواہ تیرے جرم و گناہ کی فہرست کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آج اگر تو شراب پی کر مست پڑا رہے گا۔ اور تجھے کسی بات کا ہوش نہ ہوگا تو یقین رکھ کہ کل یہی گناہ تیری بخشش کا باعث بنیں گے اور وہ کریم و رحیم تیری گلی اور سڑی ہوئی ہڈیوں کو بخشے گا کیونکہ اگر گناہ نہ ہو تو پھر بخشش کیسی

گر من گنہ روئے زمیں کردستم
(۳۲۲) عفو تو امید است کہ گیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم
عاجز تر ازیں مخواہ کہ اکنوں ہستم

کہتا ہے کہ اگر میں نے دنیا بھر کے گناہ بھی کئے ہوں اور ساری عمر رندی اور شراب خواری میں گنوائی ہو پھر بھی مجھے امید ہے کہ تیرا عفو و کرم میری دستگیری کرے گا اور میں معاف کر دیا جاؤں گا۔ تو نے کہا ہے کہ جب میں عاجز و ناچار ہونگا تو اس وقت تو میرا ہاتھ پکڑے گا اور میری مدد کرے گا تو اے میرے خدا اب اس سے زیادہ عاجز میں اور کیا ہونگا جتنا کہ اب ہوں، وقت آگیا ہے کہ تو میری مدد کرے اور مجھے اس سے زیادہ عاجز نہ ہونے دے۔

یارب تو گلم سرشتۂ من چہ کنم
(۳۲۳) پشمیم و قصبم تو رشتۂ من چہ کنم
ہر نیک و بدے کہ از من آمد بوجود
تو بر سر من نوشتۂ من چہ کنم

اپنی مجبوری اور بے اختیاری پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد خیام یہ دیکھتا ہے کہ انسان کو قضا و قدر کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنا پڑتا ہے اور اس کی اپنی زندگی کے افعال میں بھی اسے کوئی دخل نہیں ہے تو وہ اپنے پیدا کرنے والے کو مخاطب کرکے کہتا ہے

کہ یا اللہ میں کیا کروں میرے خمیر کی مٹی تو نے اپنی مرضی سے جیسی چاہی ویسی گوندھ دی اور میرے جامۂ تن کا تانا بانا اُون یا ریشم سے جیسا تو نے چاہا بُن دیا اب اچھا یا بُرا جو کچھ بھی میں کرتا ہوں اور جو افعال بھی مجھ سے ظہور میں آتے ہیں وہ تو ہی نے تو میری تقدیر میں لکھدیئے ہیں پھر میں کیا کر سکتا ہوں اور گناہ و خطا سے کس طرح باز رہ سکتا ہوں۔

با نفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم
وز کردۂ خویشتن بدردم چہ کنم (۳۴۴)
گیرم کہ ز من درگذرانی بہ کرم
آں شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

ہم سے جب کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے اور کسی کی سعی و سفارش سے یا خود اپنے رحم و کرم کے جذبے سے مجبور ہو کر اگر حاکم وقت اسے معاف کر دیتا ہے تو ہم اسے اپنی انتہائی خوش قسمتی خیال کرتے ہیں اور اس طرح سزا سے بچ جانے پر ہمیں دلی مسرت ہوتی ہے، لیکن خیام کی طبیعت اس سے بہت زیادہ غیرتمند اور اس کے جذبات و خیالات اس سے بہت زیادہ بلند ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بار الٰہا میں رات دن اپنے نفس سے لڑتا رہتا ہوں اور تا حد امکان اس کی خواہشوں کے خلاف کام کرتا ہوں لیکن اگر پھر بھی مجھ سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اپنے اس فعل سے مجھے سخت رنج پہنچتا ہے۔ اب اگر میں یہ بھی فرض کر لوں کہ تو اپنے رحم و کرم سے کام لے کر میری خطائیں بخشدے اور مجھ سے کچھ بازپرس نہ کرے تب بھی میں تو اس غیرت کے مارے مرا جاتا ہوں کہ تو نے مجھے گناہ کرتے دیکھ لیا۔ اس شرم کو میں کیا کروں۔ اس بخشش سے تو وہی بہتر تھا کہ مجھے میرے قصوروں کی سزا مل جاتی۔

شد دعوی دوستی دریں دیر حرام
الفت ز کہ؟ مردمے کجا؟ دوست کدام
دامن ز ہمہ کشیدن اولے باشد
از دور بہر یکے سلام است و کلام

احباب زمانہ کی سرد مہری اور بیوفائی سے تنگ آکر خیام کہتا ہے کہ اس دنیا میں دوستی کا دعویٰ کرنا تو حرام ہو گیا ہے، بھلا محبت کس سے کرے، محبت کے قابل انسان ہیں کہاں اور دوست کا وجود ہے کس جگہ؟ یہاں تو یہی مناسب ہے کہ سب سے اپنا دامن بچائے

ہوئے چلا جا اور دور ہی سے سب کو سلام کر لیا جائے۔

(۳۲۶)

تا ظن نہ بری کہ من بخود موجودم
یا این رہ خونخوار بخود پیمودم
چوں بود حقیقت مرا از دے بود
من خود کہ بدم، کجا بدم، کے بودم

خیام کہتا ہے کہ کبھی بھول کر بھی یہ گمان نہ کرنا کہ میرا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور میں اس دنیا میں از خود موجود ہو گیا ہوں، یا یہ کہ یہ دشوار گزار منزل میں نے از خود طے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میری جو کچھ بھی اصلیت ہے وہ اسی ذات باری کی طرف سے ہے، میں بیچارہ آخر کون تھا، کہاں تھا، اور کب تھا؟

(۳۲۷)

مقصود ز جملہ آفرینش مائیم
در جسم خرد جوہر بینش مائیم
ایں دائرۂ جہاں چو انگشتری است
بے ہیچ شکے نقش و نگینش مائیم

خیام کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے پر فخر ہے، کہتا ہے کہ دنیا میں خدا نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس تمام آفرینش کا مقصود ہم ہیں۔ اور عقل کے جسم میں بصارت ہم ہی ہیں۔ اس دنیا کے دائرہ کو ایک انگوٹھی سمجھنا چاہیے اور اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ اگر کوئی ہے تو وہ ہم ہیں۔

(۳۲۸)

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم
آزادم کن کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است
من نیز چناں اہل و خردمند نیم

زمانہ کے جور و ستم سے تنگ آ کر اور آسمان کی سفلہ پروری کی تاب نہ لا کر خیام چیخ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اے آسمان میں تیری گردش سے خوش نہیں ہوں تو از برائے خدا مجھے آزاد کر دے کیونکہ میں اس دنیا کے علائق میں قید رہنے کے لائق نہیں ہوں۔ تو بیوقوفوں اور نالائقوں کو پسند کرتا ہے اور انہیں نوازتا ہے تو میں بھی قابلیت کے

دعوے سے درگذرا، میں ہی ایسا کہاں کا لائق ہوں اور عقلمند ہوں تو مجھے بھی نالایق تصور کر کے مجھے آزاد کر دے۔

(۳۲۹)
من ظاہر نیستی و ہستی دانم
من باطن ہر فراز و پستی دانم
با ایں ہمہ از دانش خود بیزارم
گر مرتبۂ ورائے مستی دانم

خیام کہتا ہے کہ ہستی اور نیستی کا جو یہ سلسلہ اس دنیا میں لگا ہوا ہے اس کے ظاہر سے میں خوب واقف ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ضرور ہے اس کے علاوہ دنیا کے اور جتنے نشیب و فراز ہیں ان کی اصلیت سے بھی مجھے آگاہی ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہاں کن لوگوں کو عروج حاصل ہوتا ہے اور کون لوگ زوال میں پڑے رہتے ہیں۔ لیکن اس تمام علم و وقوف کے باوجود میری یہ حالت ہے کہ میں اپنی اس آگاہی و دانش سے سخت بیزار ہوں گا اگر وہ مجھے یہ بتائے کہ دنیا میں بے خودی اور مستی سے کوئی اور بڑا مرتبہ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے اس سے بہتر حالت اور کوئی نہیں ہے کہ وہ اپنا تمام وقت مستی اور بیخودی میں گذارے کیونکہ جتنا وقوف زیادہ ہو اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھتی ہیں۔

(۳۳۰)
افسوس کہ بے فائدہ فرسودہ شدیم
وز داس سپہر سرنگوں سودہ شدیم
دردا و ندامتا کہ چوں چشم زدیم
نابودہ بکام خویش نابودہ شدیم

عمر کی بے ثباتی اور دنیا کی زندگی کی بے حاصلی کا خیام کے دل پر خاص اثر ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ سخت افسوس ہے کہ ہم بالکل بے فائدہ خراب و خستہ ہوئے اور الٹے آسمان کے غم دار ہنسیا سے اپنا گلا کٹوایا۔ واحسرتا اور وا دریغا کہ ایک پلک جھپکانے میں ہم ناشاد و نامراد اس دنیا سے ناپید ہو گئے۔

(۳۳۱)
در مسجد اگر چہ با نیاز آمدہ ایم
حقا کہ نہ از بہر نماز آمدہ ایم

زنجار روزے سجادہ دزدیدیم
آں کہنہ شدہ است بازہ باز آمدایم

کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ میں سرنیاز لے کر مسجد میں داخل ہوا ہوں، لیکن خداگواہ ہے کہ نماز پڑھنے کی نیت سے نہیں آیا ہوں بلکہ پہلے ایک دن یہاں سے میں نے ایک جانماز چرائی تھی وہ اب پرانی ہوگئی اور پھٹ چلی اس لئے اب پھر آیا ہوں کہ ہو سکے تو کوئی نیا مصلےٰ پھر چرالے جاؤں۔ مقصد یہ ہے کہ آج جن نمازیوں سے تم مسجدیں بھری ہوئی دیکھتے ہو یہ سب کے سب فریب کار اور دغاباز ہیں، ان میں سے کوئی بھی نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد میں نہیں آتا بلکہ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ دنیادی غرض ہوتی ہے، کوئی پارسائی دکھاکر دوسروں کی نگاہوں میں عزت حاصل کرنا چاہتا ہے، کوئی اپنی نماز کو بھیک مانگنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اور کوئی اس کے وسیلہ سے لیڈری اور پیشوائی تلاش کیا کرتا ہے

(۳۳۲)
من در رمضاں روزہ اگر مے خوردم
تاظن نہ بری کہ بے خبر مے خوردم
از محنتِ روزِ من چوں شب بود
پنداشتہ بودم کہ سحر مے خوردم

کہتا ہے کہ اگر میں رمضان کے روزے کھا گیا اور پابند صوم نہیں ہوں تو تم یہ مت سمجھو کہ میں نے بھول کر یا بے خبری کے عالم میں ایسا کیا ہے روزہ کی تکلیف نے میرے دن کو رات بنا دیا تھا، اور اب جبکہ وہ رات تھی تو میں نے بلا تکلف سحری سمجھ کر کھانا کھایا ہے

(۳۳۳)
زیں گونہ کہ من کارِ جہاں می بینم
عالم ہمہ رائیگاں بر آں می بینم
سبحان اللہ بہر چہ در می نگرم
ناکامی خویشتن در آں می بینم

کہتا ہے کہ اس دنیا کے دھندے کو اس انداز پر چلتا ہوا جو میں دیکھتا ہوں تو یہی نظر آتا ہے کہ تمام دنیا تباہ و برباد ہو رہی ہے اور ہر چیز فنا کے راستہ پر گامزن ہے۔ کیا خدا کی شان ہے کہ جس چیز پر بھی میں نظر ڈالتا ہوں اسی میں مجھے اپنی ناکامی اور نامرادی دکھائی دیتی ہے اور کہیں کسی طرف امید کی جھلک نظر نہیں آتی۔

(۳۳۴)

در دائرہ وجود دیر آمدہ ایم
وز پایۂ مردمی بزیر آمدہ ایم
چوں عمر نہ بر مراد ما می گذرد
اے کاش ہمرآمدے کہ سیر آمدہ ایم

کہتا ہے کہ وجود کے اس دائرے یعنی دنیا میں ہم دیر سے آئے ہیں اور ناموافق حالات یا ہمت کی کمی نے ہمیں مردمی کے مرتبہ سے نیچے گرادیا ہے۔ ہماری یہ عمر جبکہ ہماری خواہش اور آرزو کے مطابق نہیں گزرتی تو پھر کاش ایسا ہوتا کہ وہ ختم ہی ہو جاتی کیونکہ اس ناخوشگوار زندگی سے تو ہم تنگ آگئے ہیں اور ہم نے بھر پایا۔

(۳۳۵)

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم
آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم ز آب دیدہ در آتش دل
دادیم بباد عمر و در خاک شدیم

کہتا ہے کہ عدم سے جب ہم آئے تھے تو بالکل پاک صاف اور معصوم آئے تھے۔ یہاں دنیاوی آلائشوں میں پھنسکر ہم نے اپنے آپ کو خراب کرلیا۔ اور جب گئے تو غلیظ اور ناپاک ہوکر گئے ہر وقت کی اشکباری اور آہ و زاری کی وجہ سے ہمارا دل ہمیشہ جلتا رہتا تھا یونہی ہم نے اپنی عمر برباد کی اور آخر کار خاک میں ملکر خاک ہو گئے۔

(۳۳۶)

چوں آتش اگر بہ آسماں برگذریم
وز آب رواں اگرچہ پاکیزہ تریم
در خاک شویم ازاں کہ خاکے بودیم
بادست جہاں بادہ بدہ تا نخوریم

کہتا ہے کہ اگر ہم آگ کی طرح سر بلند ہو کر آسمان پہ پہونچیں یا دریا کے بہتے ہوئے صاف و شفاف پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو جائیں پھر بھی ہمیں خاک ہی میں ملنا ہے کیونکہ ہماری پیدائش خاک سے ہے حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہوا کی طرح بے اصل و بے حقیقت ہے اس لئے اس میں دل لگانا یا اس کی فکروں میں اپنی جان گھلانا فضول ہے۔ بس یہی بہتر ہے کہ شراب پئیں اور دنیا و فیہا سے بے خبر ہو جائیں۔

یارب من اگر گناہ بے حد کردم
بر جان و جوانی و تن خود کردم
(۳۳۷) چوں بر کرمت وثوقِ کلی دارم
برگشتم و توبہ کردم و بد کردم

اپنے مالک حقیقی کے حضور میں حاضر ہو کر بندۂ گستاخ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ اگر میں نے بے حد و بے نہایت گناہ کیے ہیں تو تیرا کیا بگاڑا ہے اس سے جو کچھ نقصان پہونچا ہے وہ میری جان میری جوانی اور میرے جسم کو پہونچا ہے اور میں تو تیری بخشش پر کامل اعتماد رکھتا ہوں اسی لئے میں ایسا کرتا رہا ہوں کہ گناہ کیے توبہ کی، اور پھر ان ہی گناہوں میں منہمک ہو گیا۔

یک چند بہ کودکی بہ استاد شدیم
یک چند بہ استادی خود شاد شدیم
(۳۳۸) پایانِ سخن شنو کہ مارا چہ رسید
از خاک بر آمدیم و بر باد شدیم

زندگی کے عبرتناک انجام کو خیام اس طرح بیان کرتا ہے کہ بہت دنوں تک تو ہم استادوں کے سامنے جا جا کر زانوئے ادب تہ کرتے رہے پھر جب بہت دنوں تک اپنی استادی پر فخر و ناز رہا اور دوسرے ہم سے آ کر سیکھتے رہے۔ لیکن اس افسانے کا دردناک انجام بھی تو سن لو کہ کیا ہوا اور ہمارے ہاتھ کیا آیا۔ انجام یہ تھا کہ ہم خاک سے نکلے تھے اور خاک ہی میں مل کر برباد ہو گئے۔

شبہا گذرد کہ دیدہ برہم نزنیم
کیں صبح بسے دمید ما دم نزنیم
(۳۳۹) خیزیم و دمے زنیم پیش از دمِ صبح
تا پائے طلے نشاط بر سر غم نزنیم

کہتا ہے کہ راتوں پر راتیں ایسی گزر جاتی ہیں کہ ہماری پلک سے پلک نہیں لگتی، اور ایسی بہت سی صبحیں آ چکی ہیں کہ ہم خاموش پڑے رہے اور دم بھی نہ مار سکے ہمیں چاہیے کہ اب ہم اٹھیں اور صبح ہونے سے پہلے ہی شرابِ عیش کے جام چڑھانے شروع کر دیں اور

اس وقت تک برابر پیتے رہیں کہ جب تک خوشی اور مسرت کے پیروں سے غم والم کا سر نہ کچل جائے۔

یک جو غم ایام نداریم خوشیم
گر چاشت بود شام نداریم خوشیم
چون پختہ بما می رسد از مطبخ غیب
از کس طمع خام نداریم خوشیم

(۳۴۰)

کہتا ہے کہ اس دنیا کا ایک جو کے برابر بھی مجھے غم نہیں ہے اور میں خوش ہوں اگر ایک وقت مل گئی اور دوسرے وقت فاقہ گذرا تب بھی میں خوش ہوں۔ غیب کے باورچی خانے سے جبکہ پکا پکایا ہمیں ملتا رہتا ہے تو پھر ہم کسی اور سے کوئی بیہودہ لالچ نہیں رکھتے اور اسی میں خوش اور مطمئن ہیں۔

پیوستہ زگردش فلک غمگینم
با طبع خسیس خویشتن در کینم
علمے نہ کہ از سر جہاں بر خیزم
عقلے نہ کہ فارغ از جہاں بنشینم

(۳۴۱)

کہتا ہے کہ اس آسمان کی گردش سے میں رات دن رنجیدہ اور ملول رہا کرتا ہوں اور اپنی کمینی طبیعت سے کہ جس میں صدہا قسم کی خواہشات بھری ہوئی ہیں ہمیشہ میری لڑائی رہتی ہے نہ مجھے اتنا علم و فضل حاصل ہے کہ اس دنیا سے دست بردار ہو جاؤں اور نہ اتنی عقل کہ دنیا کو چھوڑ کر اور تارک لذات ہو کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کافی علم اور کافی عقل ہوتی تو میں یہ سمجھ سکتا کہ یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔

تا چند اسیر عقل ہر روزہ شویم
در دہر چہ صد سالہ چہ یک روزہ شویم
در دہ تو بکاسہ زاں پیش کہ ما
در کارگہ کوزہ گراں کوزہ شویم

(۳۴۲)

کہتا ہے کہ اس بے وقوف اور معمولی عقل کے ہم کب تک قیدی بنے رہیں۔ دنیا کی زندگی کا حاصل تو بہرصورت وہی ہے: خواہ ہم سو برس جئیں یا ایک دن۔ جبکہ یہ

حالت اور یہ صورت ہے تو پھر لا شراب سے پیالا بھر دے قبل اس کے کہ ہم خاک میں مل جائیں اور ہماری خاک پیالے اور صراحیاں بنانے کے لئے کمہار کے کارخانے میں پہونچ جائے۔

بر فرش خاک خفتگان مے بینم
(۳۴۳) در زیر زمیں نہفتگاں مے بینم
چندانکہ بہ صحرائے عدم مے نگرم
ناآمدگان و رفتگان مے بینم

خیام جب اس عالم فانی کے رسم و رواج اور اس دنیائے ناپائیدار کے نظام پر فلسفیانہ نظر ڈالتا ہے تو اس کی عقل حیران رہ جاتی ہے اور کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس آمد و شد کا مطلب کیا ہے اور کیوں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اس دنیا میں آتے ہیں چند روز قیام کرتے ہیں اور پھر ایک نامعلوم دنیا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اسی عالم تحیر سے بیدار ہو کر وہ کہتا ہے کہ میں جب فرش زمین پر نظر ڈالتا ہوں تو یہاں بھی سب سوئے ہوئے نظر آتے ہیں، اور زمین کے نیچے نگاہ کرتا ہوں تو وہاں بھی لوگ چھپے ہوئے اور مدفون دکھائی دیتے ہیں، اور پھر اپنے تصور کی آنکھ سے جتنی دور تک بھی عدم کے جنگل کی سیر کرتا ہوں تو وہاں بھی یہی نظر آتا ہے کہ یا تو نئی روحیں بکھری پڑی ہیں کہ جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئی ہیں، یا پھر ان روحوں سے جنگل پٹے پڑے ہیں کہ جو یہاں سے جا چکیں۔

با رحمت تو من از گنہ نندیشم
با توشۂ تو ز رنج رہ نندیشم
(۳۴۴) گر لطف توام سفید رو انگیزد
یک ذرہ ز نامۂ سیہ نندیشم

کہتا ہے کہ اے باری تعالیٰ جبکہ تیری رحمت میرے ساتھ ہے تو مجھے گناہوں کی کچھ پروا نہیں اور ان کا کچھ خوف نہیں ہے، اور تیرے لطف و کرم کا توشہ جب کہ میری کمر میں بندھا ہے تو مجھے راستہ کی تکالیف کا مطلقاً ڈر نہیں ہے۔ اگر تیری مہربانی اور تیرا کرم مجھے قیامت کے دن سفید رو بنا کر اور میرے چہرہ کو نورانی کر کے اٹھائے گا تو مجھے اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی کا کوئی خوف اور کوئی اندیشہ نہیں خواہ وہ کتنا ہی سیاہ کیوں نہ ہو۔

(۳۴۵)

اے دوست بیا تا غم فردا نخوریم
ویں یک دم نقد را غنیمت شمریم
بے حکمتش نیست ہر گناہے کہ مراست
پس ما غم آیندہ ز بہر چہ خوریم

خیام عیش امروزہ کا قائل ہے، اس کی نظر میں غم فرداتی کوئی حقیقت نہیں ہے کہتا ہے کہ دوستو آؤ کل کے غم میں کہ کل کیا ہوگا اپنی جان کیوں کھوئیں، یہ تھوڑی سی فرصت جو اس وقت حاصل ہے اسی کو غنیمت سمجھ کے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم اگر گناہ بھی کرتے ہیں تو خدا کے حکم سے کرتے ہیں اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے نہیں کرتے پھر خواہ مخواہ کے لئے آیندہ کے غم و فکر میں کیوں اپنی جان گھلائیں۔ جو کچھ ہم کر چکے وہ بھی اسی کے حکم سے کیا تھا اور آیندہ جو کچھ کریں گے وہ بھی اسی کے حکم سے اس لئے وہ جانے اور اسکا کام

(۳۴۶)

تا ظن نہ بری کہ از جہاں می ترسم
وز مردن و وز رفتن جاں می ترسم
مردن چہ حقیقت است زاں باکم نیست
چوں نیک نہ زیستم از آں می ترسم

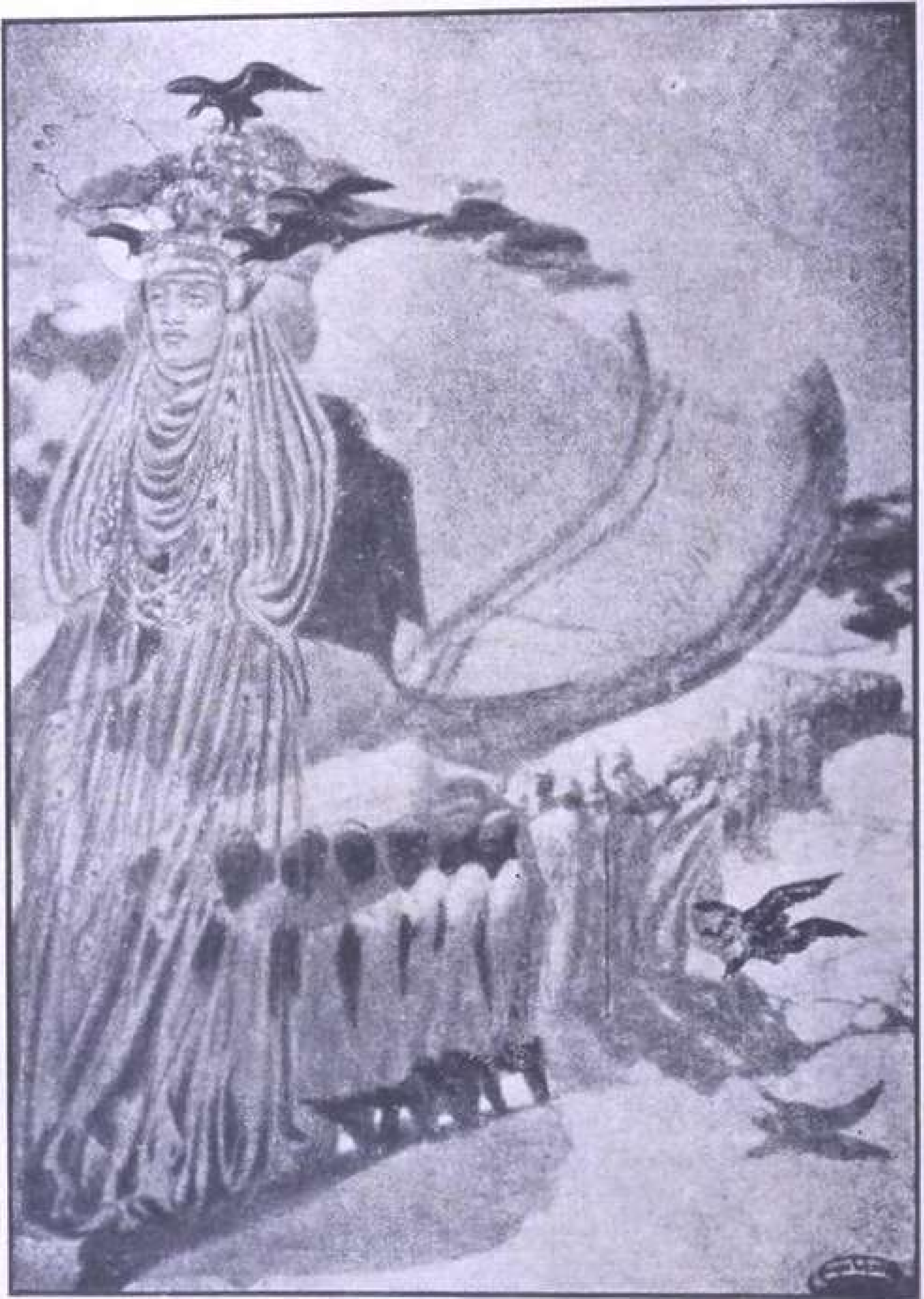
کہتا ہے کہ تم یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ میں اس دنیا سے ڈرتا ہوں یا مرنے سے اور جان دینے سے مجھے خوف آتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، مرنا چیز ہی کیا ہے جس سے کوئی ڈرے اس سے مجھے کیوں خوف آتا؟ میں تو صرف اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ اس دنیا میں کہ میں نے اچھی طرح اور نیک زندگی بسر نہیں کی اور اب اپنے خالق کے سامنے کیا منہ لے کے جاؤں۔

(۳۴۷)

گر من ز مے مغانہ مستم ہستم
گر کافر و گبر و بت پرستم ہستم
ہر طائفہ بر من گمانے وارند
من زان خودم چنانکہ ہستم ہستم

کہتا ہے کہ اگر میں نے شراب پی ہے اور شراب پی کر مست ولایعقل ہوگیا ہوں تو کسی کو کیا، اور اگر میں کافر اور گبر اور بت پرست ہوں، تو بس اپنے لئے ہوں کسی دوسرے کے

کتاب پیام خیام



Calcutta Art Press Delhi.

اس کا اثر کہاں پڑتا ہے، جتنے گروہ اور جتنے فرقے ہیں سب کے سب میرے متعلق طرح طرح کے شک اور گمان رکھتے ہیں آخر انہیں مجھ سے واسطہ کیا؟ بُرا یا بھلا جو کچھ بھی ہوں اپنے لئے ہوں اور بس۔

(۳۴۸)
محرم ہستی کہ با تو گویم یک دم
کز اولِ کار خود چہ بود ست آدم
محنت زدۂ سرشتہ انداز گلِ غم
یک چند جہاں بخورد و برداشت قدم

کہتا ہے کہ تو محرم راز ہے آ تجھے ایک راز کی بات بتا دوں۔ یہ آدمی جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے اور ساری دنیا پر حکومت کرنے کی آرزو رکھتا ہے اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتدا سے انتہا تک اس پر کیا کیا گذرا کرتی ہے۔ قضا و قدر کے کارکن رنج و غم کی مٹی سے ایک پریشان حال اور محنت کا مارا ہوا پتلا گوندہ کے تیار کر دیتے ہیں، وہ چند روز اس دنیا میں رہ کر اپنی قسمت کی دو روٹیاں کھا جاتا ہے اور پھر چپکے سے چل دیتا ہے۔

(۳۴۹)
گل گفت کہ من یوسفِ مصرِ چمنم
یاقوت گراں مایہ پر زر دہنم
گفتم چو تو یوسفی نشانے بنمائے
گفتا کہ بخوں غرق نگر پیرہنم

اپنے عالم خیال کی سیر کا ذکر خیام اس طرح سناتا ہے کہ جب میں باغ میں گیا تو پھول بادِ نسیم کی اٹھکھیلیوں سے مست و مغرور ہو کر یہ کہہ رہا تھا کہ یہ باغ اگر مصر کا ملک ہے تو میں اس مصر کا یوسف ہوں اور میرے منہ کی سرخی کا باعث یہ ہے کہ میرا منہ لعل و یاقوت سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے اس کی یہ تعلّی سُن کر اس سے کہا کہ اگر تو یوسف ہے تو اپنے یوسف ہونے کی کوئی نشانی بھی تو دکھا۔ اس نے کہا کہ تجھے نظر نہیں آتا کہ میرا کرتا خون میں لتھڑا ہوا اور سرخ ہے، اس ذکر سے خیام کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں یوسف یا اہل کمال ہونا خستہ حالی کی دلیل ہے۔ حضرت یوسفؑ کو اپنے کمال حسن کی بدولت کیا ملا؟ یا تو وہ کرتا جسے خون میں بھگو کر ان کے بھائی باپ کے پاس لے گئے تھے یا پھر وہ پھٹی ہوئی قمیص جو زلیخا کی دست درازیوں کی نذر ہوئی۔

(۳۵۰)
باز لفِ تو گر دست درازی کردم
از روئے حقیقت نہ مجازی کردم
در زلفِ تو دیدم دلِ دیوانۂ خویش
من با دلِ خویش دست بازی کردم

کہتا ہے کہ تیری زلفوں کے ساتھ اگر میں نے دست درازی کی اور انہیں چھو لیا تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی مجازی یا فرضی بات نہ تھی بلکہ تیری زلفوں میں مجھے اپنا دیوانہ دل پھنسا ہوا نظر آیا تھا اور میں اپنے اسی دل کے ساتھ دست بازی میں مصروف تھا۔

(۳۵۱)
صبح است دمے برمے گلرنگ زنیم
ویں شیشۂ نام و ننگ بر سنگ زنیم
دست از املِ دراز خود باز کشیم
در زلفِ دراز و دامنِ چنگ زنیم

ذاتِ باری کی معرفت کی شراب سے مست ہو کر خیام کہتا ہے کہ دوستو آؤ صبح کا سہانا سماں ہے دو دو چار چار گھونٹ شراب کے پی لیں اور ننگ و ناموس کے اس نازک شیشے کو اٹھا کے پتھر پر توڑ دیں۔ اپنی لمبی لمبی امیدوں سے اور تمناؤں سے تو یکسر ہاتھ اٹھالیں اور پھر کسی کی زلفِ دراز میں ہاتھ ڈالیں یا چنگ و رباب کے تاروں پر۔ مطلب یہ کہ امیدوں کے سہارے پر جینے سے یہ بہتر ہے کہ جو عیش بھی آج مہیا ہو سکے اس سے فائدہ اٹھالیں۔

(۳۵۲)
آں بہ کہ ز جام و بادہ دل شاد کنیم
وز نامدہ و گذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتی رواق زندانی را
یک لحظہ ز بند عقل آزاد کنیم

کہتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام دھندوں کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے فکر و اندیشے سے منہ موڑ کر ہم خوب شراب پئیں نہ آئندہ کی کچھ فکر ہو اور نہ گذشتہ کا غم۔ جو کچھ ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر ان کے خیال سے اپنے دل کو کیوں تکلیف دی جائے، اور آئندہ و گذشتہ ہی پر کیا منحصر ہے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے اس عارضی قید خانہ کو کہ جس کا نام دنیا ہے یکسر اپنی عقل اور اپنی فکر سے باہر نکال دیں اور اس کے کسی

خیال کو اپنی عقل کے قید خانہ میں قید نہ رکھیں۔

آں لحظہ کہ از اجل گریزاں گردم
(۳۵۳) چوں برگ ز شاخ عمر ریزاں گردم
عالم ز نشاط دل بہ غربال کنم،
زاں پیش کہ خاک خاک بیزاں گردم

کہتا ہے کہ اس وقت کہ جب میں موت سے بھاگتا پھروں اور ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح عمر کی شاخ سے ٹوٹ کر اڑتا پھروں یہی بہتر ہے کہ اپنے دل کی مسرت کی خاطر تمام دنیا کو چھان ڈالوں قبل اس کے کہ وہ وقت آئے کہ خاک ہو کر مجھے خاک چھاننی پڑے۔

یک روز ز بند عالم آزاد نیم،
(۳۵۴) یک دم زدن از وجود خود شاد نیم
شاگردی روزگار کردم بسیار
در دور جہاں ہنوز استاد نیم

کہتا ہے کہ دنیا کے غم والم سے میرا ایک دن بھی خالی نہیں گذرتا اور ایک لحظہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جب مجھے اپنی زندگی اور اپنا وجود اچھا معلوم ہو اور اس سے مجھے خوشی حاصل ہو میں نے مدتوں زمانے کی شاگردی کی یعنی جس طرح اس نے مجھے چلانا چاہا اسی طرح چلا اور جیسی زندگی بسر کرنے کا اس نے حکم دیا میں نے بسر کی لیکن افسوس کہ اتنی مدت دراز کی شاگردی کے بعد بھی میں آج تک کبھی استاد نہ بن سکا اور یہ نوبت نہ آئی کہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر کر سکتا۔

گر در گیری چگونہ پرواز کنم
(۳۵۵) با عشق توئے چہ گونہ آغاز کنم
یک لحظہ سرشک دیدہ می نگذارد
تا چشم بروئے دیگرے باز کنم

کہتا ہے کہ بار الٰہا جب کہ تو نے مجھے اپنی محبت کے قفس میں قید کر رکھا ہے، تو اب میں کیسے کہیں اور جا سکتا ہوں اور تیرا عشق دل میں رکھ کر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کسی اور کے ساتھ سلسلۂ محبت شروع کر دوں۔ تیرے غم میں جو آنسو میری آنکھوں سے نکل رہے ہیں

ان کا ایسا تار بندھا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں ٹوٹتا اور ہر وقت آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی چلمن پڑی رہتی ہے اور اتنا موقع ہی نہیں دیتی کہ کسی دوسرے پر نگاہ پڑے۔

آں آہ کہ پیش ہیچ محرم نہ زنم
(۳۵۶) واں دم کہ پیش ہیچ ہمدم نہ زنم
گر دریابم کہ جز تو کس می شنود
حقا کہ ہمیرم از دم و دم نہ زنم

کہتا ہے کہ تیری یاد میں جو آہیں میں تنہائی میں بھرتا ہوں اور کسی محرم راز کو بھی ان کی خبر نہیں ہونے دیتا' اور ہم نشین پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا ان کے متعلق اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ تیرے سوا کسی اور کے کانوں تک بھی وہ آواز پہونچ جاتی ہے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دم بند کر کے مر جاؤں گا اور پھر ہرگز ہرگز سانس نہ لونگا

من گوہر خود بہ قیمتِ کم نہ دہم
(۳۵۷) دردِ تو بصد ہزار مرہم نہ دہم
خاکِ درِ تو بہ مملکت جم نہ دہم
یک موئے ترا بہر دو عالم نہ دہم

کہتا ہے کہ میری ذات میں جو جوہر ہے یعنی تیرا عشق اسے میں کبھی کم قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا اور تیرا درد جو میرے دل میں ہے اسے میں ہزار مرہموں کے بدلے میں بھی علیحدہ نہیں کر سکتا۔ تیرے دروازے کی ذرا سی خاک اگر مجھے مل جائے تو جمشید کی سلطنت سے بھی اسے بدلنا پسند نہیں کر سکتا' اور تیرا ایک بال اگر کہیں میسر آجائے تو دونوں جہاں کے بدلے میں بھی اسے الگ نہیں کر سکتا۔

دشمن بہ غلط گفت کہ من فلسفیم
(۳۵۸) ایزد داند کہ آنچہ او گفت نیم
لیکن چو دریں غم آشیاں آمدہ ام
آخر کم ازاں؟ کہ من ندانم کہ کیم

کہتا ہے کہ میرے دشمنوں نے یہ افواہ اڑادی ہے کہ میں فلسفی ہوں' خدا گواہ ہے

کہ یہ جھوٹ ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں ہرگز ویسا نہیں ہوں گویا میں کبھی اس فکر میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا کرتا کہ یہ دنیا کیا ہے اور کس طرح عالم وجود میں آئی۔ لیکن فلسفی نہ ہونے کے باوجود بھی آخر جبکہ میں اس دار المحن میں آ ہی گیا ہوں تو اب اس سے کم اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں یہ بھی نہ جانوں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور دنیا اسی حیرانی اور ناواقفیت کو فلسفہ کہتی ہے۔ اسی بنا پر مجھے بدنام کیا جاتا ہے۔ کہ میں فلسفی ہوں۔

اسرار حقیقت کی تلاش میں فلسفہ کی ناکامی کا مضحکہ اس سے زیادہ اچھے طریقہ پر اور کسی طرح نہیں اُڑایا جا سکتا تھا۔ کس قدر خوبصورتی کے ساتھ خیام نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک انسان کی انتہائی جہالت اور ناواقفیت یہی ہو سکتی ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور ایک بڑے سے بڑا فلسفی بھی تمام عمر کے غور و خوض کے بعد زیادہ سے زیادہ اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے اور کہدے کہ جہاں تک اشیائے عالم کی حقیقتوں کا تعلق ہے میں کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ فلسفہ کی انتہا وہ ہے کہ جہاں سے انسان کی جہالت اور ناواقفیت شروع ہوتی ہے اور عقل کی انتہائی رسائی اور انتہائی نارسائی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرف معما نہ تو دانی و نہ من (۳۵۹)
ہست از پسِ پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ برافتد نہ تو دانی و نہ من

خیام نے اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی قوت فکر کی کمزوری کا نہایت کھلے دل سے بار بار اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ازل کا بھید ایک ایسا بھید ہے کہ جسے نہ تو جانتا ہے اور نہ میں، اور یہ ایک ایسا معما ہے کہ جسے حل کرنا نہ میرے لئے ممکن ہے نہ تیرے لئے۔ یہ میں اور تو کی تخصیص، اور یہ ساری تو تو میں میں بھی پردے کے پیچھے سے ہو رہی ہے اور پردے ہی کے دم تک ہے۔ جس وقت یہ پردہ اُٹھا تو نہ تو رہنے گا اور نہ میں، سب اسی ایک ذات واحد میں مدغم ہو جائیں گے۔

اے چرخ ہمیشہ در نبردی با من (۳۶۰)
درمانِ دگر کسے و دردی با من

در صلح چہ مانند کاں نکردم با تو
در جنگ چہ بود کاں نکردی با من

آسمان کی عداوت کا گلہ دوسرے شعراء کی طرح کبھی کبھی خیام کی زبان پر بھی آجاتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اے آسمان تو ہمیشہ مجھ سے لڑائی ہی رکھتا ہے۔ دوسروں کے درد کی تو تو دوا بن جاتا ہے لیکن میرے لئے ہمیشہ درد ہی بنا رہتا ہے۔ صلح و آشتی کی میں نے ساری تدبیریں کر دیکھیں اور اس کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر تیرا یہ حال رہا کہ تو ہمیشہ برسر پیکار ہی رہا اور لڑنے میں کبھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

(۳۶۱)
برخیز و مخور غم جہان گذران
خوش باش و دمے بہ شادمانی گذران
در طبع جہاں اگر وفائے بودے
نوبت بتو خود نیامدے از دگراں

خیام کی طبع آزاد ایک لمحہ کے لئے بھی اسے گوارا نہیں کرتی کہ دنیا کے رنج و غم میں پھنس کر انسان اپنی اس دوروزہ زندگی کا کوئی حظ نہ اٹھائے اور جس طرح روتا ہوا پیدا ہوا تھا اسی طرح روتا ہوا رخصت ہو جائے وہ اپنے بنی نوع کو جو پیغام دینا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اے دوست اٹھ اور اس ناپائدار اور گذر جانے والی دنیا کا ذرا سا بھی غم نہ کھا۔ تو خوش رہ اور جو لمحے میسر آجائیں انہیں خوشی اور خرمی میں بسر کر دے۔ اس دنیا سے کوئی توقع رکھنی فضول ہے کیونکہ اس کی طبیعت میں وفا کا مادہ ہوتا اور یہ کسی کے پاس رہنا گوارا کر سکتی تو آج تجھ تک یہ پہونچتی ہی کیسے؟ چونکہ اس نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی اسی لئے تو آج تجھ تک پہونچ بھی گئی ورنہ تجھ سے بیشتر کروروں انسان گذر چکے ہیں ان میں سے کسی کی بھی ہو رہتی۔

(۳۶۲)
کس نیست دریں گفت و شنو ہمدم من
شد نالہ من ہم نفس و محرم من
بے گریہ چو نیست دیدۂ پرنم من
من سر بنہم یا بسر آید غم من

خیام کہتا ہے کہ اس گفت و شنید میں کوئی بھی میرا ہمدم و دمساز نہیں ہے بس

میرا اپنا نالہ اور میری اپنی فریاد ہے کہ وہ میری ہم نفس اور محرم راز بن گئی ہے۔ جب حالت یہ ہے کہ میری آنکھوں کو آنسوؤں کے بغیر کوئی لمحہ نہیں گذرتا اور میری عمر ہر وقت گریہ و زاری ہی میں بسر ہوتی ہے تو پھر اب یہی ہونا ہے کہ یا تو میں نے اس غم و رنج کی بدولت اپنا سر دیدیا اور یا یہ رنج و غم ہی تمام ہو گیا۔

مسکین دلِ دردمند و دیوانۂ من
(۳۶۳) ہشیار نہ شد ز عشق جانانۂ من
روزے کہ شراب عاشقی میدادند
در خونِ جگر زدند پیمانۂ من

یہ میرا غریب درد سے بھرا ہوا اور دیوانہ دل کبھی عشق محبوب سے ہشیار نہ ہوا اور ہمیشہ نشۂ الفت سے سرشار ہی رہا۔ جس دن کہ عشق و محبت کی شراب بٹ رہی تھی اسی دن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا پیالہ ساقی نے خونِ جگر سے بھر دیا تھا ورنہ کیوں ایسا ہوتا کہ ہمیشہ میرے دل کا خون ہوتا رہے۔

قومے متفکر اند در مذہب و دیں
(۳۶۴) جمع متحیر اند در شک و یقیں
ناگاہ منادیے بر آید ز کمیں
کاے بیخبراں راہ نہ آنست و نہ ایں

خیام کہتا ہے کہ انسانوں کی ایک جماعت مذہب اور دین کے معاملات میں غور و فکر کر رہی ہے، اور ایک گروہ ہے کہ وہ شک اور یقین کے سمندروں میں غوطے کھا رہا ہے لیکن یکایک پکارنے والا جو چھپا بیٹھا ہے، سامنے آکر ندا کرے گا کہ اے بے وقوفو تم سب سیدھے راستے سے دور ہو، راستہ نہ وہ ہے اور نہ یہ۔

اے گشتۂ شب و روز بدنیا نگراں
(۳۶۵) اندیشہ نمی کنی تو از روز گراں
آخر نفسے بہ بیں و باز آے بخود
کایام چگونہ مے کند باد گراں

اہل دنیا کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے رات دن دنیا کی دلچسپیوں میں

منہمک رہنے اور دنیا کی ظاہری آراستگیوں پر جان دینے والے تجھے کبھی اس ہولناک دن کا خیال نہیں آتا کہ جب تو اور تیرے اعمال حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہوں گے۔ اے غافل کبھی تو ذرا دیر کے لئے ہوش میں آ اور آنکھیں کھول کر دیکھ کہ زمانہ کا طاقتور ہاتھ دوسروں کے ساتھ کیا کر رہا ہے اور کس طرح انہیں ایک ایک کر کے مٹائے ڈالتا ہے۔

گر بر فلکم دست بُدے چوں یزداں
برداشتمے من ایں فلک را ز میاں (۳۶۶)
وز نو فلکِ دگر چناں ساختمے
کازادہ بہ کام دل رسیدے آساں

آسمان کے جور و جفا سے تنگ آکر خیام کہتا ہے کہ اگر مجھے اس آسمان پر وہی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ جو خدا کو ہے تو میں اسے بالکل دور کر دیتا اور اس کا نام و نشان باقی نہ رکھتا اور پھر اس کی بجائے ایک اور آسمان ایسا بناتا جس کے ذریعہ لوگ اپنی مرادوں کو پہونچ جایا کرتے اور یہ نامرادیاں باقی نہ رہتیں جو آج ہیں۔

شرمیست نباید ازیں تباہی کردن
زیں ترک اوامر و نواہی کردن
گیرم کہ سراسر ایں جہاں ملک تو شد (۳۶۷)
جز آنکہ رہا کنی چہ خواہی کردن

دنیا اور دولت دنیا کی خیام کی نظروں میں کوئی عزت اور کوئی وقعت نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ یہ جو تو تمام دنیا کو تباہ کر رہا ہے اور اپنا قبضہ دوسروں کے ملکوں پر جمانے کی خاطر لاکھوں بندگان خدا کا خون بہاتا ہے اس سے تجھے شرم نہیں آتی اور نہ اس سے کوئی شرم آتی ہے کہ تو نے خدا کے احکام پس پشت ڈالدیئے اور اوامر و نواہی سب کو چھوڑ رکھا ہے۔ میں فرض کئے لیتا ہوں کہ ساری دنیا پر تیرا مالکانہ قبضہ اور تصرف ہو گیا پھر بھی تو یہ بتا کہ تو سوائے اس کے کہ اس سب کو یونہی چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جائے اور کیا کرے گا۔

تو نامدہ بہ بادشاہی کردن (۳۶۸)
با خویشتن آئے زیں تباہی کردن

چیزے نہ بدی وہم نباشی فردا
پیدا است کہ امروز چہ خواہی کردن

کہتا ہے کہ تو دنیا میں اس لئے نہیں آیا ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان پر حکمرانی اور بادشاہت کرے۔ یہ جو تو نے تباہ کاری اختیار کر رکھی ہے اس سے باز آجا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تو کوئی چیز نہ تھا اور کہیں تیرا وجود تک نہیں تھا اور کل پھر یہی ہونا ہے کہ تیرا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔ ان باتوں سے تیری قوت و طاقت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ آج کیا کر سکے گا۔ گویا تو مجبور محض ہے اور کچھ نہیں کر سکتا پھر کیوں خواہ مخواہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے

بر موجب عقل زندگانی کردن
شاید کردن ولے بدانی کردن
اُستادِ تو روزگار چابکدست است
چنداں بہ سرت زند کہ دانی کردن

خیام کہتا ہے کہ اس دنیا میں آکر ہمیں جذبات یا دیرینہ روایات کے مطابق زندگی نہ بسر کرنی چاہیئے بلکہ عقل کی ہدایتوں پر کاربند رہ کر اپنا زمانۂ حیات گذارنا چاہیئے۔ لیکن اگرچہ ہونا تو ویسا ہی چاہیئے مگر تم اس طرح زندگی بسر کرنی جانتے نہیں۔ پھر کہتا ہے کہ تم جانو یا نہ جانو تمہارا استاد زمانہ ہے جو بہت ہی چابکدست ہے وہ مار مار کر تمہیں سیدھا کر دے گا اور سر پر اتنی ضربیں لگائے گا کہ تمہاری عقل درست ہو جائے گی اور تمہیں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے گا۔

چوں حاصل آدمی دریں شورستاں
جز خوردنِ غصہ نیست تا کندن جاں
خرم دل است آن کہ زیں جہاں زود برفت
و آسودہ کسے کہ خود نیامد بہ جہاں

کہتا ہے کہ جبکہ یہ یقینی ہے کہ اس ہنگامہ زار دنیا میں انسان کے ہاتھ سوائے غم و غصہ کھانے کے اور کچھ نہیں آتا اور یہی رنج و غم کھاتے کھاتے وہ مرجاتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ شخص بہت ہی خوشدل ہے کہ جو یہاں سے جلدی رخصت ہو گیا اور اس سے زیادہ آرام و راحت میں وہ ہے جو کبھی اس دنیا میں آیا ہی نہیں اور جس نے دنیا کے یہ کڑوے پھل

یعنی غم و غصہ چکھے ہی نہیں۔

(۳۷۱)
از گردش ایں دائرہ بے پایاں
برخورداری دو نوع مردم را داں
یا با خبرے تمام از نیک و بدش
یا بے خبرے از خود و از کار جہاں

خیام کہتا ہے کہ اس دائرہ یعنی آسمان کی گردش سے کہ جس کا کہیں سرا نہیں ہے دو ہی قسم کے آدمیوں کو فائدہ اور فیض پہنچ سکتا ہے۔ یا تو ان لوگوں کو جو اس کے ہر نیک و بد سے پورے طور پر واقف ہوں یا پھر ان لوگوں کو کہ جو اپنے آپ سے بھی بالکل بے خبر اور بے خود ہوں اور دنیا کے ہر کام سے بھی کامل بے خبری ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یا تو انسان کو کامل علم اور وقوف حاصل کرنا چاہئے اور یا پھر کامل بیخودی اور مستی میں زندگی بسر کر دینی چاہئے۔

(۳۷۲)
دانی کہ چرا ست توبہ نا کردن من
زیرا کہ حرام نیست مے خوردن من
ہر اہل مجاز ست بہ تحقیق حرام
مے خوردنِ اہل راز بر گردن من

کہتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے کہ میں توبہ کیوں نہیں کرتا اور شراب برابر پیتا رہتا ہوں اس کا باعث یہ ہے کہ میرا شراب پینا حرام نہیں ہے جو لوگ کہ اہل مجاز اور اہل ظاہر ہیں ان کے لئے شراب یقیناً حرام ہے لیکن جو عارف باللہ اور اہل راز ہیں وہ اگر پئیں تو اس کا عذاب میری گردن پر گویا میں ذمہ دار ہوں کہ ان سے اس کے متعلق کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

(۳۷۳)
احوال جہاں بر دلم آسان می کن
وافعال بدم ز خلق پنہاں می کن
امروز خوشم بدار و فردا با من
انچہ از کرم تو می سزد آں می کن

خیام کا جوش عبودیت جب زور کرتا ہے تو وہ اپنے خالق اور اپنے مالک سے یہ دعا کرتا ہے کہ بار الہا تو اس دنیا کے خالات کو میرے دل پر آسان کر دے اور میرے

گناہوں پر اس طرح پردہ ڈال کہ وہ دنیا کو نظر نہ آئیں اور میں لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل نہ ہوں آج جبکہ میں دنیا میں ہوں تو مجھے خوش و خرم رکھ اور کل کو حشر کے میدان میں تیری رحمت اور تیرے کرم کے جو شایاں ہو وہ برتاؤ میرے ساتھ کرنا۔

یارب ز قبول و ز ردم باز رہاں
(۳۷۴) مشغول خودم کن از خودم باز رہاں
تا ہشیارم ز نیک و بدے دانم
مستم کن و از نیک و بدم باز رہاں

پھر وہ یہ دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ تو مجھے رد و قبول کے جھگڑوں سے رہائی دیدے اور اپنی طرف مشغول کر کے مجھے خود میرے اپنے آپ سے چھٹکارا دلا دے جس وقت میں ہوش میں ہوں اس وقت تک میں نیک و بد کے پہچاننے اور ان میں سے ایک کو قبول اور ایک کو رد کرنے پر مجبور رہوں۔ تو مجھے ایسا مست اور بیخود بنا دے کہ نیک و بد کی تمیز ہی باقی نہ رہے۔

در دامن ایں چرخ تو انگیز کہن
(۳۷۵) با یار تو سر ز یک گریباں بر کن
دستے کہ زمانہ را نیابد سر و بن
کوتہ بکن از وے کہ دراز است سخن

خیام کہتا ہے کہ اس حادثہ انگیز پرانے آسمان کے دامن میں تجھے چاہیئے کہ اپنے محبوب کے ساتھ ایک گریبان سے سر نکال یعنی ہر وقت اس کی صحبت سے لطف اندوز ہو تیرا ہاتھ زمانہ کے سر اور جڑ کو نہیں پا سکتا اسے اس طرف سے ہٹا لے یعنی دنیا کے جھگڑوں اور اسرار دنیا کی تحقیق سے باز آجا کیونکہ یہ لمبے چوڑے قصے ہیں اور تیرے چکائے نہیں چک سکتے۔

دارم ز جفائے فلکِ آئینہ گوں
(۳۷۶) وز گردشِ روزگارِ خس پرور دوں
از دیدہ رخ ہمچو پیالہ پر اشک
در سینہ دلے ہمچو صراحی پر خوں

چرخ فتنہ پرداز کی شکایت کے طور پر خیام کہتا ہے کہ اس نیلگوں آسمان کی جفاؤں

اوراس کمینوں کو پالنے والے سفلہ زمانہ کے ہاتھوں میری یہ حالت ہے کہ منہ پر تو آنسو بھری آنکھوں کی وجہ سے ایک آنسوؤں سے بھرا پیالہ رکھا ہوا ہے اور سینہ کے اندر دل ایسا ہو گیا ہے کہ گویا خون سے بھری ایک صراحی ہے۔ مطلب یہ کہ دل خون ہو گیا ہے اور ہر وقت روتے اور آنسو بہاتے گذرتی ہے۔

(۳۷۷)

رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمیں
نے کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دیں
نے حق نہ حقیقت و شریعت نہ یقیں
اندر دو جہاں کرا بود زہرۂ ایں

کہتا ہے کہ میں نے زمین کے گھوڑے پر ایک رند کو سوار دیکھا جسے نہ کفر سے مطلب تھا نہ اسلام سے اور نہ دین سے غرض تھی نہ دنیا سے نہ حق سے اسے واسطہ تھا نہ حقیقت سے اور نہ شریعت سے کوئی تعلق نہ یقین و ایمان سے، بتاؤ تو کہ دونوں جہان میں ایسے دل گردہ کا انسان کون ہو سکتا ہے

(۳۷۸)

آں را کہ وقوف است بر احوال جہاں
شادی و غم و رنج بر و شد آساں
چوں نیک و بد جہاں بسر خواہد شد
خواہی ہمہ درد باش خواہی درماں

خیام کہتا ہے کہ جس شخص کو دنیا کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہے اس پر رنج اور خوشی دونوں آسان ہو جاتے ہیں نہ رنج کی باتوں سے وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور نہ خوشی کی باتوں سے خوش جبکہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ اس کا نیک اور بد دونوں عارضی اور فانی ہیں اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی قیام نہیں ہے تو اب تمہاری خوشی چاہیے۔ مجسم درد و تکلیف بن کر زندگی بسر کرو اور چاہے دکھ درد کا علاج بنجاؤ۔

(۳۷۹)

روزے کہ ز تو گذشتہ شد یاد مکن
فردا کہ نیامدا ست فریاد مکن
از آمدہ و گذشتہ اندیشہ مدار
حالا خوش باش و عمر بر باد مکن

خیام کے فلسفہ کا لب لباب یہی ہے کہ انسان اس دنیا میں رہ کر اپنی عمر عزیز فکر ماضی اور اندیشۂ فردا جیسے فضول اور بے فائدہ کاموں پر صرف نہ کرے جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہو چکا اور اب کوئی طاقت اسے واپس نہیں کر سکتی جو کچھ ہوتا ہے اس کا تمام تر دار و مدار و انحصار ہماری موجودہ محنت و کوشش پر ہے اس لئے اس کے غم میں پریشان ہونا اور اس اندیشہ میں اپنی جان گھلانا کہ کسی اور طاقت نے پہلے سے ہمارے لئے سب کچھ کر کے رکھ دیا ہے اور اب ہم کسی طرح آنے والی مصیبتوں کو نہیں ٹال سکتے بالکل فضول اور لغو کام ہے۔ چنانچہ

جو دن گذر چکا ہے اُسے بھول کر بھی یاد نہ کر اور جو دن کہ ابھی آیا نہیں ہے اس کے خوف سے آہ و زاری میں مشغول نہ ہو۔ نہ گذرے ہوئے کا غم کر اور نہ آنے والے کا بلکہ جو فرصت اور وقت تجھے حاصل ہے اُسے اچھی طرح گذار اور اپنی عمر برباد نہ کر۔

زیں گنبد گردندہ بدا فعالی بیں
وز جملۂ دوستان جہاں خالی بیں (۳۸۰)
تا بتوانی تو یک نفس خود را باش
فردا مطلب گذار دی حالی بیں

اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے متعلق خیام ہمیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ اس چکر لگانے والے گنبد یعنی آسمان کی بدافعالیاں دیکھتے رہیں اور یہ بھی دیکھتے رہیں کہ دنیا ہمارے تمام دوستوں سے خالی ہو گئی پھر ہمیں رنجیدہ اور دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ جب تک ممکن ہو اپنا ہر لمحہ خوشی و خرمی میں گذارنا چاہیئے نہ آئندہ کے لئے دل میں کسی چیز کی طلب ہو نہ گذشتہ کا افسوس بلکہ فردا و دی سے بالکل قطع نظر کر کے صرف حال پر اپنی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ عیش و مسرت میں گذرے۔

از آمد و از رفتنِ ما سودے کو
وز تار امید عمر ما پودے کو (۳۸۱)
در چنبر چرخ جان چندیں پاکاں
می سوزد و خاک می شود دودے کو

خیام کہتا ہے کہ اس دنیا میں ہمارے آنے اور ہمارے جانے سے آخر فائدہ کیا ہے اور ہماری عمر کی امیدوں کا جو تانا ہے اس کا بانا کہاں ہے اس آسمان کے چنبر میں تو یہ

کیفیت ہے کہ لاکھوں پاک اور مقدس انسانوں کی جانیں جلتی ہیں اور جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔ لیکن دھواں تک نظر نہیں آتا۔

(۳۸۲)
آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو
بر در گہ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختۂ
بنشستہ ہمی گفت کہ کو کو۔ کو کو

عبرتکدۂ دنیا پر نگاہ ڈال کر خیام کہتا ہے کہ ایسے ایسے شاہی محل کہ جو آسمان سے باتیں کیا کرتے تھے اور جن کی چوکھٹ پر بادشاہ تک اپنا سر رکھا کرتے تھے۔ ان کی ہم نے یہ حالت دیکھی ہے کہ ان کے کنگورے پر ایک فاختہ بیٹھی ہوئی کو کو کو کو کر رہی ہے۔ فارسی میں "کو" کے معنی "کہاں" کے ہیں، اس لئے یہ مطلب ہوا کہ فاختہ حسرت و افسوس کے ساتھ چیخ رہی ہے کہ "کہاں گئے، کہاں گئے؟"

(۳۸۳)
در دیدۂ تنگِ مور نور است از تو
در پائے ضعیف پشہ زور است از تو
ذات تو سزا است مر خداوندی را
ہر وصف کہ ناسزا است دور است از تو

ذات باری تعالیٰ کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے قادر ذو الجلال تو وہ ہے کہ ایک چیونٹی کی ننھی سی آنکھ میں جو روشنی ہے، وہ بھی تیرے ہی دم سے ہے۔ اور ایک مچھر کی کمزور ٹانگوں میں جو طاقت ہے وہ بھی تیری ہی دی ہوئی ہے، تیری ذات یقیناً اسی لائق ہے کہ تو خدا ہو اور ہر ایسی صفت کہ جو بری ہے تجھ سے دور ہے۔

(۳۸۴)
اے آنکہ پدید گشتم از قدرت تو
پروردہ شدم بناز و نعمت تو
صد سال بامتحاں گنہ خواہم کرد
یا جرم منست بیش یا رحمت تو

کہتا ہے کہ اے میرے خالق و مالک میں تیری ہی قدرت کی بدولت عالم وجود میں آیا ہوں۔ اور تیری ہی ناز برداریوں نے اور نعمتوں نے میری پرورش کی ہے۔ اب میں یہ دیکھنے

کے لئے کہ آیا تیری رحمت زیادہ ہے یا میرے گناہ برابر سو برس تک خوب گناہ کروں گا۔ ادائے مطلب کا یہ ایک خوبصورت طریقہ ہے۔ خیام یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں اپنی تمام عمر جو بمشکل سو سال کی ہوگی دل کھول کر گناہ کئے چلا جاؤں تب بھی تیری رحمت کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ وہ کبھی تیری رحمت سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔

(۳۸۵)
چوں رفت ز جسم جوہر روشن تو
با جنس دگر گزیں کند مسکن تو
آیند و روند ہیچکس نشناسد
تا زیر زمیں چہ مے رود بر تن تو

کہتا ہے کہ جب تو مر گیا اور تیرے جسم سے یہ تیرا جوہر روشن نکل گیا تو تیرا بدن دوسری طرح کی چیزوں کے ساتھ تیرے لئے مسکن بنا دے گا اور تیری قبر پر آنے اور جانے والے یہ بھی نہ جان سکیں گے کہ خاک کے نیچے تیرے جسم پر کیا گذر رہی ہے۔

(۳۸۶)
از تن چو برفت جان پاک من و تو
خشتے دو نہند بر مغاک من و تو
وانگہ ز برائے خشتِ گورِ دگراں
در کالبدے کشند خاکِ من و تو

خیام کہتا ہے کہ جب میرے اور تیرے جسم سے جان نکل جائے گی۔ تو لوگ ہماری قبروں پر دو اینٹیں رکھدیں گے۔ اور اس طرح گڈھے کو پاٹ دیں گے۔ اور پھر یہ دو اینٹیں بھی نہ رہیں گی۔ کیونکہ جب دوسروں کی قبروں کے لئے ایسی ہی دو اینٹوں کی ضرورت ہوگی تو ہماری اینٹیں ہی نہیں بلکہ میری اور تیری خاک کو بھی لوگ لے جائیں گے اور سانچے میں ڈال ڈال کر اس کی اینٹیں ڈھال لیں گے۔

(۳۸۷)
گر باخردی تو حرص را بندہ مشو
در پاے طمع خام سرافگندہ مشو
چوں آتش تیز باش و چوں آب رواں
چوں خاک بہر باد پراگندہ مشو

دنیا اور دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں محو ہو جانے والوں سے خیام کہتا ہے

کہ اگر تم عقلمند ہو تو حرص و ہوا کے بندے نہ بنو اور فضول لالچ کے آگے اپنا سر نہ جھکاؤ تمہارا سر اس سے بہت زیادہ معزز ہے۔ کہ وہ دنیا کی ذرا ذرا سی چیزوں کے آگے جھکتا پھرے تمہیں چاہیے کہ آگ کی طرح تیز رہو کہ حرص و ہوا کا تمام خس و خاشاک اس کے قریب پہنچتے ہی جل جایا کرے اور پانی کی طرح رواں رہو تاکہ گندگی اور غلاظت کبھی جمع ہی نہ ہونے پائے۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ تم خاک بن جاؤ کہ ہوا کا ہر ایک جھونکا تمہیں پریشان کر دیا کرے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست ؟ بگو
آنکس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست؟ بگو (۳۸۸)
من بد کنم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میان من و تو چیست؟ بگو

اپنے خالق اور اپنے مالک پر ناز کرنے والا خیام اس کی رحمت و کرم پر کامل بھروسہ رکھ کر اپنے دل کی بات اس طرح کہتا ہے کہ اے پاک بے نیاز تو مجھے یہ تو بتا دے کہ دنیا میں وہ کونسا انسان ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا تو وہ اس دنیا میں زندہ ہی کیسے رہا۔ کیونکہ انسان تو خطا اور نسیان سے مرکب ہے۔ اب ایسی حالت میں اگر میں کوئی بُرائی کروں اور تو مجھے اس کا بدلہ بُرائی سے دے تو پھر مجھ میں اور تجھ میں فرق ہی کیا باقی رہا۔ جو کچھ ایک عبد کرتا ہے وہ ہی اگر معبود بھی کرنے لگے تو معبود کا امتیاز کس طرح قائم رہ سکے گا۔ تجھے تو اپنی شان معبودیت قائم رکھنے کے لیے بھی کرنا چاہیے کہ ہم بُرائیاں کریں اور تو اُن کا بدلہ ہمیشہ ہمیں بھلائیوں کی صورت میں دے۔

اے زندگی تن و توانم ہمہ تو
جانے و دلے اے دل و جانم ہمہ تو (۳۸۹)
تو ہستی من شدی از آنی ہمہ من
من نیست شدم در تو از آنم ہمہ تو

منزل فنا فی اللہ میں پہنچکر خیام کہتا ہے کہ اے وہ ہستی کہ میرے جسم کی زندگی اور طاقت سب کچھ تو ہی ہے اور اے میرے دل اور میری جان میری اور میرا دل بھی سب کچھ تو ہی ہے تو چونکہ میری ہستی اور میری جان بن گیا ہے۔ اس لئے تو بالکل "میں" ہو گیا ہے، اور میں چونکہ تجھ میں نیست اور فنا ہو گیا ہوں اس لئے میں بالکل "تو" ہو گیا ہوں۔

(۳۹۰)

اے دل ز غمِ جہاں کہ گفتت خوں شو
یا ساکنِ عشوہ خانۂ گردوں شو
دانی چہ کنی چو نیست سامانِ مقام
انگار دروں نیامدی بیروں شو

اپنے دل کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے دل مجھ سے یہ کس نے کہا ہے۔ کہ تو دنیا کے غم سے خون ہو جا۔ یا یہ کہ اس آسمان کے عشوہ خانے میں رہ۔ تجھے خبر ہے۔ کہ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ٹھہرنے کے قابل جگہ نہیں ہے اور یہاں مقام کرنے کا سامان مہیا نہیں ہے تو تجھے کیا کرنا چاہیئے کہ یہ سمجھ لے کہ میں اس دنیا کے اندر آیا ہی نہ تھا۔ اور بس یہاں سے باہر نکل جا۔

(۳۹۱)

من در غمِ روزگار بیداد مدہ
ما را ز غمِ گذشتگاں یاد مدہ
دل جز بکمر زلف پریزاد مدہ
بے بادہ مباش و عمر بر باد مدہ

دنیا کی فکروں میں خود کو پھنسانا اور رنج و غم میں مصروف رہکر اپنا موجودہ عیش تلخ کر لینا خیام کے نزدیک گناہ ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ ظالم زمانے کے غم میں اپنے جسم کو نہ پھنسا۔ اور ہمیں گذرے ہوؤں کی المناک یاد نہ دلا۔ دل کو ان افکار و آلام میں نہیں بلکہ کسی پریزاد کی زلف میں پھنسانا چاہیئے اور بے شراب پئے یعنی ہوشیار رہکر اپنی عمر کو برباد نہ کرنا چاہیئے۔

(۳۹۲)

اے یار ز روزگار باش آسودہ
زاندوہ زمانہ کم خور از بیہودہ
چوں کسوتِ عمر بر تنت خاک شود
چہ کردہ و چہ گفتہ و چہ نابودہ

خیام کا مشورہ یہ ہے کہ اے میرے دوست تو زمانے کی طرف سے بالکل بے فکر اور آرام میں رہ اور بیفائدہ زمانے کا غم نہ کھا کیونکہ یہ چار روز کی زندگی تکلیف میں گذرے یا آرام میں کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جس وقت عمر یا زندگی کا لباس تیرے جسم پر پھٹ جائیگا

اور تو اس دارِ فانی سے رحلت کر جائے گا۔ تو پھر کیا نہ کیا اور کہا نہ کہا سب برابر ہے۔

فریاد کہ عمر رفت بر بیہودہ
(۳۹۳) ہم لقمہ حرام و ہم نفس آلودہ
فرمودہ ناکردہ سیہ رویم کرد
فریاد ز کردہائے نافرمودہ

خیام کہتا ہے کہ افسوس یہ میری عمر مفت میں ضائع ہو گئی لقمے بھی حرام کے کھائے اور زندگی کا ہر لمحہ معصیت و گناہ میں آلودہ رہا۔ جو کچھ مجھے حکم ملا تھا اس کے نہ کرنے پر میرا منہ کالا ہوا ہے تو اب جن باتوں سے منع کیا گیا تھا ان کے کر لینے پر فریاد ہے۔ گویا اوامر کی عدول حکمی کی بدولت تو سیہ روئی نصیب ہوئی ہے اب دیکھئے کہ نواہی سے پرہیز نہ کرنا کیا رنگ لاتا ہے

روزے بینی مرا تو مست افتادہ
(۳۹۴) در حلقہ زلف بت پرست افتادہ
دستار ز بہر قدح ز دست افتادہ
در پائے تو سر نہادہ پست افتادہ

کہتا ہے کہ ایک دن تو مجھے دیکھے گا کہ شراب میں بدمست کہیں پڑا ہوا ہوں اور کسی بت پرست کی زلف کے حلقہ میں دل پھنسا ہوا ہے اور کیف اور مستی کا یہ عالم ہو گا کہ سر سے پگڑی اور ہاتھ سے پیالہ گر چکا ہو گا۔ اور میں عاجز و ذلیل تیرے قدموں میں سر رکھے پڑا ہونگا۔

نقشے است کہ بر وجود ما بر بختہ
(۳۹۵) صد بوالعجبی ز ما بر انگیختہ
من زاں بہ ازیں نمی توانم بودن
کز توبہ مرا چنیں خمر در بختہ

خیام کہتا ہے کہ اے میرے پیدا کرنے والے ہمارے وجود پر تو نے خود ہی تو نقش و نگار بنائے ہیں اور پھر خود ہی تو ہم سے ناراض ہوتا ہے یہ کس قدر تعجب کی بات ہے ہمارا وجود اچھا ہے تب اور برا ہے تب بہر حال تیرا اپنا بنایا ہوا ہے اور ہم اگر برے ہیں تو

اس میں ہمارا کیا قصور ہے پھر کہتا ہے کہ جیسا میں ہوں اس سے بہتر میں اس لئے نہیں ہو سکتا کہ تو نے گناہ کی شرم و خجالت کا احساس دیکر مجھے نیچے گرا دیا ہے اور میں خود اپنی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گیا ہوں، اگر میں اپنی نظروں میں ذلیل ہو کر توبہ نہ کرتا تو یہ ممکن تھا کہ عزت نفس کا پاس مجھے ابھارتا اور میں اس سے بہتر انسان بن سکتا۔

اے من در میخانہ بہ سبلت رفتہ
ترک بد و نیک ہر دو عالم گفتہ (۳۹۶)
گر ہر دو جہاں چو گوئے افتند بگوی
بر من بجوے چو مست باشم خفتہ

کہتا ہے کہ میں وہ ہوں کہ مست و مدہوش اوندھا پڑا ہوا اپنی مونچھوں سے میخانے میں جھاڑو دے رہا ہوں اور دونوں جہان کے ہر نیک و بد سے ترک تعلق کر چکا، اگر دونوں کے دونوں جہان گیند کی طرح سے گر پڑیں تو کہدو کہ مجھے اس کی ایک جَو کے برابر بھی پروا نہ ہوگی جبکہ میں مست پڑا سوتا ہوں گا۔

جانا بکدام دست بر خاستۂ
کز طلعت خویش ماہ را کاستۂ (۳۹۶)
خوبان جہاں بہ عید مراد آرایند
تو عید بروئے خویش آراستۂ

کہتا ہے کہ اے میرے محبوب تو کن ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے کہ تیرے چہرے کے سامنے چاند کی بھی روشنی بھی ماند پڑ گئی ہے۔ دنیا بھر کے حسین تو عید کے دن اپنے منہ کا سنگھار کرتے ہیں تو نے اپنے منہ کو عید ہی سے آراستہ کر لیا ہے یعنی جس نے تجھے دیکھ لیا اس کی عید ہو گئی۔

پیرے دیدم بہ خواب مستی خفتہ
وزنہ گرد شعور خانۂ تن رفتہ (۳۹۷)
مے خوردہ و مست خفتہ و آشفتہ
اللہ لطیفٌ لعبادہٖ، گفتہ

خیام کہتا ہے کہ میں نے ایک بڈھے کو دیکھا کہ مستی و مدہوشی کے خواب میں

سویا ہوا ہے اور عقل و شعور کی خاک اپنے جسم کے گھر سے بالکل جھاڑ دی ہے۔ خراب ہے، بدمست اور پریشان حال، مگر دل اس فرمانِ الٰہی کی وجہ سے مطمئن تھا کہ اللہ لطیف بعبادہٖ یعنی اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

(۳۹۸)

غرہ چہ شوی بہ مسکن و کاشانہ
بر عمر کہ ہست حاصلش افسانہ
ہمخوابۂ بادی و تو افروزی شمع
بر رہگذر سیل تو سازی خانہ

کہتا ہے کہ اس ناپائدار اور چند روزہ عمر میں کہ جس کا حاصل ایک کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تو اپنے محل اور قلعہ پر کیا فخر و غرور کیا کرتا ہے جبکہ خود تیری اپنی عمر کو کوئی استحکام نہیں ہے تو یہ محل کتنے دن رہیں گے۔ تو آندھیوں کے ساتھ تو سو رہا ہے اور کوشش یہ ہے کہ چراغ جلا کر رکھوں اور سیلاب کے راستے میں تیری یہ آرزو ہے کہ مکان تعمیر کرے اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہو گی۔ ہوا اور پانی دونوں انسان کے عناصر میں داخل ہیں۔ آندھی اور سیلاب کا اشارہ اسی طرف ہے۔

(۳۹۹)

دل دست بطرۂ طرب نا وردہ
جام مے خوشدلی بہ لب ناوردہ
افسوس بسر رسیدہ روز عمرم
روزے بہ مراد دل لشب ناوردہ

اس دنیا میں انسانی زندگیاں جس طرح بسر ہوتی ان کا نقشہ خیام اس طرح کھینچتا ہے کہ خوشی و شادمانی کی زلف تک کبھی میرا ہاتھ نہ پہونچا، اور خوشدلی کی شراب کا پیالہ کبھی ان ہونٹوں تک نہ آیا، افسوس کہ میری تمام عمر اسی طرح بسر ہو گئی کہ ایک دن بھی ایسا نصیب نہ ہوا کہ میں اپنے دل کی مراد کے موافق اپنے دن کو ختم کر کے شام کرتا۔

(۴۰۰)

دانی ز چہ روئے او فتادا ست و چہ راہ
آزادی سرو و سوسن اندر افواہ
ایں داشتہ دہ زبان و لیکن خاموش
واں راست دو صد دست و لیکن کوتاہ

خیام کہتا ہے کہ تمہیں معلوم بھی ہے سرو اور سوسن کی اس قدر شہرت کیوں ہو گئی ہے اور ان کی آزادی کا چرچا کیوں ہر زبان پر ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ سوسن کے اگرچہ ایک چھوڑ دس زبانیں موجود ہیں پھر بھی وہ خاموش رہتی ہے اور کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتی، اور سرو کے جسم میں اگرچہ کچھ بھی نہیں تو دو سو ہاتھ ہیں پھر بھی کبھی کسی پر دست درازی اور ظلم نہیں کرتا مطلب یہ کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں شہرت و عزت حاصل ہو تو سوسن کی طرح خاموش و مسکین اور سرو کی طرح کوتہ دست بن جاؤ۔

دنیا بہ مراد راندہ گیر آخر چہ؟
(۴۰۱) ویں نامۂ عمر خواندہ گیر آخر چہ؟
گیرم کہ بکام دل بماندی صد سال
صد سال دگر بماندہ گیر آخر چہ؟

دنیا کی بے ثباتی اور عیش دنیا کی ناپائداری کا خیال کر کے خیام کہتا ہے کہ بالفرض تو نے ساری دنیا کو اپنی مرضی اور اپنی مراد کے مطابق چلا لیا پھر بھی نتیجہ کیا ہے، اور نامۂ عمر کو تو نے بالکل پڑھ ڈالا پھر بھی انجام کیا ہو گا۔ میں یہ مانے لیتا ہوں کہ تو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر سو برس تک زندہ رہا یہی نہیں، بلکہ تو ایک سو سال اور بھی لے تب بھی ہو گا کیا؟ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔

گر اسپ و یراق است دگر فیروزہ
(۴۰۲) مغرور مشو بدولت دہ روزہ
از قہر فلک ہیچ کسے جاں نبرد
امروز سبو شکست و فردا کوزہ

کہتا ہے کہ اگر تو ساز و یراق کا یا لعل و جواہر کا مالک ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے تجھے اس چند روزہ دولت پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ اس آسمان کے قہر سے کسی کی جان سلامت نہیں بچتی آج اگر صراحی ٹوٹتی ہے تو کل گھڑے کی باری ہے۔

ما ئیم بہ لطف حق تولا کردہ
(۴۰۳) وز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد

نا کردہ چو کردہ، کردہ چوں ناکردہ

کہتا ہے کہ ہم نے تو خدائے پاک کی مہربانیوں کا سہارا ڈھونڈ لیا ہے اور گناہ اور عبادت دونوں سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے، اے اللہ جب کسی پر تیرا کرم ہوتا ہے تو نہ کئے ہوئے کام بنجاتے ہیں اور کی ہوئی برائیاں نہ کی ہوئی ہو جاتی ہیں۔

جانیست دریں راہ خطرناک شدہ
(۴۰۴) تن زیر زمیں ز نیک و بد پاک شدہ
بس رہگذرے کہ بگذرد بر من و تو
ما بے خبر از ہر دو جہاں خاک شدہ

خیام کہتا ہے کہ جان جو بھی وہ تو اسی خطرناک راستے یعنی دنیا سے گذر گئی، رہا جسم وہ بھی نیک اور بد کی آلایش سے پاک ہو کر زمین کے نیچے مدفون ہے۔ ہماری قبروں کے اوپر سے ہزاروں راستہ چلنے والے گذرتے رہتے ہیں اور ہم دونوں جہان سے بے خبر خاک پر نیچے دبے پڑے ہوتے ہیں۔

اے نیک نہ کردہ بد بہا کردہ
(۴۰۵) وانگاہ بہ لطف حق تولا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود
ناکردہ چو کردہ، کردہ چوں ناکردہ

اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے نفس تو نے دنیا میں رہ کر رات دن گذر کئے اور کبھی نیکی کا کوئی کام نہ کیا، اور اب اپنی ان حرکتوں کے باوجود اللہ کی مہربانیوں کا آسرا لگائے بیٹھا ہے۔ خدائے تعالے کے عفو و کرم پر بھروسا مت کر کیونکہ جو کچھ تو کر چکا ہے وہ ان کیا نہیں ہو سکتا، اور جو کچھ تو نے نہیں کیا ہے وہ کسی طرح بھی کیا ہوا نہیں ہو جائے گا۔

اے در رہ بندگیت یکساں کہ و مہ
(۴۰۶) در ہر دو جہاں خدمت درگاہ تو بہ
نکبت تو ستانی و سعادت تو دہی
یارب تو بفضل خویش بستان و بدہ

اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے خیام کہتا ہے کہ اے اللہ تیری بندگی کی راہ میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ سب یکساں اور برابر ہیں دونوں جہان میں تیری درگاہ کی خدمت اچھی ہے۔ تو نکبت اور مصیبت لے لیتا ہے اور کامیابی و سعادت دیا کرتا ہے، اگر تیرا یہی دین ہے تو اسی پر عمل رکھ، خوب لئے جا، اور خوب دیئے جا۔

از آتش و باد و آب و خاکیم ہمہ
(۴۰۷) در عالم کون در ہلاکیم ہمہ
تا تن با ماست در جفائیم ہمہ
چوں تن برود روان پاکیم ہمہ

کہتا ہے کہ ہم سب آگ پانی ہوا اور خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور اس عالم وجود کے اندر ہمیشہ تباہی اور ہلاکت میں مبتلا رہتے ہیں۔ جس وقت تک یہ مادی جسم ہمارے ساتھ ہے اس وقت تک زمانے کی جفاؤں سے مفر نہیں ہے، لیکن جس دن اس بدن کا تعلق قطع ہوا اسی دن ہم پاک اور صاف روح ہو جائیں گے۔

آنہا کہ زپیش رفتہ اند اے ساقی
(۴۰۸) در خاکِ غرور خفتہ اند اے ساقی
رو بادہ خور و حقیقت از من بشنو
باد است ہر انچہ گفتہ اند اے ساقی

کہتا ہے کہ ہم سے پہلے جو لوگ گذر چکے اور جو ہمارے لئے ہدایتیں چھوڑ گئے ہیں گویا کہ وہ ہم سے کچھ بہت بہتر انسان تھے وہ سب غرور کی خاک میں پڑے سو رہے ہیں، موت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بھی ہمیں جیسے انسان تھے۔ اے ساقی تو ان کے رعب میں نہ آ، اٹھ اور دل کھول کر خوب شراب پی وہ جو کچھ کہہ گئے ہیں اس کی حقیقت ایک افسانے سے زیادہ نہیں ہے۔ میں تجھے اس حقیقت سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔

ہاں تا بہ خرابات مجازی نائی
(۴۰۹) تا زور قلندری نہ سازی نائی
ویں رہ رہ مرداں سرافرازان است
زنہار دریں کوچہ بہ بازی نائی

خیام کہتا ہے کہ مجازی شراب خانوں میں جانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے تجھے ہرگز ہرگز وہاں بجانا چاہیے۔ جب تک کہ تجھ میں قلندرانہ اوصاف نہ پیدا ہو جائیں اس وقت تک ایسے مقامات پر قدم رکھنے کی جرأت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ راستہ بڑے سربلند اور صاحب مرتبہ لوگوں کا راستہ ہے، خبردار اس کوچے کو ہنسی کھیل سمجھ کر اس میں قدم نہ رکھنا ورنہ ذلیل و خوار ہو گا۔

(۱۰ہم)

در کارگہ کوزہ گری کردم رائے
در پایۂ چرخ دیدم استادہ بپائے
می کرد سبو و کوزہ را دستہ و پائے
از کلۂ پادشاہ و ز دست گدائے

اس دنیا کی بے ثباتی اور عیش دنیا کی ناپائداری کو خیام نے صدہا مختلف طریقوں پر بیان کیا ہے۔ جس چیز پر بھی اس کی نگاہ پڑتی تھی اس سے وہ ہی سبق حاصل کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ صراحیاں بنانے والے کے کارخانے پر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے چرخ کے قریب کھڑا ہوا ہے اور صراحیوں کے دستے اور گھڑوں کی گردنیں بنا رکھا ہے لیکن جس مٹی سے وہ یہ چیزیں بنا رہا تھا وہ یا تو کسی بادشاہ کے جبڑوں کی خاک تھی یا کسی فقیر کے ہاتھ کی۔

(۱۱ہم)

اے از حرم ذات تو عقل آگہ نے
وز معصیت و طاعت ما مستغنے
مستم ز گناہ و ز رجا ہشیارم
امید ز رحمت تو دارم یعنے

خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں سر نیاز جھکا کر خیام کہتا ہے کہ اے وہ ہستی کہ جس کی ذات کے حرم تک عقلوں کی رسائی نہیں ہے، اور اے وہ ذات کہ جو ہمارے گناہ اور ہماری بندگی سے بے پرواہی میں گناہوں کے نشے میں تو چور ہوں لیکن تیری رحمتوں کی امید کی طرف سے ہشیار رہوں اس سیہ کاری اور گناہگاری کے باوجود مجھے تیرے لطف و کرم کی امید ہے اور اسی کے بھروسے پر یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔

(۱۲ہم) سازندہ کار مردہ و زندہ توئی

دارندۂ این چرخ پراگندہ توئی
من گرچہ بدم صاحب این بندہ توئی
کس را چہ گنہ کہ آفرینندہ توئی

کہتا ہے کہ اے قادر و توانا خدا ہر مردہ اور ہر زندہ شخص کا کارساز تو ہی ہے اور اس پراگندہ آسمان کا قائم رکھنے والا تو ہی ہے۔ میں ضرور برا ہوں لیکن اس برے شخص کا مالک اور آقا تو ہی تو ہے، ہم سے اگر قصور ہوتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا گناہ ہے ہمارا پیدا کرنے والا اور ہمیں بنانے والا تو تو ہی ہے۔

اے چرخ دلم ہمیشہ غمناک کنی
(۴۱۳) پیراہن خرمی من چاک کنی
بادے کہ بمن رسد تو آتش کنیش
آبے کہ خورم در دہم خاک کنی

چرخ فتنہ پرداز کی جفاؤں سے تنگ آکر خیام کہتا ہے کہ اے آسمان تو ہمیشہ میرے دل کو غمناک کرتا رہتا ہے اور میری خوشی و مسرت کا لباس ہمیشہ تیرے ہاتھوں سے پارہ پارہ ہوتا رہتا ہے۔ میری طرف اگر ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے تو اسے آگ بنا دیتا ہے، اور میرے منہ میں اگر پانی کا کوئی گھونٹ جاتا ہے تو اسے تو خاک کر دیتا ہے۔

خوش باش کہ پختہ اند سودائے تو دی
(۴۱۴) ایمن شدہ اند از ہمہ غوغائے تو دی
تو شاد بزی کہ بے تقاضائے تو دی
دادند مزار گاہ فردائے تو دی

کہتا ہے کہ تو کچھ فکر نہ کر اور خوش رہ کیونکہ تیرے لئے فکر کرنے والے نے کل ہی تیرا سودا پختہ کر دیا ہے اور تیرے شور و غوغا سے وہ بے خوف اور بے پروا ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ تو اپنی زندگی مسرت و شادمانی میں بسر کر کیونکہ تیرے تقاضے کے بغیر ہی کل تیرے مزار کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ جہاں تو آیندہ آرام کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ع کارساز ما بہ فکر کار ما بہ فکر ما در کار ما آزار ما بہ

(۴۱۵) ابریق مے مرا شکستی ربی

بر من در عیش را ببستی ربی
بر خاک فگندی مے گلگون مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

رحمت باری تعالیٰ پر ناز کرنے والا خیام کبھی کبھی اس قدر گستاخ ہو جاتا ہے کہ عبد و معبود کے نازک رشتہ کو بالکل بھول جاتا ہے۔ اور ایک عالم سرمستی میں طفلانہ شوخی اور ناز کے ساتھ کہتا ہے کہ اے اللہ تو نے میری شراب کی بوتل توڑ دی اور مجھ پر عیش و مسرت کا دروازہ بند کر دیا' اب میں کیا پیوں' تو نے میری لالہ فام شراب ساری خاک پر گرا دی' میرے منہ میں خاک شاید تو مستی کے عالم میں ہے۔

گہ گشتہ نہاں روئے بہ کس ننمائی
گہ در صور کون و مکاں پیدائی (۱۵۴)
ویں جلوہ گری بخویشتن بنمائی
خود عین عیانی و خودی بینائی

خیام نے تصوف کے اسرار بھی اپنی بعض رباعیوں میں بیان کئے ہیں چنانچہ کہتا ہے کہ اے ذات واجب الوجود کبھی تو تو پوشیدہ ہو کر سب سے منہ چھپا لیتا ہے' اور کبھی یہ حالت ہے کہ دنیا کے ہر نقش و نگار اور ہر صورت سے تیری تجلی ظاہر ہوتی ہے' اور پھر تماشا یہ ہے کہ اپنی یہ جلوہ گری بھی خود اپنے ہی آپ کو دکھایا کرتا ہے خود ہی تو عین و عیاں یعنی بالکل ظاہر بنتا ہے اور خود ہی اپنے اس جلوہ کو دیکھتا ہے گویا خود ہی تماشا ہے اور خود ہی تماشاگر

بر سنگ زدم دوش سبوئے کاشی
سرمست بُدم کہ کردم ایں اوباشی (۱۶۴)
با من بزبان حال می گفت سبو
من چوں تو بُدم تو نیز چوں من باشی

کہتا ہے کہ کل رات میں نے کاشی کی صراحی پتھر پہ مار کر توڑ دی۔ میں نشۂ شراب سے بدمست تھا اس لئے مجبوری سے یہ برا فعل سرزد ہو گیا۔ وہ صراحی زبان حال سے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ایک دن میں بھی تیری ہی طرح انسان تھی' اب کسی دن تو بھی میری طرح ہو جائے گا یعنی تیری خاک سے صراحیاں اور پیالے بنجائیں گے۔

اے دل اگر غبار تن پاک شوی
تو روح مجردی بر افلاک شوی
(۴۱۷) عرش است نشیمن تو شرمت بادا
کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

دنیا اور اس کی تمام دلچسپیاں خیام کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں اور وہ اس دنیا کو ہرگز اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی انسان قیام کرے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اے دل اگر تو اس جسم کے غبار سے پاک ہو جائے تو پھر تو تو روح ہی روح ہے تو آسمانوں پر پہونچ جائے گا۔ تیرا مقام تو عرش بریں پر ہے۔ تجھے شرم آنی چاہئے کہ تو اس تیرہ خاکدان میں آتا ہے۔ اور آکر یہیں بس جاتا ہے۔

پیوستہ زبہر شہوت نفسانی
(۴۱۸) این جان شریف را ہمی رنجانی
آگاہ نہ کہ آفت جان تو اند
آنہا کہ تو در آرزوئے ایشانی

کہتا ہے کہ رات دن تو اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ان کی وجہ سے اپنی شریف جان کو بھی تکلیف دیا کرتا ہے تجھے یہ خبر نہیں ہے کہ تو جن کی آرزو اور تمنا میں سرگرداں ہے وہ سب تیری جان کے لئے آفت ہیں۔ یعنی اپنی خواہش نفس کی وجہ سے تو جن چیزوں کی آرزو کیا کرتا ہے وہی تمام چیزیں تیری جان کے لئے مصیبت کا باعث ہیں

شخصے بہ زنے فاحشہ گفتا مستی
(۴۱۹) ہر لحظہ بدام دیگرے پابستی
گفتا شیخا ہر آنچہ گوئی ہستم
تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی

کہتا ہے کہ ایک شخص نے ایک فاحشہ عورت سے ازراہ تمسخر یہ کہا کہ تو مست ہے اور ہر لحظہ ایک نئے شخص کے جال میں پھنسی رہتی ہے ایک شخص پر قناعت نہیں کرتی۔ اس نے جواب دیا کہ حضور جو کچھ آپ نے فرمایا یہ بالکل درست ہے میں خود ایسی ہی ہوں لیکن ذرا یہ تو فرمائیے کہ حضور جیسا اپنے آپ کو ظاہر کیا کرتے ہیں کیا فی الحقیقت ویسے ہی ہیں

اے کوزہ گرا بکوش اگر ہوشیاری
تاچند کنی بر گل آدم خواری
(۴۲۰) انگشت فریدون و سر کیخسرو
بر چرخ نہادہ چہ مے پنداری

کہتا ہے کہ اے صراحی بنانے والے اگر تو ہشیار اور عقلمند ہے تو اس بات کا خیال کر کہ تو کب تک اسطرح انسانوں کی خاک کی خواری اور تذلیل کئے جائے گا۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ تو نے فریدون کی انگلی اور کیخسرو کا سر اپنے چاک پر چڑھا رکھا ہے مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑے بادشاہوں کا انجام یہی ہے کہ وہ خاک ہو کر خاک میں مل جائیں اور کمہار ان کی خاک سے طرح طرح کے برتن بنائیں۔

چندانکہ نگاہ مے کنم ہر سوئے
(۴۲۱) از سبزہ بہشت است و ز کوثر جوئے
صحرا چو بہشت است ز دوزخ کم گو
بنشیں بہ بہشت با بہشتی روئے

کہتا ہے کہ میں جس قدر بھی اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالتا ہوں تو بھی نظر آتا ہے کہ سبزہ نے ہر جگہ کو بہشت بنا دیا ہے اور حوض کوثر کی نہریں جا بجا بہ رہی ہیں گویا بہار کا موسم ہے اور لالہ و گل نے زمین کو باغ ارم بنا دیا ہے۔ ایسی حالت میں کہ جب جنگل بہشت بنگیا ہے تو عذاب الٰہی اور دوزخ کا ذکر کہاں لے بیٹھا۔ ان جھگڑوں کو چھوڑ اور کسی حسین مہ جبین کے ساتھ بیٹھ کر لطف صحبت اُٹھا۔

اے دہر بہ کردہ ہائے خود معترفے
در خانقہ جور و ستم معتکفے
نعمت بہ خساں دہی و زحمت بہ کساں
زیں ہر دو بروں نیست درے یا خرفے

زمانے کی سفلہ پروری کی شکایت خیام اس طرح کرتا ہے کہ اے دنیا تو اپنے کرتوتوں کی معترف ہے اور ظلم و ستم کی خانقاہ میں تو معتکف ہے گویا تو ہر وقت ظلم و ستم ہی کرتی رہتی ہے۔ تیری یہ عادت ہے کہ کمینوں کو تو نعمتیں دیتی ہے اور لائقوں اور ہنر مندوں کو

تکلیف و مصیبت میں رکھتی ہے۔ اور اس دنیا میں دو ہی طرح کے انسان ہوتے ہیں یا تو وہ موتی کی طرح اچھے اور قابل قدر ہوتے ہیں یا کوڑیوں کی طرح بے قیمت اور ناکارہ۔

زنہار کنوں کہ مے توانی بارے
(۴۴۳) بردار ز خاطر عزیزاں بارے
کیں مملکت حسن نماند جاوید
از دست تو ہم بروں رود یکبارے

کہتا ہے کہ آج جبکہ تو اس قابل ہے کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کر سکے اور ان کے کسی کام آسکے تو دیکھ اس سے جی نہ چرا بلکہ عزیزوں کے دل سے بوجھ دور کر کیونکہ یہ حسن کی مملکت یا دوسروں کے کام آنے کی تیری اہلیت ہمیشہ نہ رہے گی، اور ایک نہ ایک دن تیرے قبضہ سے بھی نکل جائے گی۔ جس طرح اور لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

برگیر ز خود حساب اگر با خبری
کاوّل تو چہ آوردی و آخر چہ بری
(۴۴۴) گوئی نخورم بادہ کہ مے باید مرد
می باید مرد گر خوری یا نہ خوری

کہتا ہے کہ اگر تو باخبر اور ہوشیار ہے تو ذرا اپنا حساب کر کہ جب تو پیدا ہوا تھا تو عدم سے کیا کچھ لیکر دنیا میں آیا تھا اور جب دنیا سے رخصت ہوگا تو اپنے ساتھ کیا لے کر جائے گا۔ تو یہ کہتا ہے کہ میں اس لئے شراب نہیں پیتا کہ خدا کو جان دینی ہے اور ایک نہ ایک دن مرنا ہے تو یہ بھی تو سوچ کہ اگر تو شراب نہ پئے تو کیا مرنے سے بچ جائے گا خدا کو جان تو بہر صورت، دینی پڑے گی چاہے تو شراب پئے یا نہ پئے۔

پیرے دیدم بہ خانۂ خمارے
(۴۴۵) گفتم نہ کنی ز رفتگان اخبارے
گفتا مے خور، کہ ہمچو من بسیارے
رفتند و کسے باز نیامد بارے

کہتا ہے کہ میں نے ایک بوڑھے کو شراب خانے میں دیکھا تو میں نے اس سے کہا

کہ گذرے ہوئے لوگوں کی کچھ خبر کیوں نہیں بیان کرتے، کہنے لگا کہ بھائی ان باتوں کو چھوڑو اور شراب پیو کیونکہ میری طرح کے بے شمار انسان اس دنیا سے چلے گئے اور ان میں ایک بھی کبھی لوٹ کر نہ آیا۔

(۴۲۶)

بر کوزہ گرے پریر گردم گذرے
از خاک ہمی نمود ہر دم بترے
من دیدم اگر ندید ہر بے بصرے
خاک پدرم برکف ہر کوزہ گرے

کہتا ہے کہ پرسوں میرا گذر ایک کمہار کے گھر پر ہوا تو یہ دیکھا کہ وہ مٹی سے برتن بنا رہا تھا گویا جس کی وہ خاک تھی اس سے بدتر چیز وہ اس سے بنا رہا تھا۔ کسی اور بے بصر نے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر میں نے تو یہ دیکھا کہ ہر کمہار کے ہاتھ میں میرے ہی باپ دادا کی خاک تھی۔

(۴۲۷)

برگیر پیالہ و سبوائے دل جوئے
بخرام لسبوئے سبزہ زار و لب جوئے
کایں چرخ کہ صورت بتان مہ روئے
صد بار پیالہ کرد و صد بار سبوئے

کہتا ہے کہ اے میرے محبوب مطلوب تو صراحی اور گلاس اٹھالے اور نہر کے کنارے سبزہ زار میں چل تاکہ وہاں بیٹھ کر خوب شراب پئیں اور داد عیش دیں۔ اس آسمان کا تو ہمیشہ یہی کام اور رات دن کا یہی مشغلہ ہے کہ چاند سی صورت والے حسینوں کو خاک میں ملاتا رہتا ہے اور ان کی خاک سے سیکڑوں مرتبہ پیالے بنا دیئے اور سیکڑوں مرتبہ صراحیاں

(۴۲۸)

اے آنکہ نتیجۂ چہار و ہفتی
در ہفت و چہار دائم اندر تفتی
مے خور کہ ہزار بار بیشت گفتم
باز آمدنت نیست چو رفتی رفتی

بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے خیام کہتا ہے کہ اے وہ ہستی کہ جس کی زندگی چار عناصر اور سات آسمانوں کی گردش پر منحصر ہے تو انہی سات اور چار میں پھنسا ہوا

ہر وقت جلتا اور سلگتا رہتا ہے۔ اپنے ان لغو اور فضول خیالات کو چھوڑ کر خم سے شراب پی کیونکہ میں ہزاروں مرتبہ اس سے پہلے بھی تجھے سمجھا چکا ہوں کہ اس دنیا میں بار بار لوٹ کر آنا نہیں ہے۔ بس ایک مرتبہ جب یہاں سے رخصت ہو گیا تو ہو گیا۔

بکشائے درے کہ درکشایندہ توئی
(۴۲۹) بنمائے رہے کہ رہ نمایندہ توئی
من دست بہ ہیچ دستگیرے ندہم
کاایشاں ہمہ فانی اند و پایندہ توئی

نشۂ معرفت سے چور اور شراب عشق سے مخمور ہو کر خیام اپنے مطلوب حقیقی سے التجا کرتا ہے کہ اے اللہ تو ہی میرے لئے کوئی دروازہ کھول دے کیونکہ دروازوں کا کھولنے والا تو ہی ہے، اور مجھے صراط مستقیم دکھا دے کیونکہ بھولے بھٹکے لوگوں کو راہ دکھانے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ تیرے ہوتے میں کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور کسی غیر اللہ سے طالب امداد ہونا نہیں چاہتا کیونکہ وہ خواہ کتنے ہی بڑے اور کیسے ہی مقرب بارگاہ کیوں نہ ہوں پھر بھی فانی انسان ہیں۔ اور دستگیری کی قوت اور استعداد نہیں رکھتے، بقا صرف تجھی کو ہے اس لئے تو ہی ایک ایسی ہستی ہے کہ جس کے آگے دست سوال پھیلایا جائے اور جس سے مدد مانگی جائے، لہذا تو ہی اپنے رحم و کرم سے میری دستگیری کر

او بے خبرے گزیں اگر باخبری
(۴۳۰) تا از کف مستان ازل بادہ خوری
تو بے خبری باخبری کار تو نیست
ہر باخبرے را نہ رسد بے خبری

کہتا ہے کہ اے انسان تو ہوشیار اور دانا بننے کی کوشش کیا کرتا ہے یہ تیری غلطی ہے ان خیالات اور ان افکار کو چھوڑ اور اگر تو عقلمند اور باخبر ہے تو جا اور بیخبری اختیار کر تا کہ تجھے مستانِ ازل کے ہاتھوں سے شراب پینے کو ملے تو بے وقوف ہے تجھے خبر نہیں ہے کہ ہوشیاری اور باخبری تیرا کام نہیں ہے، اور بے خبری و بیہوشی جیسی چیز ہر صاحب فہم اور باخبر شخص کو حاصل نہیں ہوا کرتی یہ تو انتہائی عقلمندی کا درجہ ہے۔

(۴۳۱) چندیں غم بیہودہ مخور شاد بزی

واندر رہ بیداد تو بادا دبزی
چوں آخر کار ایں جہان نیستی است
انگار کہ نیستی و آزاد بزی ،

کہتا ہے کہ رات دن کے یہ بیہودہ اور فضول رنج و غم نہ کھا اور خوشی و خرمی میں زندگی بسر کر اس ظلم و ناانصافی کی راہ میں تو کامل انصاف کی زندگی گذار۔ جبکہ تجھے معلوم ہے کہ اس دنیا کی زندگی کا انجام نیستی اور فنا ہے تو پھر فکر کس بات کی؟ تو ابھی سے یہ سمجھ لے کہ تو نیست ہو چکا اور ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد زندگی لبسر کر۔

(۴۳۱)
در باغ چو بُد غورۂ ترش اول دے
شیریں ز چہ گشت و تلخ چوں آمد مے
از تیشۂ چوب گر کسے کرد رباب
وزنہ بشیہ چہ گوئی کہ ہمی روید نے

اسرار قدرت کی گوناگونی اور قدرت خداوندی کی بجوبی پر غور کرتے کرتے خیام کا دل ان فلسفیوں سے جو ذات باری تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے یہ سوال کرتا ہے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ دسمبر کے مہینہ کے شروع میں جو انگور بالکل ترش اور ناقابل خورش تھے وہ خود بخود شیریں اور خوش ذائقہ کیسے ہو گئے۔ اور پھر انہی شیریں انگوروں سے جب شراب کشید کی گئی تو اس میں تلخی کس نے پیدا کر دی، اور بڑھئی کے بسولے کے ذریعہ سے رباب بنا کر اس کے اندر ایسے ایسے مست کر دینے والے نغمے کون بھرا کرتا ہے اور جنگلوں کے اندر نرسل اور بانس کون اُگایا کرتا ہے اور اس سے بنی ہوئی بانسریوں کے اندر ایسی سُریلی اور ہوش ربا آواز کون بھر دیتا ہے۔

(۴۳۲)
یارب بکشائے برمن از رزق درے
بے منت مخلوق رساں ماحضرے
از بادہ چناں مست نگہدار مرا
کز بے خبرے نباشد بہ درد سرے

خیام اپنے معبود حقیقی سے دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ تو مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دے اور ایسی توفیق دے کہ مخلوق کی منت اور اپنے ہی جیسے انسانوں کی خوشامد اور غلامی کے بغیر

مجھے روکھی سوکھی دو روٹیاں مل جایا کریں، اور اے اللہ مجھے ہر وقت اور ہر لحظہ اس قدر مست اور مدہوش رکھ کہ اس بیہوشی کی وجہ سے کبھی درد سر کا احساس نہ ہونے پائے اور ایسا کبھی نہ ہو کہ نشہ اُترنے لگے اور میں خمار کی تکلیفوں میں مبتلا ہو جاؤں۔

(۴۳۳)
گر آمدنم بخود بُدے نامدمے،
ور نیز شدن بمن بُدے کے شدمے
بہ زاں نہ بدے کہ اندریں دیر خراب
نے آمدمے نے شدمے، نے بدمے

کہتا ہے کہ اگر اس دنیا میں آنا نہ آنا میری اپنی مرضی پر منحصر ہوتا تو میں ہرگز نہ آتا اور اگر یہاں سے بھاگ جانا ہی میرے اختیار میں ہوتا تو میں ابتک کبھی کا بھاگ گیا ہوتا اس سے بہتر حالت میرے لئے اور کوئی نہ ہو سکتی تھی کہ اس خراب آباد دنیا میں نہ میں کبھی آتا، نہ کبھی یہاں سے جاتا، اور نہ کبھی یہاں رہتا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ آنا اپنے اختیار میں اور نہ جانا۔ کسی کی مشیت کھینچ لاتی ہے چلے آتے ہیں، اور کوئی طاقت یہاں سے پھر کشاں کشاں پکڑے جاتی ہے چلے جاتے ہیں، ذوقؔ نے کہا ہے کہ ؎ لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

(۴۳۴)
اے دل تو بہ سرِّ ایں معمّا نہ رسی
در نکتۂ زیرکانِ دانا نہ رسی
ایں جا زمے و جام بہشتی مے ساز
کانجا کہ بہشت است رسی یا نہ رسی

اپنے دل سے خیام کہتا ہے کہ اے دل تو اس دنیا کے معمّے کو حل کرنے اور اس کا بھید پانے سے عاجز ہے، اور جو ہستیاں کہ تجھ سے زیادہ عقلمند اور دانا ہیں انکے نکتے تیری سمجھ میں نہیں آ سکتے، ان فلسفیوں کو ان کے حال پر چھوڑ اور تو اس فضول تلاش اور تجسس سے باز آ۔ تو اس دنیا میں اعلیٰ درجہ کی بہشت کی سی شراب پی اور اس کے جام ہر وقت ہونٹوں سے لگائے رکھ کیونکہ جس جگہ کا نام بہشت ہے اور جہاں شراب طہور ملنے کا وعدہ ہے وہاں خدا جانے تو کبھی پہونچے بھی یا نہ پہونچے۔

اے چرخ چہ کردہ ام بمن راست بگوی

پیوستہ مرا فگندہٴ در تنگ و پوئے
نانم نہ دہی تا نہ بری کوئے بکوئے
آبم ندہی تا نہ بری آب زروئے

جفائے زمانہ سے تنگ آکر اور اپنے ابنائے جنس پر چرخ ناہنجار کی چیرہ دستیاں دیکھ کر خیام پوچھتا ہے کہ آسمان آخر میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے تو سچ سچ بتا دے تو نے مجھے شب و روز کی پریشانی اور دوڑ بھاگ میں کیوں مبتلا کر رکھا ہے۔ جب تک تو مجھے در بدر اور کوچہ بکوچہ پھرا نہیں لیتا اس وقت تک روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیتا اور جب تک میری آبرو نہیں لے لیتا اور مجھے ذلیل و بے عزت نہیں کر لیتا اس وقت تک ایک گھونٹ پانی سے بھی محروم رکھتا ہے۔

(۴۳۶)
ہاں تا بر مستاں بہ درشتی نشوی
یا از در نیکوان بزشتی نشوی
مے خور کہ بخوردن و بناخوردن مے
گر اہلِ دوزخی بہشتی نشوی

خیام کہتا ہے کہ خبردار کبھی مستوں اور بادہ خواروں کے پاس ان پر سختی کرنے کے لئے نہ جانا اور نہ نیک لوگوں کے دروازے سے برائی کے ساتھ گزرنا جو بُرا ہے اور گناہگار ہے وہ اپنے لئے بُرا اور گناہگار ہے اپنے اعمال کا اپنے خدا کو خود جواب دیگا تم اس کے ذمہ دار یا خدائی فوجدار نہیں ہو۔ تم ان جھگڑوں اور قصوں میں پڑنے کی بجائے اپنی زندگی عیش و عشرت میں گذارو اور شراب پیو کیونکہ شراب پینے یا نہ پینے کی وجہ سے اگر تمہارے اعمال جہنم کے لائق ہیں تو بہشتی نہ ہو جاؤ گے۔

(۴۳۷)
خواہی کہ پسندیدہٴ آنام شوی
مقبول قبول خاصہ و عام شوی
اندر پئے مومن و جہود و ترسا
بدگوئے مباش تا نکو نام شوی

خیام کہتا ہے کہ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا تجھے اچھا سمجھنے لگے اور خاص و عام سب کی نگاہوں میں تو معزز اور مقبول ہو جائے تو تجھے چاہئے کہ مومن،

یہودی، بت پرست غرضیکہ کسی مذہب و ملت کے آدمی کی برائیاں نہ کر اور کسی کو برا نہ کہہ نیک نام حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔

تا کے غم آں خورم کہ دارم یا نے
(۴۳۸) ویں عمر بہ خوشدلی گذارم یا نے
پُر کن قدح بادہ کہ معلومم نیست
کایں دم کہ فرو برم برآرم یا نے

کہتا ہے کہ میں کب تک اس بات کا غم کھائے جاؤں کہ میرے پاس کچھ ہے یا نہیں اور کب تک اس فکر میں مبتلا رہوں کہ ان حالات میں مجھے اپنی عمر خوشی میں گذارنی چاہئے یا نہیں۔ یہ سب اندیشے اور یہ تمام فکریں فضول اور لایعنی ہیں، ساقی تو شراب کا پیالہ بھر کے مجھے دیدے کیونکہ مجھے تو یہ بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ جو سانس اس وقت میرے سینہ کے اندر جا رہا ہے۔ یہ واپس بھی آئیگا یا نہیں۔ جب زندگی اس قدر ناپائدار اور عمر اس درجہ ناقابل اعتبار ہے تو پھر اس کے متعلق فکر و اندیشے کیسے

با دردِ قناعت کن و آباد بزی
(۴۳۹) در بند فزونی مشو آزاد بزی
منگر بہ فزونی ز خود و غصہ مخور
در کم ز خودی نگہ کن و شاد بزی

کہتا ہے کہ جو درد و الم تیرے حصہ میں آیا ہے اس پر قناعت کر اور شاد و آباد رہ۔ زیادہ حاصل کرنے کی فکر نہ کر اور دنیا کے غم سے بالکل آزاد رہ کر زندگی بسر کر۔ تو ان لوگوں کی طرف دیکھتا ہے جنہیں تجھ سے زیادہ دنیا کی دولت میسر ہے اسی لئے تجھے رنج ہوتا ہے اور تیرے دل میں حرص پیدا ہوتی ہے، تو انکی طرف نہ دیکھ بلکہ انکی حالت پر غور کر کہ جو تجھ سے بدتر حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں پھر تجھے اپنی حالت شکر کے قابل اور بیا غنیمت معلوم ہوگی۔ خوشی اور خرمی کی زندگی بسر کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

با من تو ہر انچہ گوئی از کیں گوئی
(۴۴۰) پیوستہ مرا ملحد و بے دیں گوئی
من خود مقرم ہر انچہ گوئی ہستم

انصاف بدہ تراہ رسد کیں گوئی

ایک زاہد خشک اور ناصح مشفق کو مخاطب کرکے خیام کہتا ہے کہ تو مجھ سے جو کچھ گفتگو کرتا ہے وہ دشمنی اور عداوت کے ساتھ کرتا ہے اور ہمیشہ مجھے کافر اور بیدین بناتا رہتا ہے۔ جو کچھ تو کہتا ہے یہ سب صحیح ہے اور میں خود اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ تو کہتا ہے میں ویسا ہی ہوں لیکن ذرا انصاف کر کہ جو کچھ کہتا ہے اس کے کہنے کا تجھے حق حاصل ہے۔ کیا تو خود اس قدر نیک اور پارسا ہے کہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور انہیں برا بھلا کہے۔

از آمدن بہار وز رفتن دے
اوراق وجود ما ہمی گردد طے (۴۴۱)
مے خور مخور اندوہ کہ گفت است حکیم
غمہائے جہاں چو زہر و تریاقش مے

کہتا ہے کہ بہار آتی ہے اور خزاں جاتی ہے اسی طرح ہماری زندگی کے ورق لٹتے چلے جاتے ہیں اور عمر بسر ہوتی چلی جاتی ہے۔ تو دنیا کا غم نہ کھا بلکہ شراب پی کیونکہ حکیموں کا مقولہ ہے کہ دنیا کے غم زہر کی طرح ہوتے ہیں اور زہروں کی تریاق شراب ہے

تا در تن تست استخواں و رگ و پے
از خانۂ تقدیر منہ بیروں پے (۴۴۲)
گردن منہ ار خصم بود رستم زال
منت مکش ار دوست بود حاتم طے

کہتا ہے کہ جب تک تیرے جسم میں ہڈیاں اور رگ پٹھے موجود ہیں یعنی تیری زندگی قائم ہے اس وقت تک تقدیر کے گھر سے قدم باہر نہ نکال۔ تیرا دشمن اگر رستم ہو تب بھی ہرگز ہرگز اس کے آگے سر خم نہ کر، اور تیرا دوست اگر حاتم طائی ہو تب بھی اس کا احسان نہ قبول کر۔ دشمنوں کے آگے سر جھکانا اور دوستوں کے بار احسان سے دب جانا شرف انسانیت کو کم کرتا ہے۔

گر روئے زمیں بجملہ آباد کنی (۴۴۳)
چنداں نبود کہ خاطرے شاد کنی

گر بندہ کنی بہ لطف آزادے را
بہتر کہ ہزار بندہ آزاد کنی

کہتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی فرماں روائی مجھے حاصل ہو جائے اور تو تمام روئے زمین کو آباد کر دے تو وہ بھی اتنی بڑی نیکی نہیں ہے کہ جتنا ایک دل کو خوش کرنا، اور اگر تو اپنی مہربانی اور لطف کے ذریعہ کسی ایک آزاد انسان کو اپنا غلام بناتے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ ہزار غلاموں کو آزاد کر دے۔

از کبر مدار ہیچ در دل ہوسے
کز کبر بجائے نہ رسیدہ ست کسے (۴۴۴)
چوں زلفِ بتاں شکستگی عادت کن
زاں پیش کہ بگسلد ز تار نفسے

کہتا ہے کہ نخوت و غرور کی اپنے دل میں آرزو اور حرص نہ رکھ کیونکہ غرور کی وجہ سے کبھی کوئی شخص کسی فیض کو نہیں پہنچا ہے۔ اس سے پہلے کہ تیرے سانس کا تار ٹوٹ جائے تجھے چاہیے کہ معشوقوں کی زلف کی طرح ٹوٹنے کی اور خمیدہ ہونے کی عادت ڈال لے۔

دنیا نفسے و من در و یک نفسے
اندر نفسے چند تواں زد نفسے (۴۴۵)
شکرانہ آں کہ زندہ خوش میباشی
ایں عالم بے وفا نماند بہ کسے

کہتا ہے کہ دنیا کا وجود ایک دم بھر کا ہے اور اس ایک دم کے اندر میں خود ایک دم کا مہمان ہوں۔ جبکہ اس دنیا ہی کی عمر ایک دم ہے تو اس میں کتنے سانس لئے جا سکتے ہیں۔ اس بات کے لئے خدا کا شکر ادا کر کہ تو خوش اور زندہ ہے کیونکہ یہ بیوفا دنیا کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔

زاں پیش کہ از جامِ اجل مست شوی
زیرِ لگدِ حادثہ ہا پست شوی (۴۴۶)
سرمایہ بدست آر دریں رہ کانجا
سودے نہ کنی اگر تہی دست شوی

کہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ تو موت کی شراب کا پیالہ پیکر بدمست اور بیہوش ہو جائے

اور حادثات زمانہ کی لاتیں تجھے مار کر گرادیں کچھ نیکیوں کا سرمایہ جمع کرلے کیونکہ اس دوسری دنیا میں اگر تو خالی ہاتھ گیا تو اس سے تجھے کچھ نفع نہ ہوگا۔

(۴۴۷)
اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی
بشنو سخنم ز عالم روحانی
دیوے و ددے و ملکی و انسانی
باتست ہر آنچہ مے نمائی آنی

کہتا ہے کہ اے انسان جو چار عناصر سے بنا ہوا ہے میں عالم روحانی کی بات تجھے سناتا ہوں اسے سن لے۔ یہ تیرے اپنے اختیار میں ہے کہ تو چاہے شیطان بنجائے یا جانور یا فرشتہ یا انسان جیسا تو اپنے عمل سے اپنے آپ کو ظاہر کرے گا ویسا ہی ہو جائیگا۔

(۴۴۸)
ہر چند ز دست دہر غم کش باشی
وز جور جفائے چرخ ناخوش باشی
زنہار ز دست ناکساں آب زلال
بر لب مچکاں اگر در آتش باشی

کہتا ہے کہ تو دنیا کے ہاتھوں خواہ کتنا ہی دکھ پائے اور آسمان کے مظالم تجھے کتنا ہی رنجیدہ اور ملول کردیں پھر بھی نالائقوں اور کمینوں کے ہاتھ سے شربت لیکر اپنے ہونٹوں پر مت ڈال خواہ تو آگ ہی میں کیوں نہ جلتا ہو۔

(۴۴۹)
با درد بساز تا دوائے یابی
از درد منال تا شفائے یابی
مے باش بہ وقت بینوائی شاکر
تا عاقبت الامر نوائے یابی

کہتا ہے کہ درد و غم کے ساتھ موافقت کرلے تاکہ وہ خود دوا بنجائے اور تکلیف اور درد کی وجہ سے آہ و زاری نہ کرتا کہ تجھے شفا حاصل ہو جائے اپنی بے نوائی اور ناداری کے زمانہ میں خدا کا شکر ادا کر اور اس سے رنجیدہ نہ ہو تاکہ آخر کار تجھے اس دنیا کے لئے ساز و سامان حاصل کرلے۔

(۴۵۰)
از دفتر عمر مے بگشودم فالے

ناگاہ ز سوز سینہ صاحب حالے
می گفت خوش آں کسے کہ در خانۂ او
او زیست چو ماہے و شبے چوں سالے

کہتا ہے کہ میں اپنی عمر کے دفتر سے فال کھول رہا تھا گویا اپنی زندگی کے حالات پر غور کر کے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میری زندگی خوشی میں گزر رہی ہے یا رنج وغم میں ناگاہ میں نے سنا کہ ایک صاحب حال عارف باللہ اپنے سینے کے سوز سے گھبرا کر کہہ رہا ہے کہ اس دنیا میں خوش صرف وہی شخص ہے جس کے گھر میں تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے ایک دن ایک مہینے کے اور ایک رات ایک سال کے برابر گزرے

آں مایہ ز دنیا کہ خوری یا نوشی
معذوری اگر در طلبش می کوشی (۴۵۱)
باقی ہمہ رایگاں ترا ز و ہشدار
تا عمر گراں مایہ بداں نفروشی

کہتا ہے کہ اس دنیا کے مال ومتاع میں سے جتنا کہ تیری زندگی کے لئے ضروری ہے اور جسے تو کھا پی لیتا ہے اس کی طلب تو جائز ہے اور اگر تو اس کے لئے کوشش کرتا ہے تو تو معذور ہے لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب تیرے لئے ہے اور اگر تو عقلمند ہے تو خبردار اپنی بیش قیمت عمر اس کے حصول کی کوشش میں یا اس کی خریداری پر ضائع نہ کر۔ ظاہر ہے کہ اپنی جائز ضروریات زندگی کے علاوہ انسان جس قدر دولت رکھا کرتا ہے وہ اس کے کسی کام نہیں آتی، اور اس میں اور کنکر پتھر میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے ایسی بے قیمت چیز کے لئے عمر جیسی گرانمایہ چیز برباد کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

تن زن چو بزیر فلک بے باکی
مے نوش چو در جہاں آفت ناکی (۴۵۲)
چوں اول و آخرت بجز خاکے نیست
انگار کہ بر خاک نئی در خاکی

کہتا ہے کہ جب تک تو اس ناخدا ترس اور بیباک آسمان کے نیچے ہے اس وقت تک رضا بقضا کی عادت اختیار کر اور جب تک تو ان آفتوں اور مصیبتوں بھری دنیا میں ہے اس وقت تک شراب پی تاکہ رنج وغم پاس نہ آنے پائے جبکہ تیری ابتدا اور تیرا انجام خاک کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو تجھے چاہئے کہ ابھی سے یہ سمجھ لے کہ تو خاک کے اوپر نہیں بلکہ خاک کے نیچے ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا۔

(۴۵۳)
گرشادی خویشتن دراں میدانی
کازسودہ دلے را بہ غمے بنشانی
در ماتم عقل خویش بنشیں ہمہ عمر
میدار مصیبت کہ عجب نادانی

کہتا ہے کہ اگر تو اپنی خوشی اسی میں سمجھتا ہے اور تجھے اسی سے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ کسی مطمئن اور پُر سکون دل کو غم والم میں مبتلا کر دے تو تجھے اپنی عقل کا مدت العمر ماتم کرنا چاہئے اور ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہنا چاہئے۔ کیونکہ تو سخت بیوقوف ہے۔

(۴۵۴)
ہنگام سفیدہ دم خروس سحری
دانی کہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینۂ صبح
کز عمر شبے گذشت و تو بے خبری

کہتا ہے کہ او غافل انسان تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ روز صبح ہی صبح مرغ جو اذان دیا کرتا ہے یہ تجھ سے کیا کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ صبح کے آئینہ میں تجھے روز یہ دکھایا جاتا ہے کہ تیری عمر میں سے ایک رات اور گذر گئی لیکن تو ہے کہ تجھے کچھ پروا نہیں

(۴۵۵)
اے سوختہ سوختہ سوختنی
وے آتش دوزخ از تو افروختنی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن
حق را تو کے برحمت آموختنی

خیام اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے جلے ہوئے اور جلانے کے لائق انسان اور اے گنہگار ہستی کہ جو دوزخ کا ایندھن بننے کے قابل ہے تو کب تک یہ دعا مانگے جائیگا کہ خداوندا تو عمر پر رحمت کر تو اس قابل کب سے ہو گیا کہ خدائے تعالے کو جو ارحم الراحمین ہے رحمت کا سبق سکھلائے۔

(۴۵۶)
اے دل می و معشوق مکن جز باقی
سالوس رہا کن و مکن زراقی
گر پیرو احمدی خوری جام شراب
زاں حوض کہ مرتضاش باشد ساقی

کہتا ہے کہ اے دل تو شراب اور معشوق کو ادھار میں نہ رکھ صرف اتنا کر کہ مکر و فریب کو چھوڑ کر سچا اور راست باز بن جا۔ اگر تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ والہ وسلم کا پیرو ہے تو تو اس حوض سے شراب پئے گا کہ جس کے ساقی علی مرتضےٰ ہوں گے۔

ختم شد